حقوق الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں فقہاء کی آراء کا تحقیقی و تقابلی جائزہ

تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی

(سیرت سٹڈیز)

مقالہ نگار:

محمد نور الحق قادری

نگران:

پروفیسر ڈاکٹر حافظ عبد الغفور

انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اینڈ اریبک سٹڈیز

پشاور یونیورسٹی

(2012)

Huqūq al-Rasūl Sallallāhu 'Alayhi Wa Ālihī Wa Sallam ke bārey mein Fuquhā' kī Ārā' kā Tahqīqi wa Taqābuli Jā'izah

Ph.D Thesis

(Seerat Studies)

Research Scholar:

Muhammad Noorul Haq Qadri

Supervisor:

Prof. Dr. Hafiz Abdul Ghafoor

INSTITUTE OF ISLAMIC & ARABIC STUDIES

UNIVERSITY OF PESHAWAR

(2012)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مَـــنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ
فَقَـــدْ اَطَـــاعَ اللّٰهَ
”کہ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے درحقیقت اللہ ہی کی
اطاعت کی“
(النسآء: ۸۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب:

میں انتہائی عجز وانکساری سے اپنی اس کاوش کو سرکار دو عالم ﷺ کے ان سچّے ،سُچّے عاشقوں کی طرف منسوب کرتا ہوں،جنہوں نے تحفظ ناموس رسالت مآب ﷺ پر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا اور شہادت کا رتبہ پا کرامر ہو گئے۔

اور ان محققین ،علماء ملت اور سیرت نگاروں کے نام جنہوں نے اپنی علمی وتحقیقی کاوشوں سے سیرت نبویؐ کا ہر گوشہ واضح کیا اور اپنے قلم کے زور سے حقوق مصطفیٰ ﷺ کے ہر علمی اور فکری محاذ پر دفاع کر کے طالبانِ علوم نبوت ومحققینِ سیرت کے لیے مزید تحقیق کے راستے وا کر دیئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان دونوں طبقوں کی قربانی کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازیں۔آمین

خاک پائے عاشقانِ رسولؐ

(محمد نور الحق قادری)

اظہار تشکر

جو شخص بندگان خدا کا شکر ادا نہیں کر پاتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر کیسے ادا کر سکتا ہے؟

میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی توفیقات اور کرم نوازیوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جس کی دی ہوئی توفیق سے میں اس قابل ہوا کہ بحیثیت امتی اپنے پیارے آقا و مولیٰ نبی اکرم سرور دو عالم ﷺ کی سیرت طیبہ کے ایک گوشے پر کچھ نہ کچھ لکھنے کی سعادت حاصل کر سکوں۔

میں اپنے استاد، محسن و مربی اور نگران مقالہ محترم پروفیسر ڈاکٹر حافظ عبدالغفور صاحب کا ممنون ہوں جن کی راہنمائی اور کمال مہربانی سے یہ مقالہ پایۂ تکمیل تک پہنچا۔ میں اپنے نہایت ہی قابل قدر اساتذہ کرام پروفیسر ڈاکٹر عبدالقادر سلیمان الازہری صاحب، محترم ڈاکٹر حافظ محمد سجاد صاحب، پروفیسر ڈاکٹر محمد عمر صاحب، محترم پروفیسر ڈاکٹر معراج الاسلام ضیاء صاحب، محترم پروفیسر ڈاکٹر محمد اسلام گوہر صاحب، محترم پروفیسر ڈاکٹر ضیاء اللہ الازہری صاحب اور بطور خاص اپنے مشفق و مہربان استاد محترم اور علم و تحقیق کے میدان میں ایک معتبر نام، محترم پروفیسر ڈاکٹر قبلہ ایاز صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی سرپرستی، راہنمائی اور تعاون کے وجہ یہ مشکل کام آسان ہوا۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب پاک ﷺ کے طفیل میرے ان تمام قابل احترام اساتذہ کو جزائے خیر نصیب فرمائے اور میری اس سعی کو شرف قبولیت سے نوازے، آمین ثم آمین۔

(محمد نور الحق قادری)

اقرار نامہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ.

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم، اساتذہ کرام کی نظر شفقت اور راہنمائی سے زیر نظر مقالہ تقریباً پانچ سال کے عرصے میں پایۂ تکمیل کو پہنچا ہے۔ مسلسل محنت اور تگ و تاز سے میں ناتواں بندہ اس قابل ہوا کہ پی ایچ۔ ڈی کے لیے اپنے منظور شدہ عنوان ''حقوق الرسول ﷺ کے بارے میں فقہاء کی آراء کا تحقیقی و تقابلی جائزہ'' کو مقالے کی صورت میں پیش کرسکوں۔ یہ ساری کاوش راقم کی اپنی ذاتی ہے۔

(محمد نور الحق قادری)

فہرست عنوانات

باب پنجم: عصر حاضر میں حقوق الرسول ﷺ کی عملی صورتیں

مقدمہ

1-موضوعِ تحقیق کا تعارف اور اہمیت(Introduction)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ، نَحْمَدُهُ، وَنَسْتَعِيْنُهُ، وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا، وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ۔

(ابن ماجہ،حدیث نمبر۱۸۹۲)

اللہ تعالیٰ نے انسان پر بے شمار احسانات کئے ہیں۔اَن گنت انعامات سے اسے نوازا ہے ۔مگر اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کا اپنے بندے پر احسان نہیں رکھا،اگر اس نے اپنے بندوں پر اپنی کسی نعمت کو جتلایا ہے تو وہ یہی نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

"لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ"

"اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان فرمایا جب انہی میں سے ان کے درمیان ایک رسول مبعوث فرمایا۔جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے۔ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے۔حالانکہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے" (آل عمران،۱۶۴)

یہی وجہ ہے کہ اللہ نے آپ پر ایمان لانے کو لازم،آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور آپ کی اتباع کی شرطِ نجات قرار دیا ہے۔ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

"قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ"

"اے پیغمبر ﷺ آپ فرمادیں:اے لوگو! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو پھر میری اتباع کرو۔اللہ تم سے محبت فرمائے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے" (آل عمران ۳۱)

یعنی اتباعِ نبوی ہی حبِّ خداوندی کے حصول کی ضامن ہے جو شخص آپ کی اتباع نہ کرے وہ کبھی خدا کا محبوب نہیں بن سکتا نہ اس کے گناہ معاف ہو سکتے ہیں۔قرآن وسنت میں نبی کریم ﷺ کی بعثت کو انسانیت کے لئے عظیم نعمت اور اہل ایمان کے لئے آپ کی اتباع کو شرطِ ایمان قرار دیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے:

"مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ"

"کہ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت کی" (النسآء: ۸۰)

رسول کی اطاعت نہ کرنا دراصل اپنے اعمال کو ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ارشادِ ربانی ہے:

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ"

" اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ اور رسول کی اطاعت نہ کر کے اپنے اعمال ضائع نہ کر بیٹھو" (محمد: ۳۳)

اس سے معلوم ہوا کہ نیک اعمال اس وقت شرف قبولیت حاصل کر سکتے ہیں جب تک آپ کی اطاعت کی جائے بلکہ کوئی عمل عمل صالح ہی تب کہلا سکتا ہے جب وہ سنت کے مطابق ہو۔ جب کوئی عمل آپ کے طریقہ مبارک سے ہٹ کر کیا جائے گا تو وہ باطل اور مردود ٹھہرے گا۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہے :

" وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا"

" رسول جو کچھ تمہیں دیں اسے لے لو اور جس سے منع کرے اس سے باز آ جاؤ" (الحشر: ۷)

اسی طرح حدیث میں بھی اتباع سنت پر بہت زور دیا گیا ہے:

"فَمَنْ أَطَاعَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصَى مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ"

" کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے دراصل اللہ کی نافرمانی کی"

(البخاری، كِتَاب الِاعْتِصَامِ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ بَاب الِاقْتِدَاءِ بِسُنَنِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى)

نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کا مفہوم یہ ہے کہ دل سے آپ کی قدر کریں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کا سچا پیغمبر مانیں۔ آپ کی لائی ہوئی تعلیم کے متعلق ہمارا عقیدہ یہ ہونا چاہیے کہ اس پر عمل پیرا ہونے میں ہی ہماری فلاح ہے اور اگر اس پر عمل نہ کیا گیا تو یہ انجامِ کار دنیا و آخرت میں ہمارے ہی لئے نقصان کا باعث ہو سکتا ہے۔ آپ کی تعلیمات دائمی اور ابدی ہیں اور خدا کی معرفت کا وہی طریقہ بہترین ہے جو آپ نے بتایا ہے۔

ایسی عظیم ہستی سے ہمیں بے لوث محبت کرنی چاہیے۔ دل کی گہرائیوں سے آپ کے ساتھ شعوری محبت کی جائے اور یہ محبت دنیا کی تمام محبتوں سے بڑھ کر ہونی چاہیے۔ ماں باپ، اولاد، بہن بھائی، عزیز و اقارب، دوست احباب، ان سب سے زیادہ محبت آپ کے ساتھ ہونی چاہیے۔ بلکہ اپنی ذات سے بھی نبی کریم ﷺ کی ذات کو مقدم رکھنا تقاضائے ایمان ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ"

" یعنی تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کی نگاہ میں اس کے والدین، اولاد اور دیگر سب لوگوں سے زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں" (البخاری، كِتَاب الْإِيمَانِ بَاب حُبُّ الرَّسُولِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْإِيمَانِ)

حقیقت یہ ہے کہ کوئی کام یا عمل اس وقت تک اللہ کے ہاں شرفِ قبولیت نہیں پا سکتا جب تک اس کی بنیاد حبِ رسول پر نہ ہو۔

حضور اکرم ﷺ نہ صرف مسلمانوں کے محسن ہیں بلکہ آپ تمام کائنات کے محسن ہیں ۔ اہل اسلام کے لیے حضور اکرم ﷺ کے احسانات ان کے لیے دونوں جہانوں میں کامیابی اور کامرانی کا سبب ہیں اور آپ کے وسیلا جیلا سے ہے ۔ اہل اسلام کو حضور اکرم ﷺ کے صدقے میں ایمان کی دولت نصیب ہوئی ، اللہ تعالیٰ کی معرفت ملی ، دونوں جہانوں میں کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کرنے والا ضابطہ حیات ملا اور آخرت میں حضور اکرم ﷺ کی شفاعت اہل ایمان کو ہی نصیب ہوگی جبکہ حضور اکرم ﷺ باعث تکوین روزگار ہیں ۔ آپ ہی کے صدقے میں پوری کائنات کو وجود کی نعمت ملی ہے ۔ حضور اکرم ﷺ کے ذات گرامی سے ہی دنیا میں نور اور روشنی پھیلی ہے ۔ جس وقت پوری دنیا میں ذات پات کی تقسیم نے انسانیت کو مختلف گروہوں میں بانٹ رکھا تھا ۔ اس وقت آپ نے واحد نسل انسانی کی آواز بلند کی اور یہ نظریہ پیش کیا کہ ہر انسان بحیثیت انسان قابل تکریم ہے ۔ آپ کی انہیں تعلیمات کے صدقے غلاموں کو عزت اور وقار نصیب ہوا ۔ رنگ و نسل کے امتیازات مٹ گئے ۔ کالے گورے کی تفریق ختم ہوگی ۔ حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی ہی نے بادشاہی کے نظام کو ختم کیا اور مشاورت پر حکومت قائم کرنے کی ریت ڈالی ، جس وقت دنیا میں بادشاہ اپنے آپ کو خدا کا اوتار کہہ کر شرک کے بل بوتے پر حکم کرتے تھے اور اپنے آپ کو کسی قانون کا پابند نہیں سمجھتے تھے ، اس وقت آپ ﷺ نے اپنی ذات اقدس کو قانون کے سامنے پیش کیا اور اس طرح قانون کی بالاتری کا علمی مظاہرہ فرمایا ، اسی کے قدم میں دنیا کو یہ شعور نصیب ہوا کہ بادشاہ بھی کسی قانون کا پابند ہوتا ہے ۔ جب انسانی معاشرے شکوک و اوھام اور توہم پرستی کے شکنجوں میں جکڑے ہوئے تھے اس وقت آپ نے دلیل سے بات کرنے کی طرح ڈالی ۔ جب دنیا کی کسی تہذیب میں عورت کو میراث میں سے حصہ نہیں ملتا تھا اور عورت کو منحوس سمجھا جاتا تھا اس وقت آپ نے حقوق نسواں کی صدا بلند کی اور یہ نظریہ زمانے کو دیا کہ جس طرح مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں اسی طرح عورتوں کے بھی مردوں پر حقوق ہیں ۔ جب کائنات کو تقدس کا درجہ دے دیا گیا تھا اور انسان ہر چیز کو مقدس سمجھتا تھا اس وقت آپ نے یہ صدا بلند کی کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے پیدا کی ہے اور انسان مخدوم کائنات ہے ۔ اسی سوچ نے انسان کیلئے سائنسی علوم کے دروازے کھولے اور اس نے زمین کی چیر پھاڑ کرا سے اپنے لیے مزید فائدہ مند بنایا ۔

حضور اکرم ﷺ کے کائنات پر اور اہل ایمان پر بے پناہ احسانات ہیں ، اہل ایمان پر لازم ہے کہ آپ کی ذات گرامی سے بے پناہ محبت کی جائے لیکن کسی بھی ذات سے محبت صرف لفظوں کا ہیر پھیر اور زبانی دعوے نہیں ہوتے بلکہ کسی کے ساتھ گہری وابستگی کا اصل تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اس چیز کے حقوق ادا کیے جائے جیسے جب تک والدین کے حقوق ادا نہ کئے جائیں تو والدین سے وفاداری کا حق ادا نہیں ہوتا ، ایسے ہی حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی سے وفاداری کا تقاضا ہے کہ آپ کے حقوق ادا کیے جائیں ، یہی وہ احساسات و محرکات ہیں جنہوں نے مجھے اس موضوع پر تحقیق کرنے کا شوق پیدا کیا ۔

2- سابقہ کام کا جائزہ:

حقوق مصطفیٰ ﷺ اور ادب رسالت مآب پر کافی حد تک مواد موجود ہے ، فقہائے اسلام نے اس موضوع کو بڑی اہمیت دی ہے ۔ چاروں فقہی مذاہب کے ہاں اس موضوع پر ایک وسیع ادب موجود ہے ۔ مثلاً

۱۔ رسالة فیمن سب النبی ﷺ (حضور ﷺ کے گستاخ کا حکم):

یہ امام ابوعبداللہ محمد بن سحنون قیروانی مالکی (۲۰۲ ۔ ۲۶۵ھ) کا رسالہ ہے یہ فقیہہ مغرب اور اپنے دور کے مالکیوں کے شیخ و امام تھے۔

۲۔ الشفا بتعریف حقوق المصطفی ﷺ (حضور ﷺ کے حقوق کی معرفت سے شفا پانا):

یہ قاضی عیاض المالکی (۴۷۶۔۵۴۴ھ) کی معروف کتاب ہے۔امام ابن فرحون اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

"و قد استوعب القاضی عیاض رحمه الله تعالی فی هذا وما اشبهه وما یترك لغیره مقالا"

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالی نے اس موضوع کا خوب احاطہ کیا ہے۔اور دوسروں کے لئے بات کی گنجائش نہیں چھوڑی۔جزری کلبی اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وقد استوفی القاضی ابو الفضل فی کتاب الشفاء احکام هذا الباب و بین اصوله و فصله رضی الله تعالی عنه"

''قاضی ابوالفضل نے کتاب الشفاء میں اس موضوع کو خوب نبھاتے ہوئے اس کے اصول اور تفصیل لکھ دی ہے۔اللہ تعالی انھیں جزاءعطا فرمائے۔''

امام سیوطی فرماتے ہیں:

"جمــــع فیه فاوعیٰ وحـــــــــرر فاستوفی"

"نہایت ہی جامع اور موضوع کا احاطہ کرنے والی کتاب لکھی"

اس کتاب کے منظر عام پر آنے کے بعد تمام لوگ اس کتاب سے استفادہ کرتے رہے۔حضرت ملا علی قاری اور امام خفاجی نے اس کی شروحات لکھیں۔جو نہایت قیمتی سرمایہ ہیں۔حافظ ابن حجر مکی "الاعلام بقواطع الاسلام "میں اس کتاب کے بعض مسائل پر خوب واہم شرح تحریر کی ہے۔

۳۔الخصائص الکبری اور الخصائص الصغری: یہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ہے۔

۴۔ الصارم المسلول علی شاتم الرسول ﷺ (گستاخ رسول پر تنی تلوار):

یہ حافظ ابو العباس احمد بن تیمیہ حنبلی کی کتاب ہے۔امام سبکیؒ نے بھی اس کتاب سے استفادہ کیا ہے۔امام ابن عابدین شامی قاضی عیاض کی الشفاء کے بعد اس کتاب کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

"ثـم تبعه علی ذلك مـن الحنابلة الامـام شیـخ الاسلام ابو العباس احمد بن تیمیة الف فیها کتابا ضخما سماه الصارم المسلول"

"ان کے بعد حنبلی امام شیخ الاسلام ابو العباس احمد بن تیمیہ نے ضخیم کتاب لکھی اور اس کا نام الصارم المسلول رکھا"

۵۔ **السیف المسلول علی من سب الرسول**:(از قاضی تقی الدین علی بن عبد الکافی السبکی الشافعی)
٦۔ **السیف المشهور علی الزندیق و شاتم الرسول**:(از شیخ محیی الدین محمد بن قاسم الرومی الحنفی المعروف بأ خوین)
۷۔ **تنزیه الانبیاء عن تسفیه الاغبیاء**: (از امام السیوطی رحمۃ اللہ علیہ)
۸۔ **رسالة فی سبّ النبی ﷺ وأحکامه**: (از حسام الدین حسین بن عبد الرحمٰن)
۹۔ **السیف المشهور علی الزندیق وشاتم الرسول**:(از شیخ محیی الدین محمد قاسم الرومی الحنفی المعروف بأ خوین)
۱۰۔ **لسیف المسلول فی سب الرسول ﷺ**: (از شمس الدین أحمد بن سلیمان المعروف بابن کمال الدین باشا الحنفی)
۱۱۔ **رسالة تنبیه الولاة والحکام علی أحکام شاتم خیر الأنام أو أحد أصحابه الکرام علیه وعلیهم الصلاة والسلام**: (از ابن عابدین الحنفی ,المتوفی 1252å)

یہ مواد ادب رسول ﷺ کے دفاعی پہلو پر ہے۔اس میں سے اہم مواد کا تحلیل و تجزیہ کیا گیا ہے۔

3-اہدافِ تحقیق (Aims and Objectives)

اس تحقیقی مقالہ میں درج ذیل اہداف کو حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے:

۱۔ حقوق رسول ﷺ اور ادب رسالت مآب ﷺ کی اہمیت اجاگر کرنا۔
۲۔ حقوق رسول ﷺ پر لکھے گئے ادب سیرت اور ان کے علمی مقام سے قارئین کو متعارف کراونا۔
۳۔ حقوق رسول ﷺ کے بارے میں فقہا کے منہج و اسلوب کو واضح کرنا۔
۴۔ حقوق رسول ﷺ کے بارے میں فقہائے اسلام کے موقف کا تقابلی جائزہ پیش کرنا۔
۵۔ جدید قانون سازی میں فقہاء کی آراء سے استفادہ کرنا۔

4-طریقہ ومنہجِ تحقیق (Methodology of Research)

موضوع پر تحقیقی کام کو درج ذیل تحقیقی اسلوب سے آگے بڑھایا گیا ہے:

۱۔ حقوق رسول ﷺ پر لکھے گئے ادب سیرت کا جائزہ لیا گیا ہے ۔
۲۔ حقوق رسول ﷺ کے مصادر و مراجع اور ان کی حیثیت کو واضح کیا گیا ہے۔
۳۔ حقوق رسول ﷺ پر لکھے گئے ادب سیرت میں چاروں فقہاء نے جو حقوق بیان کئے ہیں ، ان کا تجزیہ کیا گیا ہے۔
۴۔ فقہائے اسلام کی حقوق رسول ﷺ کے بارے میں آراء کا تقابلی جائزہ لیا گیا ہے۔
۵۔ حقوق رسول ﷺ پر جدید وضعی قوانین کا جائزہ لیا گیا ہے۔
٦۔ حوالہ دیتے ہوئے پہلے مؤلف کا مشہور لقب ذکر کیا گیا ہے پھر اس کا نام پھر اس کا مطبع ذکر کیا گیا ہے پھر جلد اور

صفحہ مثلاً ذہبی، شمس الدین محمد بن احمد، سیر اعلام النبلاء، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ، ج:۹، ص:۱۵۴

۷- جب کہ حدیث کی کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے کتاب کا نام اور باب کا نام اور حدیث کا نمبر درج کیا گیا ہے۔

۸- اگر ایک حوالہ دو مرتبہ مسلسل آئے تو دوسری مرتبہ صرف ن م لکھا گیا ہے جس سے مراد نفس مصدر ہے۔

۹- لغت کی کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے کتاب کا نام لکھنے کے بعد اس کا مادہ بھی لکھا گیا ہے۔

۱۰- تمام حوالہ جات انتہائی ذمہ داری سے اور مصدر اوّلین (Original Sources) سے درج کئے گئے ہیں۔ یونیورسٹی کے تمام قوانین کے مطابق مقالہ کو مکمل کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔

5-ابواب کی تقسیم

میں نے اس مقالہ کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے پہلے باب میں حقوق اور رسالت کے لغوی اور شرعی مفاہیم اور فقہاء کی آراء کی اہمیت وافادیت کو بیان کیا ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ اسلامی قانون میں فقہا کی آراء کی کیا اہمیت ہے۔ دوسرے باب میں اسلامی قانون کے ماخذ قرآن وسنت، اجماع، قیاس اور دیگر ماخذ ے قانون پر بحث کی ہے اور اسی باب میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ یہودیت ونصرانیت میں حقوق رسالت کا کیا تصور ہے اور دیگر مذاہب میں اپنے مذہب کے بانیوں کا کیا تصور ہے۔

تیسرا باب حضور ﷺ کے حقوق کے اعتقادی پہلو پر بحث کی گئی ہے جس میں آپ کی ذات گرامی پر ایمان آپ کا خاتم النبیین ہونا آپ کی توقیر وتعظیم، آپ سے محبت کے مباحث کو متعدد پہلوؤں سے اجاگر کیا گیا ہے۔

چوتھا باب حضور ﷺ کے حقوق کے عملی پہلوں پر مشتمل ہے جس میں آپ ﷺ کا اتباع، آپ کی نصرت، آپ پر صلوٰۃ وسلام اور تحفظ ناموس رسالت کے ضمن میں توہین رسالت کی سزا پر بحث کی گئی ہے۔

پانچویں باب میں حضور اکرم ﷺ کے حقوق کی عصر حاضر میں عملی صورتوں پر بحث کی گئی ہے مثلاً جس مشن کو لے کر آپ تشریف لائے تھے اس کی ترویج واشاعت کس طرح ممکن ہے۔ آپ ﷺ پر کن جہتوں سے اعتراضات کئے ہیں اور ان کی حقیقت کیا ہے۔ عالمی سطح پر توہین رسالت کا قانون کس طرح منظور ہوسکتا ہے۔ اور اس راہ میں کون کون سی فکری رکاوٹیں حائل ہیں اور ان کا حل کیا ہے۔ آخر میں نتائج بحث وسفارشات اور فہارس کے ساتھ مقالہ کو ختم کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دارین کی سعادتیں نصیب فرمائے۔ آمین

(محمد نور الحق قادری)

پی ایچ۔ڈی ریسرچ سکالر (مطالعات سیرت)

انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اینڈ عربیک سٹڈیز، پشاور یونیورسٹی

باب اوّل

حقوق الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مفہوم اور فقہاء کی آراء کی اہمیت وافادیت

فصل اوّل
حقوق الرسول صلی اللہ علیہ وسلم
کا مفہوم

مبحث اوّل
حقوق کا لغوی مفہوم

حقوق کالفظ ''حق'' کی جمع ہے۔اور حق یحق حقًا وحقۃ کا مادہ کسی چیز کے درست ہونے، ثابت ہونے اور سچ ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی کبھی یہ لفظ کسی چیز کے واجب اور ضروری ہونے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔یحق علیك ان تفعل کذا کا معنی ہے کہ تجھ پر لازم ہے کہ تو یہ کلام کرے اور کبھی یہ لفظ کسی چیز کے مناسب اور جائز ہونے میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ھو حقیق بکذا کا معنی ہوگا وہ اس کے لائق ہے یا وہ اس کا اہل ہے۔امام الراغب الاصفہانی لفظ ''حق'' کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اصل الحق المطابقة و الموافقة کمطابقة رجل الباب فی حقه لدورانه علی استقامة'' (۱)

''حق کے اصل معنی مطابقت اور موافقت کے ہیں جیسا کہ دروازے کی چول اپنے گڑھے میں اس طرح فٹ آجاتی ہے کہ وہ استقامت کے ساتھ اس میں گھومتی رہتی ہے۔''

امام الراغب نے بڑی تفصیل سے اس لفظ کے استعمالات پر روشنی ڈالی ہے۔وہ لکھتے ہیں کہ یہ لفظ کبھی اس ذات پر استعمال ہوتا ہے جو تقاضائے حکمت کے مطابق اشیاء کو ایجاد کرے۔اس معنی میں یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی ذات پر بولا جاتا ہے۔کبھی یہ لفظ اس چیز کے لیے استعمال ہوتا ہے جو حکمت کے تقاضوں کے مطابق پیدا کی گئی ہو، اس لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل حق ہے اور کبھی یہ لفظ کسی چیز کی حقیقت کو کما حقہ ماننے کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ جنت حق ہے اور عذاب و ثواب قبر حق ہے اور کبھی اس لفظ کا اطلاق اس قول یا عمل پر ہوتا ہے جو اس طرح واقع ہو جس طرح اس کا ہونا ضروری ہو اور اتنی مقدار میں پایا جائے جتنی اس کی ضرورت ہو اور اس وقت پایا جائے جب اس کی ضرورت ہو۔اسی معنی میں قرآن مجید کو حق کہا گیا کیونکہ قرآن مجید اس وقت آیا جب انسانیت کو اس کی شدید ضرورت تھی اس شان سے آیا جس شان سے آنا چاہیے تھا۔(۲)

المرتضٰی الزبیدی(۳) نے بھی حق کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔(۴)

ابن منظور الافریقی لکھتے ہیں:

''الحق نقیض الباطل و جمعه حقوق و حقاق...... حق الامر یحق و یُحق حقا و حقوقا صار حقا و ثبت و قال الازهری معناه وجب یجب وجوبا...... حق علیهم القول ای ثبت.'' (۵)

''حق کا لفظ باطل کا متضاد ہے اور اس کی جمع حقوق یا حقاق ہے ۔حق الامر یحق و یحق حقا و حقوق کا معنی ہے کہ وہ اس کے لیے ثابت ہو گیا الازہری کہتے ہیں اس کا معنی ہے ۔واجب ہونا، حق علیہم القول کا معنی ہے ۔ان پر حق ثابت ہو گیا ۔''

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ حق کا لفظ باطل کا متضاد ہے اور اس مادہ میں کسی چیز کے درست ہونے ، ثابت ہونے یا سچ ہونے کا مفہوم پایا جاتا ہے اور اس میں کسی پر کوئی چیز ضروری کرنے کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے اور یہ لفظ کسی چیز کے کما حقہ پائے جانے اور کسی کام کو کما حقہ کرنے والے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے ۔

مبحث دوم

حقوق کا اصطلاحی مفہوم

حقوق کا لفظ حق کی جمع ہے۔ ویسے تو حق کا لفظ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ حق کے لفظی معنی میں وضاحت کی گئی ہے لیکن جب حق کے لفظ کو کسی فرد کی طرف مضاف کر دیا جائے تو پھر کسی کے حق سے مراد وہ چیزیں ہوتی ہیں جو اس شخص کو ملنی چاہئیں مثلاً حقوق والدین سے مراد وہ چیزیں ہیں جو اولاد کی طرف سے والدین کو ملنی چاہئیں اور حقوق اولاد سے مراد وہ چیزیں ہیں جو والدین کی طرف سے اولاد کو ملنی چاہئیں۔

حقوق کا اصطلاحی مفہوم اس طرح بھی واضح ہو سکتا ہے کہ لغت میں تو حق کا لفظ ''باطل'' کا متضاد ہے لیکن اصطلاح میں یہ لفظ ''فرض'' کا متضاد ہے اور حقوق و فرائض لازم و ملزوم ہوتے ہیں ایک کا حق دوسرے کا فرض ہے اور دوسرے کا فرض پہلے کا حق ہے۔ مثلاً ایک ملازم جو کسی کارخانہ میں اپنے فرائض سرانجام دیتا ہے تو اس کارخانہ کی طرف سے اس پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اپنے فرائض سرانجام دے اور کارخانہ کی بہتری کے لیے جو اس پر لازم ہوتا ہے اسے بطریق احسن ادا کرے۔ اس کے مقابلہ میں اس ملازم کی تنخواہ اور دیگر سہولیات کا مہیا کرنا اس کارخانہ دار پر لازم ہے اس مثال میں ملازم کے حقوق کارخانہ دار کے فرائض ہیں اور ملازم کے فرائض کارخانہ دار کے حقوق ہیں۔ ملازم پر جو کچھ لازم ہے وہ ملازم کے فرائض اور کارخانہ دار کے حقوق ہیں ان خدمات کے عوض ملازم کو کارخانہ دار کی طرف سے جو کچھ ملنا چاہیے وہ کارخانہ دار کے فرائض اور ملازم کے حقوق ہیں۔

ایسے ہی اولاد کے حقوق والدین کے فرائض ہیں اور والدین کے حقوق اولاد کے فرائض ہیں مثلاً اولاد کے حقوق ہیں کہ ان کا اچھا نام رکھا جائے۔ ان کی تعلیم و تربیت اس انداز سے کی جائے کہ وہ دین و دنیا میں کامیابی سے ہمکنار ہو سکیں۔ ان میں برابری اور عدل کیا جائے یعنی بچوں کے معاملہ میں یہ تو ایک باپ یا ماں کے لیے ممکن نہیں کہ وہ ہر ایک کے ساتھ قلبی جھکاؤ ایک سا رکھیں کیونکہ یہ انسانی دسترس سے باہر ہے لیکن یہ ان کا فرض ضرور ہے کہ وہ اپنی اولاد میں سے کسی ایک کے ساتھ ایسا سلوک نہ کریں کہ دوسری اولاد کسی احساس کمتری کا شکار ہو جائے۔ ان کے ساتھ معاملے کرنے میں حتی الامکان برابری اور عدل کو ملحوظ خاطر رکھیں اور جب وہ جوان ہو جائیں تو اپنی طرف سے پوری کوششیں کرتے ہوئے ان کے لیے نیک اور صالح رشتہ تلاش کریں اور میراث میں سب کو برابر حصہ اور شریعت نے جو کسی کا حصہ لکھا ہے وہ اس کو دیں۔ یہ اولاد کے حقوق ہیں اور والدین کے فرائض ہیں۔ اس کے مقابلہ میں والدین کے حقوق یہ ہیں کہ اولاد ان کا احترام کرے اور ان کی فرمانبرداری کرے بالخصوص جب وہ بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو وہ کوئی بھی ایسی بات یا ایسا عمل نہ کریں جو ان کے احترام کے منافی ہو اور ان کے لیے دل آزادی کا باعث ہو اور اولاد کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ ان کے لیے دعائیں بھی کرتے رہیں اور جب والدین فوت ہو جائیں تب بھی ان کے حقوق اولاد پر باقی رہتے ہیں مثلاً

والدین کے لیے دعا کرنا، ان کی قبر پر جانا۔ ان کے دوست احباب سے اچھا سلوک کرنا جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں آیا تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ میرے پاس آئے اور فرمانے لگے کہ کیا تو جانتا ہے کہ میں تیرے پاس کیوں آیا ہوں تو میں نے کہا نہیں کہنے لگے میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

''من أحب ان یصل اباہ فی قبرہ فلیصل اخوان ابیه بعدہ وانه کان بین ابی عمر وبین ابیك اخاء و ود فاحببت ان اصل ذالك'' (٦)

''جو شخص یہ چاہے کہ وہ قبر میں اپنے والدین سے صلہ رحمی کرے اسے چاہیے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے دوستوں سے اچھا سلوک کرے، بے شک میرے والد حضرت عمرؓ اور تمہارے والد کے درمیان بھائی اور محبت تھی پس میں نے چاہا کہ میں اپنے والد سے صلہ رحمی کروں۔''

یہ چیزیں اولاد کے فرائض اور والدین کے حقوق ہیں۔ سطور بالا سے واضح ہوا کہ حقوق وفرائض دراصل کوئی متضاد چیزیں نہیں بلکہ ایک کے حقوق دوسرے کے فرائض اور دوسرے کے حقوق ایک کے فرائض ہیں اور اصطلاح میں حقوق سے مراد وہ چیزیں ہیں جو کسی کی طرف سے اسے ملنی چاہیں اور فرائض سے مراد وہ چیزیں ہیں جو کسی کے مقابلہ میں اس پر لازم ہوتی ہیں۔

زندہ قومیں حقوق سے بڑھ کر اپنے فرائض پر توجہ دیتی ہیں جبکہ سہل پسند اور زوال پذیر قومیں صرف حقوق کا ہی ڈھنڈورا پیٹتی رہتی ہیں۔ اگر اسلام کے خصائص وامتیازات کو ایک لفظ میں بیان کیا جائے تو وہ لفظ اعتدال یا میانہ روی ہے۔ اسی اصول کے تحت اسلام میں حقوق وفرائض میں بھی اعتدال مقصود ہے کہ ہر بندہ اپنے فرائض بھی پوری جدوجہد اور سعی وکاوش سے سرانجام دے اور اسے اس کے حقوق بھی مکمل طور پر آبرومندانہ طریقے سے ملنے چاہئیں۔ حقوق وفرائض میں یہ توازن اور اعتدال ہی دراصل زندہ قوموں کا شعار ہوتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ کسی کے فرائض سے مراد حقوق کے بدلہ میں لازم ہونے والی ذمہ داریاں ہیں اور حقوق سے مراد ان ذمہ داریاں کے بدلہ میں ملنے والی چیزیں اور سہولیات ہیں۔

فصل دوم
رسالت کا مفہوم

مبحث اوّل

رسالت کا لغوی مفہوم

رسالت کا مادہ اصلیہ ر-س-ل ہے اس مادہ میں آہستہ اور نرمی کے ساتھ چلنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ناقة رسلة نرم رفتار اونٹی کو کہا جاتا ہے اور نرمی سے چلنے والے اونٹوں کو اہل مراسیل کہا جاتا ہے۔اسی سے لفظ رسول مشتق ہے۔ جو قاصد، فرستادہ، پیغمبر یا پیغامبر کے معنی میں مستعمل ہے۔"ارسل الشئ" کا معنی کسی چیز کو چھوڑ دینا ہوتا ہے۔جیسے" ارسل الطائر من یدہ" کا معنی ہوگا کہ اس نے پرندے کو اپنے ہاتھ سے چھوڑ دیا اور یہی لفظ نظر انداز کرنا یا بھیجنا کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ اور الرسالة کا لفظ بھیجی جانے والی چیز، خط، پیغام یا کسی مختصر کتاب کے لیے استعمال ہوتا ہے اور یہی لفظ اس پیغام کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کے ذریعہ سے اپنے بندوں کے لیے نازل کرتا ہے اور رسول کا لفظ پیغامبر یا قاصد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔(۷)

رسالت کا شرعی مفہوم:

اگر چہ لغت میں تو رسالت کا لفظ کوئی بھی پیغام پہنچانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے لیکن شریعت اسلامیہ میں رسالت سے مراد اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچانا ہے اور رسول صرف اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کے بندوں کی طرف پہنچانے کے لیے اللہ کی طرف سے منتخب ہو۔اس میں عملی طور پر فرق یہ ہوگا کہ لغت کی رو سے ہر وہ انسان جو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچائے وہ رسول ہوگا اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا دین پہنچانے والا عالم بھی شامل ہو جائے گا لیکن شریعت اسلامیہ میں اس سے مراد وہ انسان ہوگا جس پر اللہ تعالیٰ اپنا کلام نازل کرے اور اسے دوسروں بندوں تک پہنچانے کا فریضہ سونپے اور اس لفظ کے استعمال میں اتنی احتیاط سے کام لیا گیا ہے کہ اگر کوئی بھی انسان اب یہ کہے کہ " انا رسول اللّٰہ" کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں' اور اس کی مراد یہ ہو کہ میں دین کا مبلغ ہوں اللہ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچاتا ہوں تو وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ اس نے اپنے آپ کو رسول کہا ہے اور حضور اکرم ﷺ خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔

رسول کی شرعی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"(الرّسول) انسان بعثه اللّٰه الی الخلق لتبلیغ الاحکام"(۸)

''رسول وہ انسان ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے احکامات اپنے بندوں تک پہنچانے کے لیے مبعوث فرمایا ہو۔''

رسول کی یہ تعریف بہت جامع اور مانع ہے اس میں پہلی بات یہ بتائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی انبیاء ورسل علیہم السلام مبعوث فرمائے وہ سب جنس انسانی میں سے تھے اس میں کوئی شک نہیں کہ عام انسانوں کو ان پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔وہ تمام بشری عیوب سے پاک اور معصوم ہوتے ہیں۔ان کی بشریت اتنی اعلیٰ اور ارفع ہوتی ہے کہ ہمارے

لیے جس کا تصور بھی ممکن نہیں ہے تاہم وہ جنس ملائکہ یا کسی اور جنس میں سے نہیں ہوتے بلکہ وہ گروہ انسانی میں سے ہی ہوتے ہیں اور دوسری چیز یہ ثابت ہوتی ہے کہ رسول کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے یعنی رسالت کوئی کسبی چیز نہیں بلکہ محض عطائے الٰہی ہے اور رسول مطلق واجب الاطاعت ہوتے ہیں یہی چیز ان کی عصمت کو مستلزم ہے۔

مبحث دوم

نبوت کا مفہوم اور نبوت ورسالت میں فرق

نبی کالغوی وشرعی مفہوم:

لفظ نبی کے مادہ اشتقاق کے متعلق علمائے لغت کے متعدد اقوال ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

۱- یہ لفظ **نَبَاءٌ** سے نکلا ہے۔کسی فائدہ مند اور عظیم خبر کو کہتے ہیں۔اسی صورت میں **نَبِیٌّ** بروزن **فَعِیْلٌ** بمعنی **مُفْعِلٌ** ہوگا،یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دینے والا۔یہ علامہ جوہری اور فرا کا قول ہے۔بمعنی **مَفْعُوْلٌ** بھی ہوسکتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دیا گیا۔

علامہ سخاویؒ لفظ نبی پر لغوی تحقیق کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

والکلمة اما من النباء وهو الخبر والمعنی ان اللّٰه تعالی اطلعه علی غیبه و اعلمه انه نبیه قال تعالی نبی عبادی انی انا الغفور الرحیم فهو فعیل بمعنی فاعل لانه ینبی الخلق ویجوز ان یکون بمعنی مفعول قال تعالی فلما نباء ها به قالت من انباك هذا قال نبانی العلیم الحکیم۔(۹)

''یہ کلمہ یا **نباءٌ** سے مشتق ہے جس کا معنی خبر ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے غیب کی اطلاع دی اور اسے بتایا کہ وہ اس کا نبی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے''میرے بندوں کو بتا دیجئے کہ میں بہت زیادہ گناہ معاف فرمانے والا اور رحم فرمانے والا ہوں'' یہ فعیل بمعنی فاعل ہوگا کیونکہ وہ مخلوق کو خبر دیتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ فعیل بمعنی مفعول ہو۔ارشاد باری تعالیٰ ہے: جب آپ نے اسے اس بات کی خبر دی تو اس نے پوچھا آپ کو اس کی کس نے خبر دی فرمایا اس نے خبر دی جو علیم وخبیر ہے۔''

۲- یہ لفظ نَبْوٌ یا نَبَاوَةٌ سے مشتق ہے جس کا معنی بلند اور اونچی چیز ہے۔(۱۰)
صاحب نبوت کی عظمت اور علو مرتبت کی وجہ سے اسے نبی کہا جاتا ہے۔

۳- نبی کا مادہ اشتقاق نبی ہے جس کا معنی الطریق المستقیم یعنی واضح راستہ ہے۔(۱۱)

چونکہ نبی کی ذات گرامی ہی ذات باری تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتی ہے اور فلاح دارین کی منزل تک رسائی کا راستہ ذات نبوت ہی ہوتی ہے اس لیے اسے نبی کہا جاتا ہے۔یہ کسائی کا قول ہے۔

۴- نبی کا ایک معنی **الصوت الخفی** یعنی پوشیدہ آواز بھی ہے۔

امام راغب لفظ نبی کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''نبی ہمزہ کے بغیر، نحویوں نے کہا اس کی اصل ہمزہ کے ساتھ تھی پھر ہمزہ کو چھوڑ دیا گیا اور اس پر وہ اس قول سے استدلال کرتے ہیں مسلمہ نبی سوء ہے اور بعض علماء نے کہا کہ یہ لفظ نبوت یعنی رفعت سے ماخوذ ہے اور نبی کو نبی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ تمام میں معزز اور بلند اقدار کا حامل ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ورفعناه مكانا عليا''(۱۳) ''اور ہم نے انہیں بلند درجات سے نوازا''۔

پس نبی کا لفظ ہمزہ کے بغیر ہمزہ کے ساتھ نبی سے زیادہ بلیغ ہے۔ کیونکہ ہر خبر دینے والا بلند قدر اور صاحب مرتبہ نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ کو نبئ اللہ کہہ کے پکارا تو آپ نے فرمایا میں نبئ اللہ نہیں ہوں نبی اللہ ہوں جب آپ نے دیکھا کہ یہ شخص بغض کی وجہ سے نبئ اللہ کہہ رہا ہے۔ نبوۃ اور نباوۃ کے معنی بلندی کے ہیں۔ اور نبئ سے مراد صرف بلند مرتبہ ہے اور یہ لغوی طور پر غیر مرسل بھی ہوسکتا ہے اس سے نبئ ''ی'' سے کہنا چاہیے نا کہ ہمزہ سے۔''

۵- نبی کا ایک معنی ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف ہجرت کرنے والا بھی ہے۔(۱۴)

درحقیقت ان معانی میں کوئی تضاد نہیں بلکہ یہ نبی کی ذات کے مختلف گوشے ہیں نبی اللہ تعالیٰ سے غیب کی خبریں لیتا ہے اور مخلوق تک پہنچاتا ہے۔ بلند عظمت و شان کا مالک ہوتا ہے۔ وحی کی خفیہ آواز سنتا ہے اور حق تک رسائی کا سیدھا اور واضح راستہ ہوتا ہے۔

نبی کا شرعی مفہوم:

علامہ راغب اصفہانی نبوت کا شرعی مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

النبوة سفارة بين اللّٰه و بين ذوى العقول من عباده لا زاحة علتهم في امر معادهم ومعاشهم.(۱۵)

''نبوت اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان پیغام رسانی کا نام ہے۔ جس سے ان کی دنیا اور عقبیٰ کی بیماریاں دور ہوتی ہیں۔''

حضرت مجدد الف ثانیؒ نبوت کا مفہوم ادا کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اعلم ان النبی عند المتکلمین من قال له اللّٰه ارسلتك الی قوم کذا او الی کافة الناس او بلغهم عنی او نحوه من الالفاظ المفیده لهذا المعنی کبعثتك الیهم و نبهئم اثبات النبوة." (۱۶)

''جان لیجئے کہ متکلمین کے نزدیک نبی سے مراد وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ فرمائے کہ میں نے تجھے فلاں قوم کی طرف بھیجا یا میں نے تجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا یا انہیں میری طرف سے یہ پیغام پہنچائے یا اس طرح کے کوئی اور ایسے الفاظ کہے جو اس معنی کو ظاہر کرنے کا فائدہ میں جسے میں نے تجھے ان کی طرف بھیجا یا انہیں اثبات نبوت کی خبر دیں۔''

المنجد میں نبوت کا مفہوم یوں لکھا گیا ہے:

النبوة و النبؤة الاخبار عن الغیب او المستقبل بالهام من اللّٰه الاخبار عن اللّٰه و ما یتعلق به تعالی." (۱۷)

''نبوت اللہ تعالیٰ کے الہام سے غیب اور مستقبل کی خبریں دینے کا نام ہے اور ذات وصفات باری تعالیٰ کے متعلق خبریں دینے کو نبوت کہا جاتا ہے۔''

رسول کا لغوی و شرعی مفہوم:

رسول کا لغوی معنی فرستادہ بھیجا ہوا اور اپنے بھیجنے والے کی پیروی کرنے والا وغیرہ ہے۔ رسول کی شرعی تعریف یوں کی گئی ہے:

" هو انسان حر ذکر نبأه اللّٰه تعالی بشرع و امره بتبلیغه الی قوم مخالفین." (۱۸)

''رسول اس آزاد اور مذکر انسان کو کہا جاتا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ شریعت سے مطلع کرے اور اسے حکم دے کہ وہ مخالف قوم کو تبلیغ کرے۔''

علامہ نسفیؒ (۱۹) نے رسول کا شرعی مفہوم یوں بیان کیا ہے:

"الرسول انسان بعثه اللّٰه تعالی الی الخلق لتبلیغ الاحکام." (۲۰)

''رسول وہ انسان ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ مخلوق کی طرف شرعی احکام کی تبلیغ کے لیے بھیجتا ہے۔''

نبی اور رسول میں فرق:

نبی اور رسول میں کوئی فرق ہے یا یہ ہم معنی ہیں۔ اس میں علماء کے متعدد اقوال ہیں، جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱۔ یہ دونوں لفظ ہم معنی ہیں۔

۲۔ رسول وہ ہے جو جدید شرع لے کر آئے اور نبی وہ ہے جو کسی سابقہ شریعت کی تبلیغ کرے۔

۳۔ رسول عام ہے اور نبی خاص۔(۲۱)

۴۔ جو صاحب معجزہ اور صاحب کتاب ہو اور ماقبل شریعت کو منسوخ کرے وہ رسول ہے جس میں یہ صفات نہ پائی جائیں وہ نبی ہے۔

۵۔ جس کے پاس فرشتہ وحی لے کر آئے اور اسے دعوت خلق پر مامور کیا جائے۔ وہ رسول ہے اور جسے خواب میں اس کی رسالت کی خبر دی جائے یا کوئی رسول اس کی آمد کی خبر دے وہ نبی ہے۔ یہ دونوں قول امام رازیؒ نے نقل فرمائے ہیں اور دوسرے قول کو اولی کہا ہے۔(۲۲)

۶۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کو غیب دے کر نبی بنادے تو وہ نبی اللہ ہے اور جب اسے کسی کافر کو پیغام پہنچانے کا حکم بھی دے تو وہ رسول اللہ بن جاتا ہے۔ یہ علامہ ابن تیمیہ کا قول ہے۔(۲۳)

۷۔ نبی عام ہے اور رسول خاص ہے۔(۲۴)

مذکورہ اقوال کا تنقیدی جائزہ:

مذکورہ اقوال کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ:

۱۔ نبی اور رسول ہم معنی اور مترادف ہیں۔ یہ علامہ نسفی اور علامہ عبدالعزیز پرہاروی(۲۵) کی رائے ہے(۲۶) امام ابو حنیفہ کے کلام سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے اور علامہ ابن ہمام کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔(۲۷)

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں حضور ﷺ کو کبھی ''یا ایھا النبی'' کہہ کر خطاب کیا گیا اور کبھی ''یایھا الرسول'' کہہ کر(۲۸) اور حضرت اسماعیل کا ذکر رسول اور نبی دونوں القاب سے کیا گیا ہے۔ '' اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا'' (۲۹)۔ اور قرآن مجید میں حضور سید عالم ﷺ کو خاتم النبیین فرمایا گیا ہے۔''

"مَــا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَـــدٍ مِّــنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ" (۳۰)

''(حضرت) محمد (ﷺ) تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔''

یہاں حضور ﷺ کو خاتم النبیین فرمایا گیا ہے جبکہ آپ بلاشبہ خاتم المرسلین بھی ہیں حضور ﷺ کا فرمان ہے:

"ان الرسالة والنبوة قـــد انقطعت فلا رسول بعـــدی ولا نبی" (۳۱)

''رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا میرے بعد اب نہ کوئی رسول ہے نہ نبی۔''

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"وَ مَــآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَـــرْيَةٍ مِّـــنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ" (۳۲)

''اور ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی نبی نہ بھیجا مگر......''

اس سے معلوم ہوا کہ نبی اور مرسل ایک ہی چیز ہے۔لیکن مندرجہ بالا اقوال اس لیے درست معلوم نہیں ہوتے کہ بعض جگہ نبی اور رسول کے الفاظ اس طرح آئے ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کوئی فرق ہے۔مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِـــنْ قَبْلِكَ مِـــنْ رَّسُوْلٍ وَّ لَا نَبِيٍّ اِلَّآ" (۳۳)

''ہم نے آپ سے پہلے نہیں بھیجا کوئی رسول اور نہ نبی مگر......''

یہاں نبی کا رسول پر عطف کیا گیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مترادف نہیں۔رسول و نبی کے مترادف نہ ہونے پر یہ روایت بھی قوی دلیل ہے کہ حضور ﷺ سے رسولوں کی تعداد پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا کہ تین سو تیرہ اور انبیاء کی تعداد پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار۔(۳۴)

اس سے واضح ہوا کہ رسول اور نبی مترادف نہیں۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ رسول وہ ہے جو جدید شریعت لے کر آئے اور نبی وہ ہے جو پہلے کسی رسول کی شریعت کے مطابق عمل کرے۔

یہ قول اس لیے درست معلوم نہیں ہوتا کہ قرآن مجید میں حضور ﷺ کو نبی اور رسول دونوں القاب سے پکارا گیا۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ"(۳۵)

''وہ جو اس رسول کی جو امی ہے پیروی کرتے ہیں۔ جن کے اوصاف کو وہ اپنے ہاں تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔''

حضرت اسماعیلؑ اور حضرت موسیٰؑ کو رسول اور نبی دونوں القاب سے یاد کیا گیا۔ قرآن مجید کی یہ آیت اس نقطہ نظر کی واضح تر دید کرتی ہے۔

" فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ"(۳۶)

''تو اللہ نے انبیاء خوشخبری سنانے والے اور ڈرسنانے والے بھیجے اور ان پر کتاب نازل فرمائی۔''

اس آیت کی موجودگی میں یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ نبی بغیر کتاب کے آتا ہے؟ اس نظریہ کی تر دید اس روایت سے بھی ہوئی ہے کہ آسمانی کتابوں کی تعداد ایک سو چودہ ہے جبکہ رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ۔(۳۷)

۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ رسول عام ہے اور نبی خاص، یعنی نبی صرف انسانوں سے ہوتے ہیں جبکہ رسول فرشتوں سے بھی ہوتے ہیں اور انسانوں سے بھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓىٕكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ" (۳۸)

''اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسانوں سے اپنے رسول چن لیتا ہے۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول فرشتوں میں سے بھی ہوتے ہیں اور انسانوں میں سے بھی۔ جبکہ نبی صرف انسانوں میں سے ہوتے ہیں۔

یہ قول اس لیے درست معلوم نہیں ہوتا کہ جب رسول کی شرعی تعریف میں ہم نے یہ متعین کر لیا کہ وہ انسان ہوتا ہے۔ تو اب فرشتوں میں سے رسول ہونا صرف لفظی اشتراک ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ خارج از بحث ہے۔

چوتھا، پانچواں اور چھٹا قول بھی اس لیے درست معلوم نہیں ہوتا کہ صاحب کتاب ہونے، جبریل کے وحی لانے اور پوری دنیا کی طرف مبعوث ہونے کے باوجود حضور ﷺ کو قرآن مجید میں جگہ جگہ نبی کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔

ساتواں قول جمہور کا ہے کہ رسول خاص ہے اور نبی عام ۔[۳۹] یہی قول درست ہے کہ رسول خاص ہے اور نبی عام یعنی ہر رسول نبی ہوتا ہے لیکن ہر نبی کا رسول ہونا ضروری نہیں ۔

رسول وہ ہوتا ہے جو جدید شریعت لائے یا کسی سابقہ رسول کی شریعت کی تبلیغ کسی نئی قوم کو کرے جس کو اس رسول نے تبلیغ نہ کی ہو۔ جیسے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے صحف ابراہیم کے مطابق قوم بنو جرہم کو تبلیغ کی اس سے رسولوں کی تعداد اور آسمانی کتابوں کی تعداد میں فرق کا جواب بھی مل گیا کہ ضروری نہیں کہ رسول نئی کتاب ہی لائے، بلکہ کسی سابقہ کتاب کے احکام کسی نئی قوم کو پہنچانے والا بھی رسول ہی کہلاتا ہے۔ جبکہ نبی کبھی کسی سابقہ کتاب و شریعت کی تبلیغ اسی قوم میں کرتا ہے جس قوم میں پہلے رسول نے تبلیغ کی ہو۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسول اور نبی دونوں القاب سے پکارا گیا اور کبھی کسی سابقہ رسول کی شریعت کے مطابق چلنے والے کو نبی کہا گیا ہے۔ جیسا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ ﴾[۴۰]

''بے شک ہم نے توراۃ نازل کی جس میں ہدایت اور نور ہے۔ جس کے مطابق انبیاء حکم دیتے رہے۔''

اور کبھی اس کے لیے جسے جبریل کے علاوہ کسی اور طرح پیغام پہنچایا گیا ہو، مثلاً خواب میں یا الہام سے لیکن یہاں اسے رسول کے ساتھ ذکر کیا جائے۔ جیسے ''وما ارسلنا قبلك من رسول ولا نبی الا''[۴۱]..... وہاں یہ ترادف کے علاوہ لازماً کسی اور مفہوم میں ہوتا ہے۔

نبوت کا مفہوم حضرت شاہ ولی اللہ کے الفاظ میں:

حضرت شاہ ولی اللہ امت مسلمہ کے وہ بطل جلیل ہیں جو فلسفی ہیں، نقلیات اور روحانیات تینوں میدانوں کے شہسوار ہیں۔ نبوت کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

> اگر تم نبی اور اس کے خواص جاننا چاہتے ہو تو یوں سمجھو کہ حیات انسانی کے نظم و نسق کے لیے جن صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ بیک وقت نبی کی ذات میں تمام انسانوں سے بڑھ کر پائی جاتی ہیں۔ وہ ایک بادشاہ کی طرح ہوتا ہے۔ جس کے نفس ناطقہ کی قوت عاقلہ اور قوت عاملہ کے سائے

کے نیچے اہل قلم بھی، بڑے بڑے جرنیل اور سیاست دان بھی، کاشتکار اور تاجر بھی، غرض تمام عالم اپنی اپنی زندگی کے مطابق تربیت حاصل کرتا ہے اور ہر ہر شعبہ کا نظام اس کے اقوال و افعال کے دم سے قائم رہتا ہے۔ وہ اسی کے ساتھ ایک حکیم بھی ہوتا ہے۔ جو علم اخلاق و تدبیر منزل اور سیاست مدن کا ماہر ہو۔ وہ حکیم نہیں جو صرف ان علوم کے الفاظ سے آشنا ہو بلکہ وہ حکیم جس کی تمام صفات طبیعت ثانیہ بن چکی ہوں۔ حتیٰ کہ اس کے حرکات و سکنات سے یہ علوم ٹپکتے نظر آ رہے ہوں۔ وہ ایک مرشد کامل بھی ہوتا ہے۔ جو جماعت صوفیاء میں مصدر کرامات و خوارق بنا ہوا ہو اور طاعات و عبادات کے ان تمام طریقوں سے آگاہ ہو جو تہذیب نفس کے لیے ضروری ہیں اور علوم حقہ کا ماہر ہو جن سے کہ انسانوں پر عالم ملک و ملکوت کے اسرار پنہاں روشن ہوتے ہیں اور اسی طرح اعمال جوارح اور اذکار لسانی کے علیحدہ علیحدہ تمام خواص سے بھی پورا آشنا ہو۔ وہ جس طرح کہ آسمانوں پر حضرت جبرئیل علیہ السلام تدبیر الٰہی کا جارحہ اور علوم الٰہی اخذ کرنے میں واسطہ ہیں اسی طرح انسانوں میں ان تمام صفات جبرائیلیہ کا مالک بھی ہو، حتیٰ کہ " **لا یعصون اللّٰہ ما امـــرھم ویفعلون ما یؤمرون**" (۴۲) (فرشتے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے اس بات میں جس کا وہ انہیں حکم دیتا ہے اور وہی کام کرتے ہیں جو ان کو حکم ہوتا ہے)۔ اس کی شان بن چکی ہو اور اسی طرح اس کی فطرت کو عالم بالا سے وہ مناسبت حاصل ہو کہ علوم الٰہیہ اور یقین و اطمینان کی نعمت اس کے قلب و قالب پر بہہ رہی ہو اور اس کے یہ سب کمالات اس میں فطری ہوں۔ کسی معلم اور درس گاہ کے رہین منت نہ ہوں۔'' (۴۳)

واضح رہے کہ انسان نبوت و رسالت کے بغیر کبھی بھی فلاح نہیں پا سکتا کیونکہ انسان جسم و روح کا مجموعہ ہے۔ ربوبیت الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ جسم اور روح دونوں کی غذا کا سامان کیا جائے۔ جسم کی غذا سامان خورد و نوش ہے۔ پروردگار عالم نے دھرتی کے سینہ سے فصلیں اگائیں، پھل پیدا فرمائے اور ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے چشمے جاری کر دیئے اور روح کا تعلق عالم امر سے ہے جس کی غذا ذکر الٰہی ہے۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ نبوت و رسالت کے بغیر انسان ذکر الٰہی کے طریقے نہیں جان سکتا۔ تو ربوبیت الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ سلسلہ رسالت جاری فرمایا جائے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جب انسانیت اس کی بندگی سے سرکش ہو جاتی ہے تو وہ انہیں تباہ کرنے کی بجائے رسول معبوث فرما دیتا ہے۔ اگر سلسلہ نبوت و رسالت کا انکار کیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیسا رب ہے جو جسم

کی بھوک اور پیاس مٹانے کا بندوبست کرتا ہے لیکن روح کی تشنگی مٹانے کا کوئی سامان نہیں کرتا ۔اس سے واضح ہوا جو رسالت کا منکر ہے وہ حقیقت میں ربوبیت الٰہی کا منکر ہے ۔اسی لیے سلسلہ رسالت کے انکار کو اللہ تعالیٰ کی بے قدری کہا گیا ۔

"وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ"(۴۴)

''انہوں نے اللہ کی کما حقہ قدر نہ پہچانی جب انہوں نے کہا کہ اللہ نے کسی آدمی پر کچھ نازل نہیں فرمایا ۔''

امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں:

"واعلم ان من انکر النبوة والرسالة فهو فی الحقیقة ما عرف اللّٰه حق معرفته" (۴۵)

''جان لیجئے کہ جس نے نبوت و رسالت کا انکار کیا در حقیقت وہ معرفت الٰہی سے بے بہرہ رہا ۔''

خلاصہ کلام یہ ہوا ہے کہ نبوت و رسالت اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا تقاضا ہے ۔

مبحث سوم
حقوق الرسول صلی اللہ علیہ وسلم
کا اصطلاحی مفہوم

اصطلاح میں حقوق الرسول ﷺ سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کی ادائیگی حضور اکرم ﷺ کے ہر امتی کا فرض منصبی ہے۔ دراصل حضور اکرم ﷺ کے حقوق کا اندازہ ہی حد و حرف سے باہر ہے اور ان کی مکمل ادائیگی تو ناممکنات میں سے ہے تاہم حسب استطاعت ہر امتی پر ذات رسول ﷺ کی نسبت سے جو چیزیں لازم اور ضروری ہیں انہیں ہی حضور اکرم ﷺ کے حقوق کہا جاتا ہے مثلاً ہر امتی پر لازم ہے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کی تعظیم و توقیر بجالائے کیونکہ انسان اس کا احترام کرتا ہے جس سے اسے کچھ ملتا ہے مثلاً انسان اپنے ماں باپ کا احترام کرتا ہے والدین اس کے وجود کا ذریعہ ہیں۔ انسان اپنے اساتذہ کا احترام کرتا ہے کیونکہ اس کے اساتذہ اس کے علم کا ذریعہ ہیں یعنی جس سے انسان کو وجود ملے اس کا احترام یہ طبعی طور پر بجالاتا ہے اور جس سے علم ملے اس کا بھی احترام کرتا ہے اور حضور اکرم ﷺ کی ذات بابرکات وہ ذات اقدس ہے جو باعث تکوین روزگار تو ہے ہی۔ آپ کی ذات اقدس کے صدقہ میں ہی ہر مومن کو ایمان کی دولت گرانمایہ ملی ہے اور ایمان کسی بھی انسان کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔ تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر اہل ایمان حضور اکرم ﷺ کی تعظیم و تکریم بجالائے۔ احترام رسالت ہر امتی کا فریضہ ہے اور حضور اکرم ﷺ کا حق ہے اور اس حق کی ادائیگی محض کوئی جذباتی چیز نہیں بلکہ ایمان کی نشانی بھی ہے اور ایمان کا ثمرہ بھی کیونکہ انسان اسی نعمت کی قدر کرتا ہے جسے وہ نعمت سمجھتا ہے۔ مثلاً ایک بہت قیمتی ہیرا اگر کسی اجڈ دیہاتی کو دے دیا جائے تو ظاہر ہے اس کے نزدیک اس کی قدر و قیمت ایک خوبصورت پتھر سے زیادہ نہ ہوگی لیکن یہی ہیرا جب ایک جوہری کے پاس ہوگا تو وہی اس کی حقیقی قدر و قیمت سے آگاہ ہوگا۔ ایسے ہی جس کسی انسان کے نزدیک ایمان کی قدر و قیمت ہوگی تو وہ اس ذات اقدس کی تعظیم و تکریم لازمی طور پر بجالائے گا جس کے صدقہ میں اسے ایمان کی نعمت نصیب ہوئی ہے۔

ایسے ہی حضور اکرم ﷺ کا ایک حق آپ کی ذات اقدس پر صلوۃ و سلام کا پڑھا جانا ہے۔ امتی پر یہ چیز اس لیے ضروری قرار دی گئی کیونکہ انسان کا طبعی تقاضا ہے کہ جو اس پر احسان کرتا ہے وہ اس کے احسان کا بدلہ دیتا ہے اور اگر اس کے احسان کا بدلہ دینا ممکن نہ ہو تو پھر اس کے لیے دعائیں کرتا ہے۔ مثلاً ایک بادشاہ اگر دوسرے بادشاہ پر احسان کرے تو وہ بادشاہ بدلہ میں اس پر کسی موقع پر احسان کرے گا اور اس کے احسان کا بدلہ چکائے گا۔ لیکن اگر وہ بادشاہ کسی گداگر اور فقیر بے نوا پر احسان کرے گا تو ظاہر ہے وہ گداگر تو اس کے احسان کے بدلہ میں اس پر کوئی احسان نہیں کر سکے گا۔ تو وہ بادشاہ کے احسان کا بدلہ دینے کے لیے اس کے لیے دعائیں کرے گا یہ دعائیں اس کی طرف سے وفاداری کا ثبوت ہوں گی۔

حضور اکرم ﷺ انسانیت کے سب سے بڑے محسن ہیں۔ آپ باعث تکوین کائنات بھی ہیں اور انسانیت کو کامیاب زندگی بسر کرنے کے طریقے بھی آپ نے ہی لوگوں کو سکھائے ہیں، بالخصوص حضور اکرم ﷺ کی اپنی امت سے جو بے پناہ محبت اور شفقت ہے اسے لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ"،(۴۶)

''تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک رسول آئے ہیں۔تمہاری تکلیف ان پر گراں گزرتی ہے اور تمہاری بھلائی کے بہت خواہشمند ہیں اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے مہربان ہیں۔''

حضور اکرم ﷺ کے انسانیت پر جو بے حد احسانات ہیں بالخصوص اپنی امت پر جو بے شمار احسانات ہیں ان کا بدلہ تو امتی کے لیے ممکن نہیں تھا اللہ نے حکم دیا کہ تم حضور ﷺ پر درود و سلام پڑھا کرو۔یہ درود و سلام دراصل حضور اکرم ﷺ کے لیے دعائیں اور نیک تمنائیں کرنے کا ایک ذریعہ ہے تا کہ ان کے ذریعہ سے امتی کی آپ سے محبت اور عقیدت کی نسبتوں کو مزید تقویتیں مل جائیں۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا" (۴۷)

''بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی (ﷺ) پر درود بھیجتے ہیں۔اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود اور سلام بھیجو۔''

اسی طرح حضور اکرم ﷺ کے دین کی نشر و اشاعت کرنا،آپ کے پیغام کو پوری دنیا میں پہنچانا اور آپ ﷺ کی ذات اقدس میں گستاخی کے مرتکب کو قرار واقعی سزا دلوانا وغیرھم یہ سب آپ ﷺ کے حقوق ہیں۔لہٰذا حقوق الرسول ﷺ سے مراد وہ چیزیں ہیں جو حضور اکرم ﷺ کی نسبت سے ایک امتی پر ادا کرنی ضروری ہوتی ہے۔

فصل سوم
فقہاء کی آراء کی اہمیت وافادیت

مبحث اوّل

فقہاء کا لغوی و شرعی مفہوم

فقہاء کا لفظ فقیہ کی جمع ہے جس کا مادہ اصلیہ فقہ ہے ۔اس مادہ میں کسی چیز کو سمجھنا ،اس کا ادراک کرنا اور اس کی تہہ تک پہنچنے کا مفہوم پایا جاتا ہے ۔فقہ الامر کا مطلب ہوتا ہے اس نے کسی چیز کو سمجھ لیا ،اس کا ادراک کر لیا اور وہ اس کی تہہ تک پہنچ گیا ۔اس سے لفظ فقاہت مشتق ہے ۔جس کے معنی سمجھ بوجھ ،علم شریعت کی مہارت یا قانون دانی ہوتا ہے اور اسی مادہ سے فقیہ کا لفظ اخذ کیا گیا ہے ۔جس کے معنی قانون دان ،صاحب فہم عالم ،اصول شریعت اور احکام شریعت کا ماہر ہوتا ہے ۔

لفظ فقہ میں لغوی طور پر کسی چیز کو پھاڑنے اور کھولنے کا مفہوم پایا جاتا ہے کسی چیز کو جاننے اور سمجھنے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اس سے پردہ اٹھایا جائے صحیح اور غلط کو الگ الگ کر دیا جائے اسی لیے لفظ فقہ علم وفہم کے معنی میں استعمال ہوتا ہے ۔

علامہ زمخشری کے مطابق فقہ کی تعریف یہ ہے :

"الفقہ حقیقتہ الشق والفتح والفقیہ الذی یشق الاحکام ویفتش عن حقائقها و یفتح ما استغلق منها"(۴۸)

''فقہ کے حقیقی معنی پھاڑنا اور کھولنا ہے ۔فقیہ وہ ہوتا ہے جو احکام کا تجزیہ اور تحقیق کرتا ہے ۔ان کے حقائق کی تفتیش کرتا ہے اور مبہم ومغلق احکام کو کھول کر واضح الفاظ میں بیان کرتا ہے ۔''

جوہری نے فقہ کی تعریف یوں کی ہے :

" الفقہ الفهم ثم خص به علم الشریعة ۔" (۴۹)

''فقہ کا معنی کسی چیز کو سمجھنا ہے مگر بعد میں یہ لفظ شریعت کے ساتھ مخصوص ہو گیا ہے ۔''

علامہ راغب الاصفہانی نے فقہ کی بہت جامع اور مانع تعریف کی ہے ۔وہ فرماتے ہیں :

"فقہ: الفقہ هو التوصل الی علم غائب بعلم شاهد فهو اخص من العلم...... والفقہ العلم باحکام الشرعیة، یقال فقه الرجل فقاهة اذا صار فقیها و فقه ای فهم فقها" (۵۰)

''حاضر کے علم سے غائب کے علم تک پہنچنا فقہ ہے اور فقہ علم سے اخص ہے ......اور اصطلاح میں فقہ سے مراد احکام شرعیہ کا علم ہے ۔فقہ الرجل **فقاهة** کا معنی ہے کہ وہ فقیہ ہو گیا اور فقہ کا معنی ہے کہ اس نے سمجھ لیا ۔''

''فقہ کا اصل معنی ہے کسی چیز کو سمجھنا اور اس کا ادراک کرنا یہ لفظ شق کرنے اور فتح (کھولنے) سے اخذ کیا گیا ہے یعنی کسی چیز کو شق کر کے اس کی گہرائی تک پہنچنا یا کسی گرہ کو کھولنا عرف میں فقہ سے مراد شریعت کا علم ہے اور یہ احکام شرعیہ کے ساتھ خاص ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ دعا فرمائی:

''اللهم فقهه في الدين وعلمه التاويل.'' (۵۱)

''اے اللہ اسے دین کی سمجھ عطا فرما اور اسے تاویل کا علم عطا فرما۔''

علامہ عینی کہتے ہیں:

''اصطلاح میں فقہ کا معنی احکام شرعیہ فرعیہ کا وہ علم ہے جو تفصیلی دلائل سے حاصل کیا گیا ہو۔ حسن بصری نے کہا فقیہ وہ شخص ہے جو دنیا میں رغبت نہ کرے۔ دین پر بصیرت رکھتا ہو دائما اپنے رب کی عبادت کرے۔ دین پر بصیرت رکھتا ہو دائما اپنے رب کی عبادت کرتا ہو۔ امام اعظم رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ وہ نفس کا اپنے نفع اور ضرر کی چیزوں کو پہچان لینا فقہ کہلاتا ہے۔''(۵۲)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ فقہاء کا لفظ فقیہ کی جمع ہے۔ جو فقہ سے مشتق ہے، فقہ کا لفظی معنی تو کسی چیز کو پھاڑنا یا اسے شق کرنا ہوتا ہے اور یہ لفظ کسی چیز کی حقیقت کو سمجھنے یا اس کا ادراک کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے کیونکہ وہ بھی دراصل کسی چیز کو پھاڑنے اور اس کی تہہ تک پہنچنے سے ہی ممکن ہوتا ہے اور شریعت میں فقہ سے مراد احکام شرعیہ کا علم ہے اور فقیہ دلائل تفصیلیہ سے احکام شرعیہ کو جاننے اور سمجھنے والا شخص کہلاتا ہے۔

مبحث دوم
فقہاء کی آراء کے مختلف ہونے
کے اسباب

متعدد مسائل میں ائمہ فقہ کا اختلاف ہے اور یہ اختلاف کسی ضد یا انا پرستی کے سبب نہیں ہوتا بلکہ کسی دلیل کی بنا پر ہوتا ہے۔ فقہاء کرام رحمہم اللہ دراصل کتاب وسنت کی روشنی میں ہی مسائل مستنبط کرتے تھے اور کتاب وسنت کے مقابلہ میں وہ اپنی رائے کو قطعاً کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ جہاں کتاب وسنت کا کوئی واضح حکم ہوتا وہاں کوئی فقیہ کسی سے اختلاف نہ کرتا تھا۔ جہاں نص نہ ہوتو استنباط مسائل میں فقہاء کرام مختلف الرائے ہو جاتے لیکن وہ یہ کہتے کہ اگر ہماری رائے کے خلاف کسی کو کوئی حدیث مل جائے تو وہ اسی پر عمل کرے وہی ہمارا بھی مذہب ہے۔

امام شعرانی فرماتے ہیں:

''تمام ائمہ و مجتہدین اپنے اصحاب کو اسی چیز کی تلقین کرتے تھے کہ وہ قرآن وسنت کے ظاہر پر عمل کریں اور وہ کہتے تھے کہ اگر تم ہمارے کلام کو قرآن وسنت کے خلاف پاؤ تو ہمارے کلام کو دیوار پر دے مارو۔ ان کا یہ کہنا احتیاط پر مبنی ہے اور رسول کریم ﷺ کے ساتھ ادب کا تقاضا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ شریعت میں کسی چیز کا اضافہ کر دیں جو رسول کریم ﷺ نے نہ کیا ہو اور جس پر آپ راضی نہ ہوں۔''(۵۳)

آئمہ میں اختلاف کے متعدد اسباب تھے کبھی ایسا ہوتا تھا کہ ایک حدیث ایک امام تک پہنچ گئی اس نے اس کے مطابق فتویٰ دیا اور وہ حدیث دوسرے امام تک نہیں پہنچی اس نے اپنی رائے سے مسئلہ میں کوئی اور فتویٰ دے دیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک حدیث کی ایک امام کے نزدیک صحیح سند ہو وہ اس کے مطابق فتویٰ دے دے اور دوسرے امام کے نزدیک اس حدیث کی سند قابل قبول نہ ہو اس کے خلاف فتویٰ دے دے۔ مثلاً شوال کے چھ روزوں کا مسئلہ ائمہ کے نزدیک مختلف فیہ ہے یہ روزے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک مستحب ہیں اور ان کا استحباب اس حدیث سے ثابت ہے:

''عن ابی ایوب الانصاری انه حدثه ان رسول اللّٰه ﷺ قال من صام رمضان ثم اتبعه ستا من شوال کان کصیام الدهر۔''(۵۴)

''حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے اور پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو یہ ہمیشہ روزے رکھنے کی مثل ہے۔''

جبکہ یہی روزے امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہیں۔ اس اختلاف کا سبب بیان کرتے ہوئے ابن رشد مالکی فرماتے ہیں:

''شوال کے چھ روزوں کے متعلق یہ حدیث ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو یہ ہمیشہ روزے رکھنے کی مثل ہے لیکن امام مالکؒ نے ان کو مکروہ فرمایا یا اس خدشہ کی بنا پر کہ لوگ غیر رمضان کو رمضان میں شامل نہ کرلیں یا ان تک یہ حدیث نہیں پہنچی اور یا یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح نہیں تھی اور زیادہ ظاہر یہی بات ہے۔''(۵۵)

کبھی ایسا ہوتا تھا کہ ایک حدیث کی دو سندیں ہیں ایک صحیح اور دوسری غیر صحیح، ایک امام تک وہ حدیث اس سند سے پہنچی ہے جو صحیح ہوتی ہے وہ اسے قبول کرلیتا ہے لیکن دوسرے امام تک وہ حدیث اس سند سے پہنچی ہے جو صحیح نہیں ہوتی وہ اسے قبول نہیں کرتا۔ مثلاً نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے والی حدیث جو حضرت علیؓ سے مروی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ نے اس پر عمل کیا ہے لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے اس لیے انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا۔

کبھی ایسا ہوتا تھا کہ ایک امام کے نزدیک حدیث منسوخ تھی وہ اس پر عمل نہیں کرتا تھا لیکن دوسرے کے نزدیک وہ منسوخ نہیں تھی وہ اس پر عمل کرتا تھا مثلاً رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع الیدین کرنا۔ یہ عمل جس حدیث سے ثابت ہے وہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک منسوخ نہیں ہے وہ اس پر عمل کرتے ہیں لیکن وہ حدیث حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک منسوخ ہے وہ اس پر عمل نہیں کرتے۔ کیونکہ اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ ابن عمرؓ خود رفع الیدین نہیں کرتے۔ مجاہد بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو تکبیر افتتاح کے علاوہ رفع الیدین کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔(۵۶)

فقہاء کرام میں اختلاف کا سبب عموم وخصوص کا قانون بھی ہے۔ ایک امام کے نزدیک خبر واحد قرآن کریم کے عموم کو خاص کرسکتی ہے وہ اس کے مطابق حکم دیتا ہے اور دوسرے کے نزدیک خبر واحد سے قرآن کریم کا عموم خاص نہیں ہوسکتا وہ اس کے مطابق حکم دیتا ہے۔ اس کی مثال اس حدیث پاک سے استدلال ہے:

"عن عبادة بن الصامت يبلغ به النبي ﷺ لا صلوة الا لمن يقرر بفاتحة الكتاب." (۵۷)

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے۔ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ نماز میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ استدلال قرآن کریم کی اس آیت کے عموم کے خلاف ہے:

"فَاقْرَئُوْا مَــا تَيَسَّرَ مِــــنَ الْقُـــــرْاٰنِ" (۵۸)

''پس قرآن مجید سے جس قدر آسان ہووہ پڑھو۔''

قرآن کریم کے اس عموم سے استدلال کرتے ہوئے امام ابوحنیفہؒ نے سورۃ فاتحہ کے پڑھنے کوفرض قرار نہیں دیا۔ بلکہ کمال نماز کے منافی او روواجب قرار دیا۔

کبھی حدیث کے متعلق معلومات میں کمی بیشی بھی اختلاف کا سبب بن جاتی تھی۔حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

''اختلاف کے اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ متقدمین کے عہد میں مختلف احادیث کے درمیان جمع کے قواعد منضبط نہ تھے۔اس وجہ سے ان کے اجتہاد میں اختلاف واقع ہوجاتا تھا چنانچہ انہوں نے اصول مقرر کردیئے اور انہیں ایک کتاب میں تحریر کردیا۔اصول فقہ میں مدون ہونے والی یہ پہلی کتاب ہے اس کی جو مثال ہمیں پہنچی ہے وہ یہ ہے کہ امام شافعیؒ، امام محمد بن حسنؒ کے پاس تشریف لے گئے وہ اس وقت علماء مدینہ پر اعتراض کررہے تھے کہ وہ ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کردیتے ہیں امام محمدؒ کہہ رہے تھے۔یہ اللہ کی کتاب پر زیادتی ہے۔
امام شافعیؒ نے فرمایا کیا آپ کے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ خبر واحد کے ساتھ کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں۔انہوں نے فرمایا: ہاں، امام شافعیؒ نے فرمایا: پھر آپ یہ کیوں کہتے ہیں کہ وارثوں کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں اور اس کے لیے حضورﷺ کا یہ فرمان بتاتے ہیں۔"لا وصية لوارث" (۵۹) کہ وارث کے لیے وصیت جائز نہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَــرَ اَحَـــدَ كُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيـــــرَ نِ الْوَصـــيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْـــــرَبِيْنَ"(۶۰)

''جب تم میں سے کسی کی موت آئے اور وہ مال چھوڑے تو اس پر لازم ہے کہ والدین اور اقرباء کے لیے وصیت کرے۔'' اس قسم کے بہت سے اعتراضات امام شافعیؒ نے امام محمدؒ پر کیے مگر وہ خاموش رہے اور انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔''(۶۱)

فقہاء کرام میں اختلاف کا ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک امام کے نزدیک کسی حدیث کی سند یا اس کے متن میں کوئی کلام نہ ہو وہ اس حدیث کے مطابق فیصلہ دیتا ہے اور دوسرے امام کے نزدیک اس حدیث کی سند یا اس کے متن میں

کلام ہوتا ہے وہ اس کے مطابق فیصلہ نہیں دیتا۔اس کی مثال یہ حدیث پاک ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''من اشتری شاۃ مصراۃ فلینقلب بھافلیحلبھا فان رضی حلابھا امسکھا والا ردھا ومعھا صاع من تمر۔''(۶۳)

''جو شخص مصراۃ بکری (ایسی بکری جس کے تھن باندھ کر دودھ روک دیا گیا ہو) خریدے۔پھر لے جا کر اس کا دودھ نکالے پھر اگر اس کو دودھ کی مقدار پسند آجائے تو اس کو رکھ لے ورنہ اسے واپس کر دے اور اس کے ساتھ ایک صاع کھجور بھی دے دے۔''

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس حدیث کے متن یا سند میں کوئی کلام نہیں وہ اس پر عمل کرتے ہیں لیکن امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ حدیث مضطرب اور معلل ہے اور یہ قرآن کے صریح احکامات کے خلاف ہے کیونکہ ممکن ہے اس کا دودھ ایک صاع کھجوروں سے زیادہ قیمت کا ہو۔ممکن ہے کم قیمت کا ہو جبکہ قرآن وسنت میں عدل کرنے کا حکم ہے۔اس لیے امام ابو حنیفہ اس حدیث پر عمل نہیں کرتے۔

کبھی کسی مجتہد کو وہ حدیث نہیں ملتی جو دوسرے کو مل جاتی ہے۔جسے ایک حدیث ملے ہی نہیں ظاہر ہے وہ اس پر عمل کرنے کا پابند نہیں۔اس صورت میں وہ کسی ظاہر آیت پر عمل کرتا ہے یا کسی اور حدیث یا حال کے مطابق اجتہاد کرتا ہے۔وہ اجتہاد کبھی اس حدیث کے موافق ہوتا ہے اور کبھی مخالف۔یہ عملی طور پر ممکن ہے کیونکہ کسی بھی انسان کو سب احادیث کا علم نہیں ہوتا۔یہاں تک کہ یہ خلفائے راشدین کے لیے بھی ممکن ہے کہ کوئی روایت ان تک نہ پہنچی ہو بعد میں انہیں اس کا علم ہو۔حالانکہ یہ صحابہ کرامؓ نبی کریم ﷺ کے سب سے زیادہ قریبی تھے۔اس تناظر میں یہ روایت ملاحظہ ہو:

حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ میں مدینہ میں انصار کی ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا۔ہمارے پاس حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ خوفزدہ حالت میں آئے۔ہم نے اس کا سبب پوچھا تو فرمانے لگے کہ مجھے عمرؓ نے بلایا تھا۔میں جب ان کے دروازے پر گیا تو میں نے تین مرتبہ سلام کیا۔انہوں نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا تو میں لوٹ آیا۔حضرت عمرؓ نے پوچھا تم ہمارے پاس کیوں نہیں آئے۔میں نے کہا میں آیا تھا اور میں نے دروازے پر کھڑے ہو کر تین مرتبہ سلام کیا۔جب کسی نے میرے سلام کا جواب نہ دیا تو میں لوٹ آیا اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص تین مرتبہ

سلام کرے پھر اسے اجازت نہ دی جائے تو وہ واپس چلا جائے ۔حضرت عمرؓ نے فرمایا تم اس حدیث پر گواہ پیش کرو ورنہ میں تمہیں سزا دوں گا۔حضرت ابی بن کعب نے کہا اس حدیث کی گواہی قوم کا سب سے کم عمر شخص دے گا۔حضرت ابو سعید نے کہا میں سب سے کم سن ہوں انہوں نے کہا ان کے ساتھ جاؤ۔حضرت ابو سعید فرماتے ہیں کہ بعد میں نے جا کر گواہی دی۔''(۶۳)

لہٰذا معلوم ہوا کہ فقہاء و مجتہدین میں جو اختلاف ہوتا وہ ضد یا انا پرستی کے سبب نہ ہوتا ۔ بلکہ اس کے کچھ دیگر اسباب ہوتے ہیں اور وہ دلائل کی بنا پر ہی ہوتا ہے ۔

مبحث سوم

اسلامی قانون میں فقہاء کی آراء کا مقام ومرتبہ

فقہاء کرام کی آراء کا اختلاف محض شخصی رائے کا اختلاف نہیں ہے جو کسی تعصب اور ہٹ دھرمی کا نتیجہ ہو بلکہ یہ اختلاف قرآن وسنت کی تفہیم میں رائے کا اختلاف ہے جو اخلاص اور للٰہیت پر مبنی ہے۔فقہاء کرام وہ معزز طبقہ ہے جنھوں نے اپنی پوری زندگی قرآن وسنت سے اسلامی قانون مستنبط کرنے میں صرف کی۔ یہی وجہ ہے کہ پوری امت ان فقہاء کی آراء کا احترام کرتی ہے اور انہیں اسلامی احکامات کو سمجھنے کے لیے ایک بنیادی ذریعہ قرار دیتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلامی قانون کا ماخذ اصلی صرف قرآن وسنت ہی ہیں لیکن کیا ہر آدمی یہ استطاعت رکھتا ہے کہ وہ قرآن وسنت پر اتنی گہری نظر رکھے کہ وہ مسائل کا استنباط خود کر سکے قرآن مجید میں کبھی کوئی حکم اجمالاً بیان کیا جاتا ہے اس کی تفصیل جاننے کے لیے عام آدمی دلائل کی چھان بین نہیں کرسکتا۔مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وامسحوا برء وسکم" (۶۴)

''اور اپنے سروں کا مسح کرو۔''

اس آیت کریمہ سے واضح نہیں ہوتا کہ پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے یا چوتھائی سر کا یا چند بالوں کا۔اس اجمال کی تفصیل قرآن وسنت کے دیگر دلائل کی روشنی میں جاننے کے لیے فقہاء کی آراء پر اعتبار کرنا پڑے گا۔قرآن میں کہیں ایک حکم مطلق ذکر کیا جاتا ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ"(۶۵)

''تم پر صرف مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور جس جانور کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے حرام کیا گیا ہے۔''

یہاں مطلق خون کو حرام قرار دیا گیا ہے اور دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

"اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ"(۶۶)

''مگر یہ کہ مردار ہو یا بہنے والا خون ہو یا خنزیر کا گوشت کیونکہ یہ ناپاک ہیں۔''

اس مقام پر مطلق خون نہیں بلکہ بہنے والا خون حرام قرار دیا گیا ہے۔اب ایک عام آدمی کیسے جانے گا کہ یہاں اصل حکم مطلق کا ہے یا مقید کا۔

قرآن کریم میں بعض آیات منسوخ ہیں۔مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَ الَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَ یَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِیَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَی الْحَوْلِ غَیْرَ اِخْرَاجٍ'' (۶۷)

''جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنی بیویوں کے لیے نکالے بغیر ایک سال کی وصیت کر جائیں۔''

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

''وَ الَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَ یَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا'' (۶۸)

''اور تم میں سے جو فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ چار مہینے اور دس دن اپنے آپ کو روکیں۔''

اب متوفی عنہا زوجہا کی عدت ایک سال ہوگی یا چار مہینے دس دن۔ان دونوں آیات میں عام قاری سمجھ نہیں پائے گا اور اسے ائمہ فقہ کی طرف رجوع کرنا ہوگا اور وہ دونوں آیات میں تطبیق دیتے ہوئے اصل مسئلہ حل کریں گے۔

اسلامی قانون کا دوسرا ماخذ احادیث مبارکہ ہیں۔پہلی بات تو یہ ہے تمام احادیث مبارکہ پر نظر رکھنا بہت مشکل تو ہے ہی اور ایک عام قاری کے لیے تو تقریباً ناممکن ہے اور پھر احادیث مبارکہ میں صحیح حسن ،ضعیف ،معلل اور مضطرب وغیرھا سب قسم کی روایات پائی جاتی ہیں۔ایک عام مسلمان کے لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ ان تمام مباحث کو سمجھے اور فیصلہ کرے۔اسی لیے پوری امت اس بات پر متفق رہی کہ اسلامی قانون کو اگر ایک عام آدمی سمجھنا چاہے تو اسے فقہاء کی آراء کی روشنی میں سمجھنا پڑے گا۔امام غزالی فرماتے ہیں:

''عام آدمی کے لیے فقہاء کی تقلید لازم ہونے کے دو اسباب ہیں۔ایک یہ کہ صحابہ کرام ؓ کا اس پر اجماع ہے کہ وہ عام آدمی کو مسائل بتاتے تھے اور اسے یہ نہیں کہتے تھے کہ وہ درجہ اجتہاد کا علم حاصل کرے دوسرا سبب یہ ہے کہ اس پر اجماع امت ہے کہ ہر آدمی احکام شرعیہ کا مکلف ہے اگر ہر آدمی اجتہاد کا علم حاصل کرنے کا بھی مکلف ہو تو زراعت ،صنعت وحرفت اور تجارت بلکہ دنیا کے تمام کاروبار معطل ہو جائیں گے کیونکہ ہر شخص مجتہد بننے کے لیے دن رات علم کے حصول میں مشغول رہے گا۔نہ کسی کے لیے کچھ کھانے کا ہوگا نہ پہننے کے لیے اور دنیا کا نظام برباد ہو جائے گا اور حرج عظیم واقع ہوگا اور یہ بداہۃً باطل ہے اور یہ بطلان اس بات کے ماننے سے لازم آیا ہے کہ عام آدمی درجہ اجتہاد کا مکلف ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ عام آدمی درجہ اجتہاد کا مکلف نہیں ہے اور عام آدمی پر مجتہدین کی تقلید لازم ہے۔'' (۶۹)

امام فخر الدین رازی نے اس مسئلہ پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، ان کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ عام آدمی کے لیے ضروری ہے کہ وہ ائمہ فقہ کی تقلید کرے اس پر پہلی دلیل یہ ہے کہ اس پر پوری امت کا اجماع رہا ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ جب کسی عام آدمی کو کوئی فرعی مسئلہ پیش آئے گا تو یا تو یہ کہا جائے گا کہ وہ اس پر عمل کرنے کا مکلف نہیں اور یہ بالکل باطل ہے اور یا وہ اس کا حل قرآن وسنت سے تلاش کرے گا۔ اب پھر دو صورتیں ہیں یا تو وہ خود قرآن وسنت سے اس کا حل تلاش کرے اور یہ عام آدمی کے لیے ممکن نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی بندہ صحابہ کرام سے مسئلہ پوچھتا تو وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ تم خود اس کا حل قرآن وسنت سے تلاش کرو بلکہ وہ اسے اس کا حل بتاتے تھے اور دوسرا حل یہ ہے کہ وہ ائمہ فقہ کی طرف رجوع کرے اور یہی طریقہ اس امت میں جاری ہے پس اس سے واضح ہو گیا کہ جب اسے کوئی پیش آئے گا تو وہ فقہاء سے سوال کرے اور ان کے اقوال کے مطابق عمل کرے۔(۷۰)

اس سے واضح ہوا کہ اسلامی قانون کو سمجھنا فقہاء کی آراء کو جانے بغیر ممکن نہیں کیونکہ فقہاء نے اسلامی قانون کو مستنبط کرنے میں دن رات محنت کی ہے اور قرآن وسنت کی فکر کو قانونی شکل میں پیش کیا ہے۔

(خلاصۂ باب)

اس باب کی مباحث کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ حق کے لغوی معنی ہے کسی چیز کا سچ ہونا یا درست ثابت ہونا ہے اور اصطلاح میں کسی کے حق سے مراد وہ چیز ہے جو کسی کی نسبت سے دوسرے پر لازم ہوتی ہے۔

۲۔ رسالت کا لغوی معنی پیغام پہنچانا اور شریعت میں اس سے مراد اللہ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچانا ہے۔

۳۔ شریعت میں رسول سے مراد وہ ذات ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنا پیغام اپنے بندوں تک پہنچانے کے لیے منتخب کرے اور وہ صاحب کتاب ہو یا کسی پہلی کتاب کی تبلیغ ایسی قوم میں کرے جس میں پہلے رسول نے تبلیغ نہ کی ہو جبکہ نبی کسی پہلی شریعت کی تبلیغ اسی قوم میں کرنے والے کو کہا جاتا ہے۔

۴۔ حقوق الرسول ﷺ سے مراد وہ چیزیں جو ایک امتی پر حضور اکرم ﷺ کی نسبت سے لازم ہیں مثلاً آپ کی تعظیم بجالانا اور آپ کی نصرت کی سعادت حاصل کرنا۔

۵۔ فقہاء کا لفظی معنی تو سمجھ بوجھ اور ادراک رکھنے والے اشخاص ہیں اور شریعت میں ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلام کے قانونی پہلو کو بیان کرنے کے ماہر ہیں یعنی جو قرآن وسنت کی روشنی میں عملی احکام مستنبط کرتے ہیں۔

۶۔ کیونکہ قرآن وسنت سے مسائل مستنبط کرتے ہوئے دلائل میں اختلاف ہو جاتا ہے۔اس لیے فقہاء کی آراء میں بھی اختلاف پیدا ہو جاتا ہے لیکن یہ اختلاف کسی ضد پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ دلیل کی وجہ سے ہوتا ہے۔

۷۔ چونکہ فقہاء ہی وہ اصحاب علم و دانش ہیں جنہوں نے قرآن وسنت کے قوانین کو سمجھا اور اسے عملی شکل میں پیش کیا اس کے لیے ایک عام آدمی پر لازم ہے کہ وہ ان کی آراء پر عمل کرے کیونکہ وہ خود قرآن وسنت سے مسائل اخذ کرنے کا ملکہ نہیں رکھتا۔فقہاء کی آراء دراصل قرآن وسنت کے احکام کی ہی تعبیر ہوتی ہیں۔

(حوالہ جات)

۱۔ الاصفہانی، علامہ الراغب، مفردات الفاظ القرآن، مادہ۔حق، دار الکاتب العربی، (۱۴۱۸ھ)

۲۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: نفس مصدر: مادہ حق۔

۳۔ محمد مرتضی حسینی ۱۷۳۲ء میں پیدا ہوئے اصل وطن ہندوستان کا شہر بلگرام تھا وہاں سے یمن آئے اور یمن کے شہر زبید میں ایک لمبا عرصہ اقامت پذیر ہے۔ اسی نسبت سے زبیدی کہلائے۔ پھر قاہرہ میں اقامت پذیر ہوئے۔ ان کی مشہور کتابوں میں تحفۃ السادۃ المتقین اور تاج العروس شامل ہیں۔ ۱۷۹۰ء میں فوت ہوئے، کحالہ، عمر رضا، معجم المؤلفین، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ج ا،ص ۲۸۲

۴۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: الزبیدی، محمد بن عبدالرزاق، تاج العروس، مادہ، باب القاف۔ ح۔ق۔ق، (۱۴۰۵ھ)

۵۔ الافریقی، ابن منظور، لسان العرب، حرف القاف

۶۔ المنذری، الحافظ عبدالعظیم بن القوی، الترغیب والیرھیب، دار ابن حزم، بیروت، لبنان، ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء، ص: ۴۷۸

۷۔ کیرالونوی، مولانا وحید الزمان قاسمی، القاموس الجدید، مادہ، ر۔س۔ل۔ ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء

۸۔ الجرجانی، السید الشریف علی بن محمد، کتاب التعریفات، انتشارات ناصر خسرو، تہران، (۱۳۰۶ھ)، ص: ۴۹

۹۔ السخاوی، شمس الدین محمد بن ابوبکر، القول البدیع، لاثانی کتب خانہ، متصل جامع مسجد دو دروازہ سیالکوٹ، ص: ۲۹

۱۰۔ فرہاری، علامہ محمد بن عبدالعزیز، النبراس، مکتبہ حقانیہ، ملتان، ص: ۶

۱۱۔ القول البدیع، ص: ۲۹

۱۲۔ مفردات، مادہ۔ نبی

۱۳۔ القرآن الکریم، مریم ۱۹: ۵۷

۱۴۔ لویس معلوف المنجد، مادہ۔ ن۔ب۔ی، انتشارات اسماعیلیاں، تہران، (۱۹۸۰ء)

۱۵۔ مفردات، مادہ۔ نبأ

۱۶۔ سرہندی، حضرت مجدد الف ثانی، شیخ احمد، اثبات النبوۃ، شیر ربانی پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص: ۱۴

۱۷۔ المنجد، مادہ۔ نبأ

۱۸۔ آل عبداللطیف، عبدالعزیز بن محمد، التوحید للناشئۃ والمبتدئین، وزارۃ الشئون الاسلامیۃ، المملکۃ العربیۃ والسعودیۃ، (۱۴۲۴ھ)، ج: ۱، ص: ۵۷

۱۹۔ پورا نام عمر بن محمد بن احمد اسماعیل ہے ۴۶۱ھ میں ماوراء النہر کے شہر نسف میں پیدا ہوئے۔ آپ کی کنیت ابوحفص اور

لقب نجم الملۃ والدین ہے حصول علم کی خاطر متعدد شہروں کا سفر کیا۔سو کے قریب کتابیں لکھیں ان میں العقائد النسفیۃ اور تاریخ بخاری ہے ۔۵۳۷ھ کو سمرقند میں فوت ہوئے (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو۔المنجد فی الاعلام،ص:۸۰۷،شرح عقائد نفسی،ص:۱۳،ابوالعطاء غلام حسین ماتریدی،فیض رضا پبلی کیشنز،فیصل آباد،۲۰۰۹)

۲۰- شرح عقائد نسفی (متن النبراس)ص:۵۴

۲۱- النبراس،ص:۵۵-۵۴

۲۲- رازی،فخرالدین،تفسیر کبیر،مکتب الاعلام اسلامی،(۱۴۱۱ھ)،ج ۲۳،ص:۴۹

۲۳- بدرعالم،میرٹھی،ترجمان السنۃ،ادارہ اسلامیات،لاہور،ج:۳،ص:۴۴۱۳

۲۴- النبراس،ص:۴۴

۲۵- پورا نام عبدالعزیز بن محمد حامد ہے۔ضلع مظفرگڑھ کی ایک نواحی بستی ہر بار میں ۱۲۰۹ھ/۱۷۹۴ء کو پیدا ہوئے۔ متعدد اساتذہ سے علم حاصل کیا آپ نے سب سے زیادہ استفادہ حافظ محمد جمال چشتی ملتانی سے کیا۔متعدد علوم میں ماہر تھے آپ کی مشہور کتابوں میں نبراس،کوثر النبی اور الصمصام زیادہ مشہور ہیں۔صرف تیس سال کی عمر میں ۱۲۳۹ھ کو فوت ہوئے۔(تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو،تذکرہ اکابر اہل سنۃ،علامہ عبدالحکیم شرف،مکتبہ قادریہ، لاہور،۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء،ص:۲۳۰-۲۳۱)

۲۶- ن۔م،ص:۵۴

۲۷- قاری،ملاعلی قاری،شرح فقہ اکبر،قدیمی کتب خانہ،کراچی،ص:۱۲

۲۸- سورۃ الاحزاب:۴۵، سورۃ المائدہ:۶۷

۲۹- سورۃ مریم ۱۹:۵۴

۳۰- سورۃ الاحزاب ۳۳:۴۰

۳۱- ترمذی،امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسی ترمذی،سنن الترمذی،کتاب الرویا:قدیمی کتب خانہ،کراچی،ج:۱،ص:۸۸۱

۳۲- سورۃ الاعراف ۷:۹۴

۳۳- سورۃ الحج ۲۲:۵۲

۳۴- تفسیر کبیر:۲۳/۴۹

۳۵- سورۃ الاعراف ۷:۱۵۷

۳۶- سورۃ البقرہ۲:۲۱۳

۳۷- النبراس،ص:۵۵

۳۸- سورۃ الحج ۲۲:۷۵

۳۹- النبراس،ص:۵۴

۴۰- سورۃ المائدہ:۴۳

۴۱- سورۃ الانبیاء۲۱:۲۵

۴۲- سورۃ التحریم ۶:۶۶

۴۳- ولی اللہ، شاہ، قرۃ العینین ، دارالاشاعت ، لاہور ص:۴۱

۴۴- سورۃ الانعام ۶: ۹۱

۴۵- تفسیر کبیر: ۷۳/۱۳

۴۶- سورۃ التوبہ۹:۱۲۸

۴۷- سورۃ الاحزاب۳۳:۵۶

۴۸- زمخشری، جاراللہ، الفائق فی غریب الحدیث ، بیروت ، ۱۹۷۹، ج:۳، ص:۱۳۴

۴۹- جوہری، الصحاح ، مادہ فقہ

۵۰- مفردات: مادہ، فقہ

۵۱- بخاری، امام ابوعبداللہ بن اسمٰعیل، صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب وضع الماء عند الخلاء، رقم الحدیث: ۱۴۳

۵۲- العینی ، بدرالدین ،عمدۃالقاری، ادارۃ الطباعۃ المیریۃ ،مصر، ۱۳۴۸ھ، ج:۲، ص: ۱۵

۵۳- الشعرانی، امام عبدالوہاب، میزان الشریعۃ الکبری، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، (۱۴۱۸ھ)، ج:۱، ص:۶۷

۵۴- قشیری، ابوالحجاج مسلم بن حجاج ،صحیح مسلم: کتاب الصیام ، باب استحباب صوم ستۃ ایام من ،شوال، رقم الحدیث: ۲۶۵۴۔

۵۵- مالکی ، قاضی ابوالولید ابن رشد ، بدایۃ المجتہد، دارالفکر، بیروت ، ج:۱، ص: ۲۲۵

۵۶- ابن ابی شیبہ، امام ،مصنف ابن ابی شیبۃ ،مطبوعہ، کراچی، ج:۱، ص:۳۷۲

۵۷- القشیری، امام مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ ،باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ، رقم الحدیث:۷۷۸

۵۸- سورۃ النمل ۲۷:۲۰

۵۹- البخاری، امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل ،صحیح البخاری، باب لاوصیہ لوارث، رقم الحدیث: ۲۷۴۷، دارطوق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ

۶۰- سورۃ البقرہ۲:۱۸۰

۶۱- ولی اللہ شاہ، حجۃ اللہ البالغۃ ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ج:۱، ص:۳۵۸، (س ـ ن)

۶۲- صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب حکم بیع المصراۃ، رقم الحدیث: ۳۷۲۰

۶۳- صحیح مسلم، کتاب الآداب، رقم الحدیث: ۵۵۱۸

۶۴- سورۃ المائدہ ۵:۶۱

۶۵- سورۃ البقرہ۲:۱۷۳

۶۶- سورۃ الانعام ۶:۱۴۵

۶۷- سورۃ البقرہ ۲:۲۴۰

۶۸- سورۃ البقرہ ۲:۲۳۴

۶۹- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: غزالی، امام، المستصفیٰ، بولاق، مصر، (۱۳۲۴ھ)، ص:۳۸۹

۷۰- رازی: امام فخر الدین، المحصول، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ (۱۴۱۷ھ)، ص:۱۴۰۳

باب دوم
حقوق الرسول صلی اللہ علیہ وسلم
کی قانونی حیثیت

فصل اوّل
اسلامی قانون کے ماخذ

ماخذ کالغوی معنی ''لینے کی جگہ'' ہے یہ اخذ، یاخذ اخذا سے اسم ظرف ہے ۔اسلامی قانون کے ماخذ سے مراد وہ بنیادی ذرائع ہیں جن کی بنیاد پر اسلامی قانون تشکیل پاتا ہے ۔قانون کی کتابوں میں ماخذ کی دو قسمیں بیان کی گئیں ہیں ۔

۱- ماخذ مادی

۲- ماخذصوری

ماخذ مادی سے مراد وہ بنیادی ذرائع ہوتے ہیں جن سے قانون اپنا مواد حاصل کرتا ہے ۔مثلاً اگر کوئی قانون رسم ورواج کی بنیاد پر تشکیل پاتا ہے تو رسم ورواج اس کا ماخذ مادی ہوگا اور ماخذ صوری سے مراد وہ چیز ہے جس سے قانون اپنا جواز یا اثر حاصل کرتا ہے ایک مسلمان کے لیے قانون کا ماخذ صوری اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہے اور ایک ملحد کے لیے لوگوں کی خوشنودی یا ریاست کی بہتری وغیرہ ماخذ صوری قرار دیے جا سکتے ہیں ۔

اسلامی قانون کے ماخذ کی بحث میں جب یہ چیز واضح ہوگئی کہ اس کا ماخذ صوری اللہ تعالیٰ کی رضا ہے تو اس کا ماخذ مادی بھی دراصل ذات باری تعالیٰ ہی ہے جو اس کی کتاب ،اس کی وحی ، یا اس کے احکامات کے مطابق قیاس واجتہاد کی متعدد صورتیں اختیار کر لیتا ہے ۔اسلامی قانون کے بنیادی ماخذ درج ذیل ہیں :

۱- قرآن حکیم

۲- سنت نبویہ

۳- اجماع

۴- قیاس

کچھ تفاصیل ملاحظہ ہوں ۔

مبحث اوّل

قرآن حکیم

قرآن مجید آخری الہامی کتاب ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے جبرئیلؑ امین کی وساطت سے حضور اکرم ﷺ پر نازل فرمائی۔ قرآن کو خود متعدد مقامات پر قرآن ہی اسی کے نام سے پکارا گیا جیسے ایک مقام ارشاد ہوتا ہے:

"شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ" (۱)

"رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔"

لفظ قرآن یا تو قرءَ سے مشتق ہے یا قراءۃ سے یا قَرَنَ سے اس کا ہر مادہ اشتقاق اس کی عظمت کے کسی پہلو کو بیان کرتا ہے۔ اگر چہ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ عَلَم ہے اور کسی لفظ سے مشتق نہیں۔ لیکن اکثر لوگوں نے اسے مشتق مانا ہے اور یہ جس لفظ سے بھی مشتق ہو ہر پہلو اس کے کسی وصف کو بیان کرتا ہے۔ اگر یہ قرء سے مشتق ہو تو قرء کا معنی جمع ہونا ہوتا ہے جیسے قَرَءَ الماءُ فی الحوض کا معنی ہے پانی حوض میں جمع ہو گیا۔ تو اس مادہ اشتقاق سے قرآن کا مفہوم ہو گا کہ یہ وہ کتاب ہے۔ جو فلاح انسانی کے تمام سامان اپنے اندر جمع کیے ہوئے ہے۔ اگر یہ قراءۃ سے مشتق ہو تو قراءۃ کا معنی ہوتا ہے پڑھنا۔ تو اس سے مراد یہ ہے کہ یہ وہ کتاب ہے جسے اتنا زیادہ پڑھا جاتا ہے اور پڑھا جائے گا کہ دنیا کی کوئی کتاب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور اگر یہ قَرَن سے مشتق ہو تو قَرَن کا معنی ہوتا ہے متصل ہونا۔ اس صورت میں اس سے مراد یہ ہوگی کہ یہ وہ کتاب ہے جس کے ساتھ ہدایت اور سچائی متصل ہے۔ یا جس کی آیات اور سورتیں اس طرح متصل اور مربوط ہیں کہ ان میں کوئی تضاد یا تخالف نہیں پایا جاتا۔ (۲)

امام سیوطی نے الاتقان میں قرآن مجید کے پچپن نام خود قرآن مجید سے اخذ کر کے بیان کیے ہیں۔ (۳)

قرآن کریم کی اصطلاحی اور شرعی تعریف یوں کی گئی ہے:

"هو المنزل علي الرسول المكتوب في المصاحف المنقول عنه نقلا متواترا بلا شبهة." (۴)

"قرآن سے مراد وہ کتاب ہے جو رسول کریم ﷺ پر نازل ہوئی۔ مصاحف میں لکھی ہوئی ہے اور حضور اکرم ﷺ سے نقل متواتر سے اس طرح منقول ہے جس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔"

بعض علماء نے قرآن کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"كلام الله، المنزل على محمد ﷺ المتعبد بتلاوته." (۵)

قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ جو حضور اکرم ﷺ پر نازل کیا گیا جس کی تلاوت کرنا عبادت ہے۔"

قرآن کریم تمام اسلامی قانون کا مصدر او رمنبع ہے یہ اصل الاصول اور مصدر المصادر ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ "(۶)

''اور ہم نے آپ پر کتاب اتاری ہے جو ہر بات کا بڑا واضح بیان ہے، ہدایت اور رحمت ہے اور اہل ایمان کے لیے بشارت ہے۔''

یہ آیۃ کریمہ قرآن کریم کے اصل الاصول ہونے پر دلیل ہے۔اس آیت کی تفسیر میں قاضی بیضاوی (متوفی ۹۷۱ھ) لکھتے ہیں:

"بیانا بلیغا من امور الدین علی التفصیل اوالا جمال بالاحالة الی السنة او القیاس." (۷)

''قرآن دینی امور میں سے ہر چیز کا پورا بیان ہے۔تفصیلی طور پر یا اجمالی طور پر یا سنت اور قیاس کے ذریعہ سے۔''

یعنی جو بات احادیث مبارکہ میں بیان ہوئی ہے۔یا قیاس واجتہاد کے ذریعہ سے معلوم ہو وہ بھی دراصل قرآن کریم کا ہی بیان ہوتا ہے کیونکہ قرآن کریم میں اطاعت رسول ﷺ کی تلقین بڑی تاکید سے کی گئی ہے اور اطاعت رسول ﷺ سنت کے بغیر ممکن نہیں ہے اور قرآن مجید ہی اجتہاد وقیاس کی تلقین کرتا ہے اور یہ اسی کی عملی صورتیں ہیں اس سے واضح ہو رہا ہے کہ اصل الاصول اور مصدر المصادر قرآن کریم ہی ہے۔

اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے امام جصاص لکھتے ہیں:

"وما حصل علیه الاجماع فمصدره ایضا عن الکتاب لان فقد دلّ صحة حجیة الاجماع و انهم لا تجمعون علی الضلال وما اوجبه القیاس واجتهاد الرای وسائر ضروب الاستدلال من الاستحسان وقبول خبر الواحد جمیع ذلك من تبیان الکتاب لانه قد دل علی ذلك اجمع فما من حکم من احکام الدین الا وفی الکتاب تبیانه من الوجوه التی ذکرنا"(۸)

''جس حکم پر اجماع ہو چکا ہو اس کا ماخذ ومصدر بھی قرآن حکیم ہے کیونکہ قرآن اس کے حجت ہونے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ سب مسلمان کبھی گمراہی پر اکٹھے نہیں ہو سکتے اور جو حکم قیاس واجتہاد اور استدلال کی باقی اقسام مثلاً استحسان اور خبر واحد سے ثابت ہوتے ہیں۔وہ سب بھی قرآن کریم کا ہی بیان ہے۔پس دین کا کوئی بھی حکم ایسا نہیں جسے قرآن نے مذکورہ طریقوں سے بیان نہ کر دیا ہو۔''

امام شافعی قرآن کریم کی جامعیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فلیست تنزل باحد من اھل دین اللہ نازلۃ الا وفی کتاب اللہ علی سبیل الھدی فیہ۔" (۹)

''اہل دین کو جو بھی مسئلہ درپیش ہو اس کے متعلق اللہ کی کتاب میں رہنمائی موجود ہے۔''

اس کی وضاحت کرتے ہوئے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں بعض احکام بالکل تفصیل اور صراحت سے بیان کردیئے گئے لیکن ان کی تفصیلات اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کے ذریعہ سے بیان فرمادی ہیں۔ بعض چیزیں ایسی ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں تو نہیں کیا گیا مگر وہ رسول کریم ﷺ نے نافذ فرمائی ہیں اور حضور اکرم ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دی ہے۔ بعض چیزیں مجتہدین کے اجتہاد سے معلوم ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہی مجتہدین کو اجتہاد کرنے کا حکم دیا ہے۔

قرآن کریم کی جس تفسیر پر صحابہ کا اجماع تھا اور بعد والے لوگ بھی اس پر متفق رہے اس کے خلاف کوئی بات کرنا تفسیر نہیں بلکہ تحریف کہلاتا ہے لیکن جس تفسیر پر صحابہ کرامؓ میں بھی اختلاف رہا اور مابعد ادوار میں بھی لوگ اس کے متعلق مختلف آراء کا اظہار کرتے رہے وہاں دلیل کی بناپر کوئی بھی موقف اختیار کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ وہ کسی نص کے خلاف نہ ہو۔

شرائط استنباط:

قرآن کریم تمام قوانین کا منبع اصلی ہے لیکن ضروری ہے کہ قرآن مجید سے احکام مستنبط کرنے کے لیے انسان کو ناسخ ومنسوخ کا علم ہو یہ جانے کہ کون سی آیت کس آیت کی ناسخ ہے۔ مجمل ومفسر کا جاننے والا ہو وہ یہ جانتا ہو کہ کون سی آیت مجمل ہے اور اس کی تفسیر کون سی آیت کر رہی ہے۔ وہ خاص وعام کا جاننے والا ہو یعنی اسے علم ہو کہ کون سی آیت خاص ہے اور کون سی عام۔ اسے محکم اور متشابہ کا علم ہو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ یہ جانے کہ کون سی آیات عملی زندگی میں اصل اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں اور شعور انسانی واضح طور پر ان کا ادراک کرسکتا ہے اور کون سی چیزیں متشابہات میں ہیں۔ جن کا تعلق ایمانیات سے ہے اور ان حقائق کا مکمل ادراک عقل انسانی سے ماوراء ہے۔ اس طرح اسے یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن مجید کے کس اسلوب سے فرض ثابت ہے کس سے واجب، مستحب یا مباح جیسے احکامات ثابت ہوتے ہیں۔

قرآن کریم کے فقہی اصول:

فقہاء کرام نے وضاحت کی ہے کہ قرآن کریم سے فقہی احکام مستنبط کرتے ہوئے ان تین اصولوں کو بنیاد بنایا گیا ہے:

۱- عدم حرج
۲- قلت تکلیف
۳- تدریج

عربی زبان میں حرج تنگی کو کہا جاتا ہے عدم حرج سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم انسانوں سے تنگی کو دور کر کے انہیں سہولت اور آسانی مہیا کرتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

"یُرِیْدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ" (۱۰)
''اللہ تعالی تم پر آسانی چاہتا ہے تنگی نہیں چاہتا۔''

اور رسول کریم ﷺ کی بعثت کا ایک مقصد یہ بھی بیان کیا گیا:

"وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْهِمْ"(۱۱)
''اور حضور ﷺ ان سے وہ بوجھ اور بیڑیاں اتارتے ہیں جو ان پر تھیں۔''

یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اسلام سیدھا اور آسان مذہب ہے اور نبی کریم ﷺ کو جب بھی دو چیزوں میں اختیار دیا جاتا تو آپ آسان چیز کو اختیار فرماتے تھے بشرطیکہ وہ گناہ اور نافرمانی نہ ہو قرآن کریم سے فقہی اصول اخذ کرنے کا پہلا یہ اصول ہے اور دوسرا اصول قلت تکلیف ہے۔

قلت تکلیف عدم حرج کا لازمی نتیجہ ہے کیونکہ تکلیف یا احکامات کی کثرت مختلف قسم کی مشکلات اور تنگیاں پیدا کرے گی اگر قرآن کریم میں اوامر و نواہی کا مطالعہ کیا جائے تو چند چیزیں بالکل واضح ہیں۔اوامر و نواہی کی تعداد بہت کم ہے انسان بہت کم مدت میں انہیں سیکھ سکتا ہے۔ان پر نہایت آسانی سے عمل ہو سکتا ہے۔ان میں بہت زیادہ تفصیل نہیں پائی جاتی تا کہ لوگوں کے لیے عمل میں آسانی اور کشادگی پیدا ہو سکے۔قرآن مجید کی یہ آیہ کریمہ اسی اصول کو بیان کرتی ہے:

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ وَ اِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَکُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ" (۱۲)
''اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے متعلق سوال نہ کیا کرو کہ اگر وہ تمہارے لیے ظاہر ہو جائیں تو تمہیں بری لگیں گی اور اگر تم نے ان کے متعلق سوال کیا جب قرآن نازل ہو رہا ہو تو وہ چیزیں تمہارے لیے ظاہر کر دی جائیں گی۔ان کے متعلق اللہ تعالی نے معاف کر دیا ہے اور اللہ تعالی بخشنے والا اور حلم والا ہے۔''

جب ایک موقعہ پر جب حضور اکرم ﷺ سے حج کے متعلق بار بار سوال کیا گیا کہ کیا حج ہر سال فرض ہے تو آپ نے فرمایا اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال ہی حج فرض ہو جاتا۔ آپ نے فرمایا جو چیز میں چھوڑ دوں تم بھی اسے چھوڑ دو اور تم سے پہلے لوگ زیادہ سوالات کرنے کے سبب ہی ہلاک ہوئے۔ مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جو ایک سوال کرے اور اس کے سوال کی وجہ سے ایک چیز مسلمانوں پر حرام کر دی جائے۔ قرآن کریم سے احکام اخذ کرتے وقت اس اصول کو ملحوظ خاطر رکھنا بھی بہت ضروری ہے۔

تیسرا اصول تدریج ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آہستہ آہستہ اور درجہ بدرجہ احکامات کو نافذ کرنا۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ اس کے لیے ایک کام کو فوراً چھوڑ دینا ناممکن ہوتا ہے لیکن وہ آہستہ آہستہ اسے چھوڑ سکتا ہے۔ جب رسول کریم ﷺ تشریف لائے تو عرب میں بہت سی برائیاں نافذ تھیں اگر آپ انہیں یکدم چھوڑنے کا حکم دے دیتے تو سب لوگوں کے لیے انہیں چھوڑنا ممکن نہ ہوتا۔ پہلے لوگوں کے دلوں میں اور آخرت کے تذکرہ سے اللہ کی خشیت پیدا کی گئی اور پھر آہستہ آہستہ انہیں مختلف احکامات دیئے گئے۔ اگر یکدم ہی احکامات دے دیئے جاتے تو لوگوں کے لیے ان پر عمل ممکن نہ ہوتا۔ مثلاً شراب کا عرب میں عام رواج تھا پہلے یہ کہا گیا کہ اس کا نقصان اس کے نفع سے کم ہے۔ پھر یہ کہا گیا کہ شراب پی کر حالت نشہ میں میں نماز کے قریب نہ جاؤ اور پھر یہ حکم نازل ہوا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوا:

"یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ"(۱۳)

"آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں کہہ دیجئے کہ ان میں نقصان بڑے ہیں اور لوگوں کیلئے کچھ فائدے بھی ہیں۔"

پھر ارشاد ہوا:

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ" (۱۴)

"اے ایمان والوں حالت نشہ میں نماز کے قریب نہ ہو یہاں تک کہ تم اپنے کہے کو جانو۔"

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ٥ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ وَ یَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ"(۱۵)

''اے ایمان والو! (شراب) جوا، تھان اور پانسے سب گندے کام ہیں شیطانی کاموں میں سے تم ان سے بچو تا کہ تم فلاح پا جاؤ۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے تو کیا تم ان سے باز آؤ گے؟''

تدریج میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ پہلے ایک حکم مجمل ہو اور پھر اسے مفصل کر دیا جائے۔

مختصر یہ کہ قرآن کریم اسلامی قانون کا ماخذ اصلی ہے یہ اصل الاصول اور مصدر المصادر ہے۔

مبحث دوم

سنّت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم

اسلامی قانون کا دوسرا ماخذ سنت ہے۔لفظ سنت کا لغوی معنی طریقہ خاص ،اچھا یا برا راستہ، عادت ومزاج اور شکل وصورت ہے۔سنت اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یا مخلوق کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور شریعت میں سنت سے مراد نبی کریم ﷺ کا قول ،فعل یا آپ کی تقریر ہے۔تقریر سے مراد کسی معاملہ میں آپ کا سکوت اختیار فرمانا ہے اگر وہ کام جائز نہ ہوتا تو آپ اسے منع فرما دیتے محدثین کے نزدیک تو سنت کا لفظ تقریباً حدیث کا ہی ہم معنی ہے یعنی آپ کا قول ،فعل یا تقریر لیکن فقہاء سنت سے مراد آپ کی زندگی کا عملی پہلو لیتے ہیں۔سنت کے مختلف اطلاقات پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر عجاج لکھتے ہیں:

"السنة فی اصطلاح المحدثین هی کل ما اثرعن الرسول او فعل او تقریر او صفة خَلقیة او خُلقیة او سیرة سواء کان ذلك قبل البعثه کتحنثه فی علماء اصول الفقه هی کل ما صدر عن النبی ﷺ غیر القرآن الکریم من قول او فعل او تقریر مما یصلح ان یکون دلیلا لحکم شرعی السنة فی اصطلاح الفقها وههی کل ما ثبت عن النبی ﷺ ولم یکن من باب الفرض والا الواجب فاوسع الطلاقات اطلاق المحدثین ولم یکن من باب الفرض ولا الواجب فاوسع الطلاقات اطلاق المحدثین الذین یقصد ون بالسنة کل ما اثر عن الرسول من قول اوفعل اوتقریر اوسیرة...... سواء کان ذلک قبل البعثة ام بعدها سواء اثبت ذلك حکما شرعیا ام لا۔" (۱۶)

"محدثین کی اصطلاح میں سنت سے مراد ہر وہ چیز ہے جو رسول اللہ ﷺ سے منقول ہوا آپ کا قول، فعل یا تقریر، آپ کا خلق یا آپ کی خلق وسیرت ۔خواہ اس کا تعلق نبوت سے قبل کے معاملات سے ہو جیسے غار حرا کی خلوت گزینی یا اعلان نبوت کے بعد ہو۔علماء اصول فقہ کی اصطلاح میں سنت سے مراد قرآن کریم کے علاوہ رسول کریم ﷺ سے صادر ہونے والا ہر قول فعل اور تقریر پر جو حکم شرعی کی دلیل کے قابل ہو اور اصطلاح فقہاء میں سنت حضور ﷺ سے ثابت ہونے والی ہر شے ہے بشرطیکہ کہ وہ فرض اور واجب کے درجہ میں نہ ہو۔لہٰذا محدثین کے اطلاق میں وسعت یا سنت سے مراد حضور ﷺ سے منقول ہر قول ،فعل، تقریر او سیرت لیتے ہیں خواہ اس کا تعلق نبوت کے دور سے ہو یا نبوت کے بعد کے دور سے اور خواہ اس سے حکم شرعی ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔"

سنت کی تعریف یوں کی گئی ہے:

"(السنة) فی اللغة الطریقة مرضیة کانت او غیر مرضیة و فی الشریعة هی الطریقة المسلوکة فی المین من غیر افتراض ولا وجوب فا السنة واظب النبی ﷺ علیها مع الترك احیانا...... السنة لغة العادة و شریعة مشترك ما صدر عن النبی ﷺ من قول اور فعل اور تقریر۔" (۱۷)

''لغت میں سنت سے مراد راستہ ہے وہ محمود ہو یا مذموم اور شریعت و دین میں وہ چیز جو فرض یا واجب نہ ہو سنت کہلاتی ہے اور سنت وہ ہے جس پر نبی کریم ﷺ نے دوام اختیار فرمایا اور کبھی کبھی اسے چھوڑ بھی دیا ہو......سنت لغت میں تو عادت کو کہتے ہیں اور شریعت میں اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو نبی کریم ﷺ سے صادر ہو وہ آپ کا قول آپ کا فعل ہو یا آپ کی تقریر۔''

سنت قرآن مجید کے بعد فقہ اسلامی یا اسلامی قانون کا دوسرا ماخذ ہے۔اس کی متعدد وجوہات ہیں۔

سنت دراصل قرآن مجید کی ہی وہ توضیح ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو وحی خفی کے ذریعہ سے سکھائی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡہِمۡ'' (۱۸)

''ہم نے آپ پر ذکر (قرآن مجید) نازل کیا تاکہ جو کچھ لوگوں کے لیے اتارا گیا ہے آپ اس کی وضاحت کردیں۔''

اسی طرح رسول کریم ﷺ کے فرائض منصبی میں تعلیم کتاب بھی شامل ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَ یُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ''(۱۹)

''وہ (رسول اللہ ﷺ) انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔''

ان آیات سے واضح ہے کہ قرآن کریم کی تبیین اور تعلیم حضور اکرم ﷺ کے فرائض نبوت میں سے ہے۔ان چیزوں کی تفصیلات کو جاننے کا ذریعہ صرف اور صرف سنت نبوی ہی ہے یعنی سنت کو ماخذ ماننا دراصل قرآن کریم کی ہی تبیین وتعلیم کو ماخذ ماننے کا دوسرا نام ہے۔

قرآنی مراد کو سمجھنا بھی سنت کے بغیر ممکن نہیں ہے مثلاً قرآن کریم میں اقامت صلوٰۃ کا حکم دیا گیا۔اب صلوٰۃ کا لغوی معنی دعا مانگنا وغیرہ ہے۔حج کا لغوی معنی ارادہ اور قصد کرنا ہے لیکن سنت سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ ان احکامات سے اللہ تعالیٰ کی مراد کیا ہے اور حضور اکرم ﷺ نے نماز پڑھ کر فرمایا کہ جس طرح میں نے نماز پڑھی ہے تم بھی اسی طرح نماز پڑھا کرو۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''صلوا کما رایتمونی اصلی.'' (۲۰)

''نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھو۔''

سنت نبوی سے قرآن کریم کی تعلیم وتبیین جن پہلوؤں سے ہوئی ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

قرآن کریم کی جو آیات مجمل تھیں رسول کریم ﷺ نے ان کی تفصیل فرمائی یعنی جو احکام مجمل تھے ان کی تفصیل فرمائی۔ ان اعمال کی کیفیت، اسباب وشرائط اور لوازم وغیرہ کی وضاحت قرآن مجید میں مذکور نہیں تھی۔ آپ نے ان کی وضاحت فرمائی اور نماز، زکوٰۃ، حج وعمرہ وغیرہ کی جو تفصیلات سنت میں مذکور ہیں وہ سب قرآن کریم کے اجمال کی تفصیل ہیں۔

قرآن کریم کی توضیحات کی روشنی میں بہت سے پیش آنے والے واقعات کا حکم بیان فرمایا۔ مثلاً حلت وحرمت کے جو احکام قرآن کریم میں وضاحت سے بیان فرمائے گئے تھے ان کی روشنی میں مشکوک اور مشتبہ چیزوں کا حکم بیان فرمایا: قرآن کریم کی تصریحات کی روشنی میں ایسے اصول وقواعد بیان فرمائے جن سے نئے پیش آمدہ مسائل کو بیان کرنے میں مدد ملتی تھی۔ آپ ﷺ نے مشکل الفاظ کی وضاحت بھی فرمائی: ''**حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود**''(۲۱) کی تفسیر دن کی سفیدی اور رات کی تاریکی سے فرمائی اور ''**ولم یلبسوا ایمانهم بظلم**'' (۲۲) میں ظلم کی تفسیر شرک سے فرمائی۔

دراصل سنت قرآن مجید کا ہی بیان ہے اور سنت کے بغیر قرآن مجید کو سمجھنا ممکن ہی نہیں ہے اور قرآن مجید صرف لفظوں کا نام نہیں بلکہ لفظ اور معنی دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں صلوٰۃ کا حکم دیا گیا۔ لیکن اس حکم سے اللہ تعالیٰ کی مراد کیا ہے۔ اس کا پتہ لغت وغیرہ سے نہیں ملتا بلکہ اس کی مراد کو سنت میں ہی بیان فرمایا گیا ہے۔ اب اگر کوئی بندہ یہ کہے کہ میں صلوٰۃ کو مانتا ہوں لیکن نماز کو نہیں مانتا تو وہ صرف قرآن کریم کا انکار کرنے والا ہی متصور ہوگا کیونکہ قرآن مجید پر ایمان لانے کا مطلب اس کے الفاظ اور معانی دونوں پر ایمان لانا ہے اور معانی کا پتہ سنت سے ہی چلتا ہے۔

قرآن مجید میں حضور اکرم ﷺ کی اطاعت واتباع کا جو حکم دیا گیا اس پر سنت سے رہنمائی کے بغیر عمل ممکن نہیں ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا:

''**وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا**''(۲۳)

''رسول (کریم ﷺ) جو کچھ تمہیں دے وہ لے لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ۔''

یہی وجہ ہے کہ تمام صحابہ کرامؓ جمیع ائمہ اور علماء ومفسرین قرآن کریم کے بعد سنت کو دوسرا ماخذ تسلیم کرتے تھے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اس تناظر میں فرماتے ہیں:

"كان ابوبكر اذا ورد عليه الخصم نظر في كتاب الله فان وجد فيه مايقضي بينهم قضى به وان لم يكن في الكتاب و علم من رسول الله ﷺ في ذلك الامر سنة قضى بها فان اعياه خرج فسأل المسلمين وقال: اتاني كذا وكذا فهل علمتم اجتمع اليه النفر كلهم يذكر من رسول الله ﷺ فيه قضاء فيقول ابوبكر الحمد لله الذى جعل فينا من يحفظ على نبينا فان اعياه ان يجد فيه سنة من رسول الله ﷺ جمع رؤوس الناس وخيارهم فاتشارهم فاذا اجتمع رايهم على امر قضى به." (۲۴)

"حضرت ابوبکرؓ کا طریقہ یہ تھا کہ جب آپ کے پاس کوئی مقدمہ آتا ۔تو آپ پہلے اس کا حل کتاب اللہ میں تلاش کرتے ۔اگر وہاں اس کا حل موجود ہوتا تو اس کے مطابق فیصلہ کر دیتے اگر کتاب اللہ میں اس کا حل موجود نہ ہوتا اور نبی کریم ﷺ کی سنت میں اس کا حل پایا جاتا تو آپ اس کے مطابق فیصلہ فرماتے ۔اگر وہاں بھی اس کا حل نہ ملتا تو باہر نکلتے اور مسلمانوں سے دریافت کرتے کہ میرے پاس یہ مسئلہ آیا ہے کیا تمہیں معلوم ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کے معاملہ میں کوئی فیصلہ کیا ہو۔بسا اوقات ان کے پاس بہت سے لوگ جمع ہوجاتے اور سب رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کو نقل کرتے ۔حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے "سب حمد اللہ تعالیٰ کے لیے ہے کہ جس نے ہم میں ایسے لوگ پیدا فرمائے جو ہمارے نبی ﷺ کے ارشادات کو یاد رکھتے ہیں" اور اگر انہیں رسول کریم ﷺ کی حدیث بھی نہ ملتی تو کبار صحابہؓ کو جمع کرتے اور ان سے مشورہ کرتے ۔جب کسی معاملہ میں ان کا اتفاق رائے ہوجاتا تو اس کے مطابق فیصلہ فرماتے ۔"

اس سے واضح ہے کہ صحابہ کرامؓ کا طریقہ یہ تھا کہ وہ قرآن مجید کے بعد رسول اللہ ﷺ کی سنت کو ہی قانون کا ماخذ مانتے تھے اور وہ کسی بھی پیش آمدہ مسئلہ میں نبی کریم ﷺ کی سنت کو جاننے کے لیے بہت زیادہ کوشش فرماتے تھے اور یہ چیزیں عین سنت نبوی کے مطابق تھی کیونکہ جب حضور ﷺ نے حضرت معاذ ابن جبلؓ کو یمن کا قاضی بنا کے بھیجا تو آپ نے ان سے پوچھا کہ اے معاذ! تم فیصلہ کیسے کرو گے تو انہوں نے عرض کیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا ۔آپ نے فرمایا کہ اگر تو وہاں اس چیز کا حکم نہ پائے تو پھر کیسے فیصلہ کرو گے تو انہوں نے عرض کیا پھر میں آپ کی سنت سے فیصلہ کروں گا ۔آپ نے فرمایا اگر وہاں بھی نہ پائے کہ پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا ۔یہ بات سن کر نبی کریم ﷺ بہت خوش ہوئے اور آپ نے فرمایا:

"الحمد لله الذى وفق رسول رسول الله لما يرضى رسول الله." (۲۵)

"اس اللہ کی حمد ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کے قاصد کو وہ توفیق دی جس سے اللہ کا رسول راضی ہے ۔"

یہی وجہ ہے ائمہ فقہ بھی ہر حال میں کتاب اللہ کے بعد نبی کریم ﷺ کے فرمان کو حجت مانتے تھے اور کبھی بھی اپنی رائے کو حدیث پر ترجیح نہیں دیتے تھے۔ ان کا موقف یہ تھا:

''لاشك فيه ان الائمة الاربعة رحمهم اللّٰه نهوا عن تقليد في كل ماخالف كتابا او سنة كما نقله عنهم اصحابهم كما هو مقرر في كتب الحنفية عن أبي حنيفة و كتب الشافعية عن الشافعي القائل اذا الحديث فهو مذهبي و كتب المالكية و الحنابلة عن مالك واحمد رحمهم اللّٰه جمعيا۔''(۲۶)

''اس میں کوئی شک نہیں کہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کتاب وسنت کے خلاف اپنی تقلید سے منع کرتے تھے جیسا کہ ان کے اصحاب نے ان سے نقل کیا ہے جیسا کہ کتب حنفیہ میں امام ابوحنیفہؒ سے اور کتب شافعیہ میں امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ جب کوئی حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے کتب مالکیہ میں امام مالکؒ سے اور کتب حنابلہ میں امام احمد بن حنبل سے ایسا ہی مروی ہے۔''

بعض علماء کے نزدیک سنت لفظ حدیث کے مترادف ہے۔ حدیث اور سنت کے عام معنی کو دیکھتے ہوئے اس سے خاص ہے اس کے باوجود بعض علماء حدیث کے معنی یہی کرتے ہیں کہ ہر وہ قول، فعل اور تقریر جو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب ہو اس معنی میں لفظ حدیث لفظ سنت کے مترادف ہے اور یہ حدیث قولی و عملی دونوں تشریعی احکامات میں سے ہیں اس کی اطاعت کی جائے گی لہٰذا اس سے واضح ہوا کہ سنت نبویہ اور احادیث نبویہ ﷺ قرآن کریم کے بعد اسلامی قانون کا دوسرا ماخذ ہے۔

مبحث سوم
اجماع

لغوی وشرعی مفہوم:

اسلامی قانون کا تیسرا ماخذ اجماع ہے ۔یہ لفظ باب افعال کا مصدر ہے اس کا مادہ اصلیہ ج ۔م ۔ع ہے اس میں اکٹھا ہونے ،جمع ہونے اور یکجا ہونے کا مفہوم پایا جاتا ہے ۔

امام راغب اصفہانی اس کا لغوی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" جمع: الجمع ضم الشئ بتقريب بعضه من بعض. يقال جمعته فاجتمع." (۲۷)

''جمع کا معنی ایک چیز کو دوسری چیز کے قریب کر کے اس سے ملا دینا ۔کہا جاتا ہے میں نے اسے اکٹھا کیا پس وہ اکٹھا ہو گیا ۔''

اجمع القوم کا معنی ہے قوم کسی بات پر متفق ہوگئی ۔اللہ تعالی نے حضرت نوح علیہ السلام کا یہ قول بیان فرمایا کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا:

"فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَ شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً"(۲۸)

''تم اپنا متفقہ فیصلہ کر لو اور اپنے شریکوں کو بھی ساتھ لے لو پھر تمہیں اپنے فیصلہ میں کوئی شبہ نہ رہے ۔''

زوجین کی مقاربت کو جماع کیا جاتا ہے اور جمع الدجاجة کا مطلب ہے کہ مرغی نے پیٹ میں انڈے اکٹھے کر لیے جمع الله القلوب کا معنی ہے اللہ تعالی نے دلوں کو جوڑ دیا اور یہ لفظ عزم و ارادہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے ۔جمع امره کا مطلب ہے کہ اس نے کسی کام کا پختہ ارادہ کر لیا ۔لیکن شریعت اسلامیہ میں اجماع سے مراد مجتہدین کا کسی دینی معاملہ پر اتفاق کر لینا ہے ۔اجماع کی تعریف سید شریف جرجانی ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"الاجماع: في اللغة العزم و الاتفاق و في الاصطلاح اتفاق المجتهدين من امة محمد ﷺ في عصر على امر ديني." (۲۹)

"لغت میں اجماع سے مراد کسی چیز کا ارادہ کرنا یا کسی چیز پر متفق ہونا ہے اور اصطلاح میں کسی زمانہ میں نبی کریم ﷺ کی امت کے مجتہدین کا کسی دینی معاملہ میں اتفاق کرنا ہے۔"

حجیت اجماع:

اجماع کی حجیت کتاب وسنت سے ثابت ہے۔فقہاء نے بہت سی آیات سے اس پر استدلال کیا ہے۔

ایک مقام پر ارشاد باری تعالٰی ہے:

''وَ مَــــنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِــنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّم''(۳۰)

''جوشخص رسول (کریمﷺ) کی مخالفت کرے گااور مومنین کے راستہ کے سوا کسی اور راستہ پر چلے گا حالانکہ اس پر راہ واضح ہو چکی ہوتو ہم اسے اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں داخل کریں گے۔''

یہاں مومنین کے راستہ سے ہٹنے والے کوجہنم کی وعید سنائی گئی۔اگر اہل ایمان کا راستہ حجت نہ ہوتا تو اس سے انحراف جہنمی ہونے کا سبب نہ بنتا۔یہ آیت اجماع کی حجیت پر قطعی دلیل ہے۔

امام رازیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''روی ان الشافعی رضی اللّٰه عنه سئل عــــن آية فی کتاب اللّٰه تدل علی ان الاجماع حجة فقرأ القـــرآن ثلاث مائة مـــرة حتی وجد هــذه الآية.''(۳۱)

''مروی ہے کہ امام شافعیؒ سے سوال کیا گیا کہ ایسی کون سی آیت ہے جو اجماع کے حجت ہونے پر دلیل ہےتو انہوں نے تین سومرتبہ پورا قرآن مجید پڑھا۔پھرانہوں یہ آیت پائی۔''

یہ آیۃ کریمہ بھی اجماع کے حجت ہونے پر دلیل ہے:

''وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَـــدَآءَ عَلَى النَّاسِ'' (۳۲)

''اوراسی طرح ہم نے تمہیں امت وسط بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ''

اگر امت کے اصحاب حل عقد کا کسی بات پر اتفاق دلیل شرعی نہ ہوتا تو ان کی گواہی بےمقصد ہو جاتی۔

اسی طرح نبی کریمﷺ نے بھی متعدد مقامات پر اسی چیز کو بیان فرمایا،حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا:

''امتی لا تجتمع علی الضلالة فاذا رأيتم اختلافا فعليکم بالسواد الاعظم.'' (۳۳)

''میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔پس جب تم اختلاف دیکھوتو بڑی جماعت کی پیروی کولازم پکڑو''۔

حضرت ابو بصرہ غفاریؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ سے تین چیزوں کا سوال کیا۔ان میں سے مجھے دو چیزیں عطا فرمادیں گئیں اور ایک سے مجھے منع فرمادیا میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ میری امت گمراہی پر جمع نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ چیز عطا فرمادی۔میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ میری امت قحط سے ہلاک نہ ہو جیسے پہلی امتیں ہلاک ہوگئی تھیں۔اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ بھی عطا فرمادیا اور میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ میری امت مختلف فرقوں میں تقسیم نہ ہو جس کے نتیجہ میں بعض بعض سے لڑیں۔اللہ تعالیٰ نے مجھے اس دعا سے منع فرمادیا۔(۳۴)

حضور اکرم ﷺ نے ہمیشہ جماعت کو لازم پکڑنے کی تلقین فرمائی۔ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

"ید اللّٰہ علی الجماعۃ من شذ شذ فی النار" (۳۵)

''اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے جو جماعت سے الگ ہوا دوزخ میں جا گرا۔''

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں:

"ماراہ المسلمون حسنا فھو عند اللّٰہ حسن." (۳۶)

''جو چیز مسلمانوں کے نزدیک اچھی ہو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی پسندیدہ ہوتی ہے۔''

ان دلائل سے واضح ہے کہ اجماع اسلامی قانون کا ایک بنیادی ماخذ ہے۔

اجماع کی اقسام:

علماء اصول نے اجماع کی چار اقسام بیان کی ہیں۔پہلی قسم وہ ہے جس پر تمام صحابہ کرامؓ کا اجماع قولی طور پر ہو یہ قسم حکم میں کتاب اللہ کے حکم کے برابر ہے۔دوسری قسم جس پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہو لیکن بعض صحابہؓ نے قولی طور پر اس کی تصدیق کی ہو اور بعض نے اس معاملہ میں سکوت فرمایا ہو۔یہ قسم حکم میں خبر متواتر کے برابر ہوتی ہے۔تیسری قسم وہ ہے جس میں مابعد لوگوں کا اجماع ہو لیکن وہ اجماع اسلاف میں سے کسی کے قول پر نہ ہو یہ قسم حکم میں خبر مشہور کے حکم کے برابر ہے اور چوتھی قسم مابعد لوگوں کا اجماع ہو لیکن اسلاف میں سے کسی کے قول پر ہو۔یہ حکم خبر واحد کے قائم مقام ہوتی ہے اور اجماع عوام کا نہیں اصحاب اجتہاد و بصیرت کا معتبر ہوتا ہے۔(۳۷) تاہم صحابہ کرام کا اجماع خواہ قولی ہے یا عملی دونوں کو رد نہیں کیا جا سکتا۔

اجماع کی قیود و شرائط:

اہل سنت حضرات کے نزدیک کسی بھی زمانے کے مجتہدین کا کسی ایک بات پر اتفاق اجماع کہلاتا ہے۔البتہ امام مالکؒ صرف مدینہ منورہ کے مجتہدین کا اتفاق ہی اجماع سمجھتے ہیں اور اہل شیعہ کے نزدیک صرف وہی اجماع معتبر ہوتا ہے جو یا تو اہل بیت کی رائے سے حاصل ہوا ہو یا ائمہ مجتہدین کی اتفاق رائے میں کوئی امام معصوم بھی شریک ہو۔

اجماع کا تعلق فروعی مسائل سے ہوتا ہے اصول دین یعنی عقائد سے نہیں دیگر مسائل کو اجماع سے ثابت کرنے کے لیے یہ شرط ہے کہ ان کے متعلق کتاب وسنت میں کوئی واضح حکم موجود نہ ہو اور نہ ہی اس کے متعلق پہلے کسی دور میں اس پر کوئی اجماع ہوا ہو۔اجماع دراصل اسوقت نافذ العمل ہوگا کہ وہ باقاعدہ منعقد ہوا ہو۔احناف کے نزدیک اجماع کے منعقد ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس اجماع کے خلاف کسی صحابی کی رائے منقول نہ ہو۔یا کسی مجتہد نے اجماع منعقد ہونے سے پہلے اس کے خلاف رائے کا اظہار نہ کیا ہو۔وہ اجماع کسی نص قرآنی حدیث متواتر یا حدیث مشہور کے خلاف نہ ہو۔وہ اجماع باضابطہ طور پر منعقد ہوا ہو اور اجماع میں شریک مجتہدین میں سے کسی نے اپنی رائے بعد میں تبدیل نہ کرلی ہو۔

حجیت اجماع کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

''قاضی شریح کے متعلق منقول ہے کہ انہیں حضرت عمرؓ نے لکھا کہ اگر تیرے پاس کوئی قضیہ آئے اور کتاب اللہ میں اس کے متعلق کوئی حکم ہو تو اس کے مطابق فیصلہ کرنا اور ایسا نہ ہو کہ لوگ تجھے کتاب اللہ سے باز رکھیں اور اگر ایسا قضیہ آئے جس کا حکم کتاب اللہ میں موجود نہ ہو تو حدیث رسول ﷺ کے مطابق فیصلہ کرو اور اگر ایسا قضیہ آئے جس کا حکم نہ کتاب اللہ میں ہے نہ سنت رسول ﷺ میں تو جس پر لوگوں کا اتفاق ہے اس کو دیکھو اور اس کے مطابق فیصلہ کرو......حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: ''ہم پر ایسا زمانہ گزر چکا ہے کہ ہم فتویٰ نہیں دیتے تھے اور نہ ہی ہم اس قابل تھے اور اللہ نے یہ بات مقدر کردی کہ ہمیں اس مقام پر پہنچا دیا یا جس کو تم دیکھ رہے ہو پس جس کو آج کے بعد کوئی قضیہ پیش آئے تو اسے چاہیے کہ جو کتاب اللہ میں ہے اس کے مطابق فیصلہ کرے۔اگر اس کے مطابق ایسا فیصلہ آئے جس کا حکم کتاب اللہ میں موجود نہیں ہے تو اسے چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں کے مطابق فیصلہ دے اور اگر اس کے پاس وہ قضیہ آئے جس کے متعلق کتاب وسنت میں کچھ موجود نہیں ہے تو پھر صالحین کے فیصلوں کے مطابق فیصلہ دے۔''(۳۸)

اس سے واضح ہوا کہ کتاب وسنت کے بعد اجماع حجت شرعی ہے اور یہ اسلامی قانون کا تیسرا ماخذ ہے۔

مبحث چہارم
قیاس

لغوی واصطلاحی مفہوم:

قیاس اسلامی قانون کا چوتھا ماخذ ہے۔اس کا مادہ اصلیہ۔ق۔ی۔س ہے اس میں کسی چیز کا اندازہ کرنے یا مطابق ومساوی کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ قایس الشیئ قیاسا و مقایسة ۔کا مطلب ہے کہ اس نے ایک چیز کا اندازہ لگایا، اسکی ناپ تول کی یا اس کی پیائش کی ۔قایس الشیء بکذا والی کذا کا معنی ہے اس نے ایک چیز کو دوسری چیز کے مطابق حیثیت دی۔علم منطق میں قیاس سے مراد ایسا قول ہے جو دو یا دو سے زیادہ ایسے قضیوں سے مرکب ہو کہ اسے تسلیم کرنے سے ایک اور قول کو تسلیم کرنا ضروری ہو جائے ۔جیسے کہا جائے کل انسان ناطق وزید انسان کہ ہر انسان ناطق ہے اور زید انسان ہے تو اس سے ایک تیسری بات کو ماننا ضروری ہوگا کہ زید ناطق ہے اور علم فقہ میں قیاس سے مراد ایک مشترک علت کی بنا پر ایک چیز کا حکم دوسری چیز پر لگا دینا ہے ۔جیسے شراب حرام ہے کیونکہ وہ نشہ آور ہے۔اب جب نشہ کی یہی علت افیون میں پائی گئی تو شراب والا حکم افیون پر بھی لگا دیا گیا۔اس عمل کو قیاس کہا جاتا ہے۔

قیاس کی اصطلاحی تعریف یوں کی گئی ہے:

”القیاس، وھو تعدیة الحکم من الاصل الی الفرع بعلة متحدة لاتدرك بمجرد اللغة." (٣٩)

’’قیاس سے مراد متحد علت کی بنا پر اصل کا حکم فرع پر لگا دینا ہے۔جسے محض لغت سے سمجھا نہیں جاسکتا۔‘‘

یعنی قیاس اصل اور فرع کو ایک حکم میں جمع کرنا ہے۔

حجیت قیاس:

قیاس کا اسلامی قانون کا ماخذ ہونا قرآن وسنت، طریق صحابہ اور عمل امت سے ثابت ہے۔قرآن کریم جن آیات سے حجیت قیاس پر استدلال کیا گیا ہے۔ان میں سے ایک آیۃ کریمہ ہے:

”فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ“ (٤٠)

’’اے آنکھ والو عبرت حاصل کرو‘‘

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اعتبار کرنے کا حکم دیا ہے اور اعتبار کا مطلب ہے کسی چیز کو اس کی نظیر کی طرف لوٹانا۔ جو حکم اصل شی کے لیے ثابت ہو وہی حکم اس کی نظیر یا فرع کی طرف لوٹانا۔ اس آیت میں مسلمانوں کو عبرت پکڑنے کا حکم دیا گیا یعنی جس کام کے سبب کفار پر عذاب نازل ہوا تم وہ کام نہ کرنا ورنہ تم پر بھی وہی عذاب نازل ہوگا اور اسی کو قیاس کہا جاتا ہے کہ اشتراک علت کے سبب اصل کا حکم فرع پر لگا دیا جائے۔ اس آیت کی تفسیر میں امام بیضاوی فرماتے ہیں:

"واستدلال به على ان القياس حجة من حيث انه امر بالمجاوزة من حال الى حال و حملها عليها فى حكم لما بينهما من المشاركة له على ما قررناه فى الكتب الاصولية." (۴۱)

اس آیت سے قیاس کی حجیت پر قیاس کیا گیا ہے کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ نے مشترک علت کی بنا پر ایک چیز کا حکم دوسری چیز پر لگانے کا حکم دیا ہے اور یہی قیاس ہے جیسا کہ ہم نے کتب اصول میں واضح کیا ہے اور آپ نے خود مشترک علت کی بنا پر ایک چیز کا حکم دوسری چیز پر لگایا۔ ایک مرتبہ ایک آدمی حضور اکرم ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا:

"ان امى ماتت وعليها صوم شهر افاقضيه عنها فقال لو كان على امك ديناً كنت قاضيه عنها قال نعم قال فدين الله احق ان يقضى." (۴۲)

''کہ میری والدہ فوت ہوگئی اور اس پر ایک مہینہ کے روزے باقی تھے کیا میں اس کی طرف سے قضا کروں۔ آپ نے فرمایا اگر تیری والدہ پر کسی کا قرض باقی ہوتا تو کیا تو ادا کرتا۔ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا قرض زیادہ حق دار ہے کہ اسے ادا کیا جائے۔''

یہاں آپ نے مشترک علت کی بنا پر ایک چیز کا حکم دوسری چیز پر لگایا یہی قیاس ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی یا رسول اللہ ﷺ میری ماں نے نذر مانی تھی کہ وہ حج کرے گی اور حج کرنے سے پہلے ہی فوت ہوگئی تو کیا میں اس کی طرف سے حج کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"نعم حجى عنها ارأيت لو كان على امک دين اكنت قاضيتيه قالت نعم فقال اقضوا الله الذى له فان الله احق بالوفاء" (۴۳)

''ہاں تو اس کی طرف سے حج کر۔ تیرا کیا خیال ہے اگر تیری والدہ پر کسی کا قرض ہوتا تو کیا تو ادا

کرتی اس نے کہاہاں، آپ نے فرمایا: اللہ کا قرض ادا کر کیونکہ وہ ادا کرنے کا زیادہ حق دار ہے۔''

حضرت معاذ بن جبلؓ والی روایت پہلی گزر چکی ہے کہ انہوں نے حضورﷺ سے عرض کیا کہ جب میں کتاب وسنت میں کسی مسئلہ کا حل نہ پاؤں گا تو میں اجتہاد کروں گا تو حضورﷺ نے ان کی تحسین فرمائی۔

جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ایسی عورت کے متعلق سوال کیا گیا جس کا مہر مقرر نہیں ہوا تھا اور اس کا خاوند مقاربت سے پہلے فوت ہوگیا تھا۔تو آپ نے ایک مہینہ کی مہلت مانگی اور فرمایا کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں اگر درست ہوا تو اللہ کی طرف سے اور اگر غلط ہوا میری طرف سے اور پھر فرمایا کہ اس کو مہر مثل دیا جائے۔(۴۴)

قرآن وسنت اور عمل صحابہ کے ان دلائل سے واضح ہے کہ قیاس بھی دلیل شرعی ہے۔

ارکان قیاس:

قیاس کے چار ارکان ہیں۔**مقیس**، جسے قیاس کیا جائے، **مقیس علیه** جس پر قیاس کیا جائے، **علت**۔ جس وجہ سے قیاس کیا جائے اور حکم۔اس سے مراد وہ چیز ہے جو قیاس سے ثابت ہو۔مثلاً شراب حرام ہے کیونکہ یہ نشہ آور ہے۔اب یہی نشہ کی علت افیون میں پائی گئی تو اس پر بھی حرام ہونے کا حکم لگ گیا۔اس مثال میں نشہ کی وجہ سے افیون کو شراب پر قیاس کرتے ہوئے اس پر حرمت کا حکم لگایا گیا۔یہاں افیون مقیس ہے اسے فرع بھی کہا جاتا ہے شراب مقیس علیہ ہے اسے اصل بھی کہا جاتا ہے۔علت نشہ ہے اور حکم حرام ہوتا ہے۔اس طرح قیاس چار ارکان سے مرکب ہوتا ہے۔

شرائط قیاس:

علمائے اصول نے قیاس کے درست ہونے کے لیے پانچ شرائط کا پایا جانا شرط قرار دیا ہے:

پہلی شرط یہ ہے کہ قیاس نص کے مقابلہ میں نہ ہو مثلاً نماز میں قہقہہ لگانے سے وضو کا ٹوٹنا۔نص سے ثابت ہے۔ایک مرتبہ جب ایک اعرابی نبی کریمﷺ کے پاس حاضر ہوئے ان کی آنکھ میں کچھ خرابی تھی اور انہیں صحیح نظر نہیں آتا تھا۔وہ ایک گڑھے میں گر پڑے۔اس موقع پر نماز ہو رہی تھی بعض صحابہؓ انہیں اس طرح دیکھ کر نماز میں ہی ہنس پڑے نماز سے فارغ ہو کر حضور اکرمﷺ نے فرمایا تم میں سے جو ہنسا ہے۔وہ اپنی نماز بھی لوٹائے اور وضو بھی (۴۵)۔اگرچہ یہ حکم بظاہر خلاف قیاس ہے کیونکہ وضو تو بدن سے نجاست نکلنے سے فاسد ہوتا ہے۔اب اس پر کسی اور چیز کو قیاس نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ حکم نص پر مبنی ہے۔اس پر قیاس کرنا قیاس کو نص کے مقابلہ میں

لانا ہے جو جائز نہیں ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ قیاس سے نص کا حکم نہ بدلے مثلاً تیمم میں نیت کرنا ضروری ہے کیونکہ اس کا معنی ہی ارادہ کرنا ہے لیکن وضو میں نیت کرنا ضروری نہیں بلکہ اعضاء کا دھونا ہے۔اب اگر کوئی یہ کہے کہ وضو اور تیمم دونوں کی علت پاکیزگی کا حاصل کرنا ہے اس لیے جس طرح تیمم میں نیت کرنا ضروری ہے اس طرح وضو میں بھی نیت کرنا ضروری ہوگا تو یہ نص کے حکم کو بدلنا ہوگا جو جائز نہیں ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ قیاس ایسا نہ ہو جس میں حکم کی علت ہی سمجھ میں نہ آ سکے۔مثلاً یہ چیز حدیث پاک سے ثابت ہے کہ نبیذ سے وضو جائز ہے اگر چہ یہ خلاف قیاس ہے۔مگر حدیث کے حکم میں جو مخفی علت ہے۔عقل انسانی اس کا ادراک نہیں کرسکتی۔اب اس پر قیاس کر کے کھجوروں کی طرح باقی اشیاء کے نچوڑے ہوئے پانی سے وضو کرنا جائز نہ ہوگا۔اس لیے کہ یہ قیاس اس حکم پر ہے جس کی علت سمجھی ہی نہیں جاسکتی۔

قیاس کے معتبر ہونے کے لیے چوتھی شرط یہ ہے کہ حکم کی علت کا دار و مدار امر لغوی پر نہ ہو بلکہ امر شرعی پر ہو مثلاً انگوروں کا پکایا ہوا شیرہ خمر کہلاتا ہے اس کا حرام ہونا۔قرآن مجید کی نص سے ثابت ہے۔خمر کا لغوی معنی کسی چیز کو ڈھانپنا یا اس پر پردہ ڈالنا ہے۔خمر کے ان لغوی معانی کے پیش نظر ہر وہ چیز جو بھی عقل کو زائل کردے۔خمر کی طرح حرام ہونی چاہیے تو ایسا قیاس کرنا جائز نہیں اس لیے کہ اس میں علت کا دار و مدار امر شرعی پر نہیں امر لغوی پر ہے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ فرع کا حکم قرآن وحدیث میں موجود نہ ہو۔مثلاً قتل سہو کا کفارہ مومن غلام کو آزاد کرنا ہے اب اس پر قیاس کرتے ہوئے ظہار اور قسم وغیرہ کے کفارہ میں بھی غلام کے مومن ہونے کی قید لگانا جائز نہیں ہوگا۔اس لیے کہ ظہار کے کفارہ میں کافر غلام آزاد کرنا نص قرآنی سے ثابت ہے۔(۴۶)

قیاس کے معتبر ہونے کے لیے ان پانچ شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔اگر ان میں سے ایک شرط بھی مفقود ہو تو قیاس درست نہیں ہوگا۔

قیاس کا فلسفہ:

قرآن وسنت میں اصول وکلیات کو بیان کر دیا گیا اور بہت سی جزئیات کو بھی بیان کیا گیا لیکن یہ چیز عملی طور پر ممکن نہیں کہ قیامت تک پیش آنے والے ہر مسئلہ کو وضاحت سے بیان کیا جاتا اسکے حل کے لیے اور ان مسائل میں اللہ تعالیٰ کی رضا پانے کے لیے شریعت میں قیاس کو شروع کیا گیا۔اس کا فلسفہ احکام الٰہی سے فرار نہیں بلکہ ان کی تعمیل ہے۔

موفق الدین مکی نے زہیر بن معاویہ سے نقل کیا ہے کہ:

''ایک دن امام ابوحنیفہؒ اور رابیض بن اغر کسی قیاسی مسئلہ پر بحث کر رہے تھے کہ مسجد کے ایک کونے سے ایک شخص نے جو میرے خیال میں مدینے کا رہنے والا تھا آواز بلند کہا یہ کیا قیاس آرئیاں ہو رہی ہیں؟ سب سے پہلے قیاس ابلیس نے کیا تھا۔امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: تیری یہ بات بے موقع اور بے محل ہے۔ابلیس نے قیاس کے ذریعے اللہ تعالٰی کا حکم رد کردیا تھا اور ہم غیر منصوص مسئلہ کو قرآن و سنت اور اجماع امت میں سے کسی اصل پر قیاس کرتے ہیں اور اتباع کے لیے اجتہاد کرتے ہیں تو ہمارے اور ابلیس کے درمیان کیا مناسبت ہے۔یہ جواب سن کر اس شخص نے کہا اللہ آپ کے دل کو نور سے بھر دے جس طرح آپ نے میرے دل کو نور سے منور کردیا ہے یعنی شکوک وشبہات کا ازالہ کردیا۔''(۴۷)

لھذا قیاس قانون کے استنباط کا ایک مرکزی ذریعہ اور فقہ اسلامی کا چوتھا ماخذ ہے۔

مبحث پنجم

فقہ کے ثانوی مأخذ

قرآن، سنت، اجماع اور قیاس کے علاوہ فقہ کے کچھ اور ماخذ بھی ہیں جنہیں ثانوی ماخذ بھی کہا جاسکتا ہے۔ کتب اصول فقہ میں ان کی تفصیلات درج ہیں۔ یہاں صرف تکمیل بحث کے لیے ان کی تعریفات اور خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

استحسان:

استحسان کا لغوی معنی ''ترجیح دینا'' یا دو متبادل چیزوں میں سے کسی ایک کو پسندیدہ قرار دینا ہے اور اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ ایسا حکم جو کسی نص کے خلاف ہو یا وہ لوگوں کے عام معمول کے خلاف ہو اور اس پر عمل کرنا لوگوں کے لیے مشقت اور دشواری کا سبب ہو تو مجتہد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس حکم کو چھوڑ کر دوسرا ایسا حکم نافذ کردے جو اس قیاس کے تو خلاف ہو لیکن اس میں لوگوں کے لیے آسانی اور سہولت ہو اور وہ حکم شریعت کے منافی بھی نہ ہو۔ احناف کے نزدیک ایسا عمل استحسان کہلاتا ہے۔

امام مالک اور امام احمد بن حنبل نے بھی اسے کسی نہ کسی طرح تسلیم کیا ہے لیکن امام شافعی اسے نہیں مانتے۔ اس کے نزدیک استحسان کے مطابق فتویٰ دینے والا نئی شریعت نکالنے والا ہے۔ لیکن احناف اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ استحسان دراصل قیاس ہی ہے کیونکہ قیاس کے دو قسمیں ہیں:

۱- قیاس جلی ۲- قیاس خفی

استحسان کا تعلق قیاس خفی سے ہے اور یہ وہ قیاس ہے جس کی علت ایک ایسی دلیل ہوتی ہے جو مجتہد کے دل پر نقش تو ہو جاتی ہے لیکن وہ اسے لفظوں میں بیان نہیں کرسکتا۔ یہ بھی بنیادی ماخذ فقہ کے خلاف نہیں ہے بلکہ عام اصول وقواعد کے تحت ہے۔ اس کا مقصد لوگوں کو مشقت سے بچانا اور شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے ان کے لیے آسانی پیدا کرنا ہے۔ مثلاً اسلامی قانون کی رو سے بیع کے وقت مبیع کا سامنے ہونا ضروری ہے۔ اس پر قیاس کرتے ہوئے ایسی اشیاء کی خرید وفروخت جو فی الوقت موجود نہیں بلکہ وہ معاہدہ بیع کے مطابق تیار ہونے کے بعد خریدار کے سپرد کی جائیں گی۔ درست نہیں ہونی چاہیے۔ لیکن اصول استحسان کی رو سے ایسی بیع کو جائز قرار دیا گیا ہے لیکن عام معمول یہی ہے اور ضروریات کی تکمیل کا اس پر دارومدار ہے۔

استصلاح یا مصالح مرسلہ:

فقہاء کے نزدیک صرف ضرورت اور مصلحت کو بنیاد بنا کر مسائل کا استنباط کرنا استصلاح یا مصالح مرسلہ کہلاتا ہے۔ امام شافعیؒ اگرچہ استحسان کو تو نہیں مانتے لیکن وہ استصلاح یا مصالح مرسلہ کو قانون کا ماخذ تسلیم کرتے ہیں اور ان

سے مراد تقریباً ایک ہی چیز ہے ۔اس کی تعریف امام غزالی ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"انما المحافظة علی مقصود الشرع" (۴۸)

''یہ مقصود شرع کی محافظت ہے۔''

اس سے مراد ایسا اصول ہے جو مفاد عامہ کا حامل بھی ہو اور منشاء شریعت کے مطابق بھی ۔اس کے منعقد ہونے کے لیے تین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

۱- اس مسئلہ کا تعلق عبادات سے نہ ہو ۔ بلکہ اس کا تعلق امور دنیا سے ہو جس میں غور و فکر کر کے مصلحت کا تعین کیا جائے ۔

۲- مصلحت عامہ کا تعلق تعیّشات حیات سے نہ ہو بلکہ ضرو یات زندگی سے ہو۔ضروریات سے حسب ذیل چیزوں کی حفاظت مقصود ہے ۔

۱۔مذہب ۲۔ جان ۳۔ مال ۴۔ نسل ۵۔ عقل

مثلاً اگر جنگ میں کافر مسلمان قیدیوں کو ڈھال بنالیں اور اگر ان قیدیوں پر حملہ نہ کیا جائے تو کفار کو شکست دینا ممکن نہ ہو تو باوجود اس کے بے گناہ انسان کا قتل حرام ہے لیکن اس صورت میں ان قیدیوں کا قتل کرنا جائز ہوگا ۔ایسے ہی فوجی اخراجات اور ملکی تحفظ کے لیے مالداروں پر ٹیکس لگانا بھی جائز ہوگا ۔کیونکہ اس میں مصلحت عامہ مضمر ہے ۔

تعامل:

اس سے مراد نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرامؓ کا عمل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کی صحبت کا شرف ان حضرات کو حاصل ہوا۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی تمام زندگی کو بڑے قریب سے دیکھا اور دین صحابہ کرام کی وساطت سے ہی بعدوالوں تک پہنچا اس لیے ان کا عمل بھی شریعت وقانون کا ایک ماخذ ہے اور خود نبی کریم ﷺ نے بھی صحابہ کی پیروی کا حکم دیا۔ آپ نے فرمایا:

"علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهديين."(۴۹)

''تم پر میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا لازم ہے ۔''

حضرت ابن مسعودؓ نے ایک موقع پر فرمایا:

"من كان مستنا فليستن بمن قدمات . فان الحي لا تومن علیه الفتنة اولئك اصحاب محمد ﷺ كانوا افضل هذه الامة ابرها قلوبا و اعمقها علما و اقلها تكلفاً اختارهم الله

لصحبة نبيه والا قامة دينه فاعرفوالهم فضلهم واتبعوهم على اثرهم وتمسكوا بما استطعتم من اخلاقهم وسيرهم فانهم كانوا على الهدى المستقيم.''(۵۰)

جو کسی طریقہ کو اپنانا چاہے اسے چاہیے کہ اس کے طریقے کو اپنائے جس کا انتقال ہو گیا کیونکہ زندہ فتنہ سے امن میں نہیں ہوتا اور وہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ تھے۔ جو اس امت میں سب سے افضل تھے۔ جن کے دل سب سے بڑھ کر نیک تھے۔ ان کا علم سب سے زیادہ گہرا تھا۔ وہ تکلف میں سب سے کم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی ﷺ کی صحبت اور اپنے دین کی اقامت کے لیے چن لیا۔ پس ان کی فضیلت کو پہچانو ان کے آثار کی پیروی کرو۔ ان کے اخلاق اور سیرت کو حتی الامکان اپناؤ کیونکہ وہ سیدھے راستے پر گامزن تھے۔''

اس لیے فقہاء نے تعامل کو بھی قانون کا ماخذ قرار دیا ہے۔

شرائع ماقبل:

ماقبل شریعتیں بھی اسلامی قانون کا ایک ماخذ ہیں کیونکہ تمام انبیاء کرام ایک ہی منبع ہدایت کے پیغام ہدایت کو اس کے بندوں تک پہنچانے کے لیے آئے۔ اگر سابقہ شریعت کے کسی حکم کو بیان کر کے اس کی تردید نہ کر دی جائے تو وہی حکم شریعت اسلامی میں بھی قابل قبول عمل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود ماقبل شریعتوں کے غیر متبدل احکامات کو اپنانے کا حکم دیتے ہو فرمایا:

''أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ'' (۵۱)

''یہی لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت بخشی پس تم ان کی پیروی کرو۔''

یہاں ھدی کی تشریح میں فقہاء کہتے ہیں:

''والھدی اسم للایمان والشرائع جمیعا لان الاھتداء یقع بالکل فیجب علیه اتباع شرعھم.'' (۵۲)

''ہدی، ایمان اور شرائع سب کو شامل ہے کیونکہ ہدایت پانے کا تعلق سب سے ہے اس لیے ان انبیاء کی شریعت کا اتباع واجب ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کا طریقہ مبارک یہ تھا کہ جب تک کسی مسئلہ میں کوئی حکم نازل نہ ہوتا تھا تو آپ شرائع سابقہ کو پسند فرماتے تھے۔

پہلی شریعتوں کے وہ احکامات جو اصول اسلام کے منافی نہیں ہیں وہ بھی اسلامی قانون کا ماخذ ہیں۔

عرف ورواج:

عرف و رواج بھی اسلامی قانون کا ماخذ ہے۔ معاشرہ میں جو رسم و رواج مروّج ہوں اگر وہ اسلامی مزاج کے منافی نہ ہوں تو وہ بھی اسلامی قانون میں ایک اہمیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عرف کو اپنانے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

''خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ''(۵۳)

''عفو سے کام لیجئے اور عرف کے مطابق حکم دیجئے اور جاہلوں سے اعراض کیجئے''

قرآن کریم نے قصاص ودیت، نکاح کے معاملات، باہم گفتگو اور حقوق زوجین وغیرھم میں معروف کی پابندی کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ فقہاء عرف کی اہمیت واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''الثابت بالعرف کا الثابت بالنص.'' (۵۴)

''عرف سے ثابت شدہ چیز نص سے ثابت شدہ چیز کی طرح ہوتی ہے۔''

عرف کا احاطہ ممکن نہیں ہے اور وقت کے بدلنے سے عرف بھی بدل جاتا ہے۔ مثلاً متقدمین کے نزدیک امامت واذان کی اجرت ممنوع تھی لیکن اب یہ جائز ہے۔ عہد نبوت میں عورتوں کا مساجد میں جانا جائز تھا لیکن اب جائز نہیں ہے۔

بہر کیف عرف و رواج بھی اسلامی قانون کا ایک ماخذ ہے۔

اسلامی قانون کے ان مآخذ کی روشنی میں حقوق الرسول ﷺ کا اثبات اور ان پر فقہاء کی آراء کا مفصل تذکرہ تو۔ ان شاء اللہ۔ آئندہ ابواب میں کیا جائے گا۔ سر دست دیگر مذاہب میں رسول ﷺ اور بانیان مذہب کے حقوق کا ایک مختصر جائزہ ملاحظہ ہو۔

فصل دوم
دیگر مذاہب میں رسل عظام علیہم السلام
اور بانیان مذہب کے حقوق

مبحث اوّل
یہودیت میں حقوقِ رسالت ؐ
کا تصوّر

اسلام میں نبی کریم ﷺ کے جن حقوق کا تذکرہ ہے وہ کوئی اچھوتی یا انہونی بات نہیں ہر مذہب میں اپنے بانی یا پیغمبر کے حقوق کا تصور بڑی شدت سے موجود ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ مذہبی عقیدتیں بڑی نازک اور شدید ہوتی ہیں۔ اگر ایک موحد اللہ تعالیٰ سے ہر چیز سے بڑھ کر محبت کرتا ہے تو ایک مشرک بھی اپنے بتوں سے ایسی ہی محبت کا اظہار کرتا ہے۔مذہب الہامی ہو یا غیر الہامی ہر ایک میں اپنے رسل کرام اور بانیاں مذہب کے حقوق کا تصور بڑی وضاحت سے موجود ہے۔یہ الگ بات ہے کہ ان لوگوں نے اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا اور افراط وتفریط کا شکار ہو گئے جبکہ اسلام کا طرۂ امتیاز ہی اعتدال ہے۔اس لیے اس میں حقوق الرسول ﷺ کے معاملہ میں اعتدال صاف اور واضح طور پر جھلکتا نظر آتا ہے۔تاہم ہر مذہب میں اپنے رسول یا بانی کے حقوق پائے جاتے ہیں۔

یہودیت میں اگرچہ اس معاملہ میں غلو نظر آتا ہے کہ انہوں نے اپنے پیغمبر کے حقوق میں حد سے تجاوز کیا۔ بجائے اس کے لئے کہ وہ یہ کہتے کہ پیغمبر اللہ تعالیٰ کا سب سے مقرب انسان اور رب سے بڑا محبوب ہوتا ہے اس لیے اس کا احترام بجالانا اور اس کی تکریم کرنا اس کا حق ہے۔انہوں نے حضرت عزیز علیہ السلام کو ابن اللہ یعنی اللہ کا بیٹا کہنا شروع کر دیا اور اس کے بالکل متضاد متعدد انبیاء کرام پر بے جا الزامات لگا کے ان کے حقوق کو غصب کیا۔اس تناظر میں مولانا مودودی لکھتے ہیں:

''یہود کے متعلق معلوم ہے کہ انہوں نے خود اپنی قوم کے انبیاء پر ناپاک الزامات لگائے اور ان کی سیرتوں کو داغ دار کرنے میں کوئی تامل نہیں کیا ہے۔حضرت نوحؑ ،حضرت ابراہیمؑ ،حضرت لوطؑ ،حضرت اسحاقؑ ،حضرت یعقوبؑ ،حضرت یوسفؑ ،حضرت موسیٰؑ ،حضرت ہارونؑ ،غرض کوئی بھی ان کی بدگوئیوں سے نہ بچ سکا لیکن سب سے زیادہ ظلم انہوں نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام پر کیا کہ ان کو انبیاء کی صف سے نکال کر معمولی بادشاہوں کی صف میں اتار لائے۔(۵۵)

یہودی مذہب میں پیغمبرؑ کا حق تھا کہ اس کی تعظیم وتوقیر بجالائی جائے۔پیغمبر کو اذیت دینے والا اللہ تعالیٰ کے غضب کا مستحق قرار پاتا تھا۔

> حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب قارون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت بہت ناگوار گزرنے لگی تو ایک دن اس نے ایک پیشہ ور عورت کو کچھ روپے دے کر اس پر آمادہ کر لیا کہ جس وقت حضرت موسیٰؑ پند ونصیحت میں مصروف ہوں اس وقت تو ان پر الزام لگانا کہ یہ شخص مجھ سے تعلق رکھتا ہے چنانچہ دوسرے دن حضرت موسیٰؑ وعظ فرما رہے تھے تو اس عورت نے حضرت موسیٰؑ پر الزام

لگایا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ سن کر سجدہ میں گر پڑے اور پھر سر اٹھا کر عورت کی جانب متوجہ ہوئے کہ تو نے جو کچھ ابھی کہا تھا خدا کی قسم کھا کر کہہ سکتی ہے کہ یہ سچ ہے؟ یہ سن کر عورت پر غشی طاری ہو گیا اور اس نے کہا بخدا سچ بات یہ ہے کہ قارون نے مجھے پیسے دے کر اس الزام پر آمادہ کیا تھا ورنہ تو آپ اس سے بری اور پاک ہیں۔تب حضرت موسیٰؑ نے قارون کے لیے بددعا کی اور وہ خدا کے حکم سے مع سازو سامان زمین میں دھنسا دیا گیا۔''(۵۶)

اسی طرح یہودی مذہب میں پیغمبر کی تعظیم وتکریم بجالانا اس کا حق تھا اور پیغمبر کی توہین کا مرتکب واجب القتل تھا۔مسیحیت کے ایک مبلغ سِتِفَنُس پر یہودیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توہین کا الزام لگایا اور اسی جرم کی پاداش میں اسے سرِ عام سنگسار کیا بائبل کی کتاب ''رسولوں کے اعمال'' میں یہ واقعہ مکمل تفصیلات کے ساتھ درج ہے۔اس کے چند ضروری مقامات ملاحظہ ہوں:

اور ستفنس فضل اور قوت سے بھرا ہوا تھا۔لوگوں میں بڑے بڑے عجیب کام اور نشان ظاہر کیا کرتا تھا کہ اس عبادت خانہ سے جو لبرتینوں کا کہلاتا تھا اور کرینیوں اور اسکندریوں اور ان میں سے جو کلکیہ اور آسیہ کے تھے بعض لوگ اٹھ کر ستفنس سے بحث کرنے لگے۔مگر وہ اس دانائی اور روح کا جس سے وہ کلام کرتا تھا مقابلہ نہ کر سکے۔اس پر انہوں نے بعض آدمیوں کو سکھا کر کہلوا دیا کہ ہم نے اس کو موسیٰ اور خدا کے برخلاف کفر کی باتیں کرتا سنا۔پھر وہ عوام اور بزرگوں اور فقیہوں کو ابھار کر اس پر چڑھ گئے اور پکڑ کر صدر عدالت میں لے گئے اور جھوٹے گواہ کھڑے کیے جنہوں نے کہا کہ یہ شخص اس پاک مقام اور شریعت کے برخلاف بولنے سے بعض نہیں آتا کیونکہ ہم نے اسے یہ کہتے سنا کہ وہی یسوع ناصری اس مقام کو برباد کر دے گا اور ان رسموں کو بدل ڈالے گا۔جو موسیٰ نے ہمیں سونپی ہیں اور ان سب نے جو عدالت میں بیٹھے تھے اس پر غور سے نظر کی اور دیکھا کہ اس کا چہرہ فرشتہ کا سا ہے۔

''......مگر انہوں نے بڑے زور سے چلا کر اپنے کان بند کر لیے اور ایک دل ہو کر اس پر جھپٹے اور شہر سے باہر نکال کر اس کو سنگسار کرنے لگے اور گواہوں نے اپنے کپڑے ساؤل نام ایک جوان کے پاؤں کے پاس رکھ دیئے۔پس یہ ستفنس کو سنگسار کرتے رہے اور وہ یہ کہہ کر دعا کرتا رہا کہ اے خداوند یسوع! میری روح کو قبول کر۔''(۵۷)

یہودی مذہب میں تو پیغمبر کا یہ حق بھی تھا کہ اس کی تعلیم کے خلاف بات کرنے والا بھی مستوجب سزا تھا۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کے ایک اور حواری پولس کو بھی مذہب اور شریعت کی مخالفت کرنے پر قتل کر دینے کا مطالبہ کیا تھا اس پر الزام یہ تھا کہ اس نے ہیکل کی توہین کی ہے اور وہ لوگوں کو یہودیت کے خلاف تعلیم دیتا تھا۔

کتاب ''اعمال'' کی یہ آیات ملاحظہ ہوں:

''جب وہ سات دن پورے ہونے کو تھے تو آسیہ کے یہودیوں نے اسے ہیکل میں دیکھ کر سب لوگوں میں ہلچل مچائی اور یوں چلا کر اس کو پکڑ لیا۔ کہ اے اسرائیلیو! مدد کرو یہ وہی آدمی ہے جو ہر جگہ سب آدمیوں کو امت اور شریعت اور اس مقام کے خلاف تعلیم دیتا ہے بلکہ اس نے یونانیوں کو بھی ہیکل میں لا کر اس پاک مقام کو ناپاک کیا ہے کیونکہ انہوں نے اس سے پہلے ترفمس افسی کو اس کے ساتھ شہر میں دیکھا تھا۔ اسی کی بابت انہوں نے خیال کیا کہ پولس اسے ہیکل میں لے آیا ہے اور تمام شہر میں ہلچل پڑ گئی اور لوگ دوڑ کر جمع ہوئے اور پولس کو پکڑ کر ہیکل سے باہر گھسیٹ کر لے گئے اور فوراً دروازے بند کر لیے گئے۔ جب وہ اسے قتل کرنا چاہتے تھے تو اوپر پلٹن کے سردار کے پاس خبر پہنچی کہ تمام یروشلم میں کھلبلی پڑ گئی ہے۔ وہ اسی دم سپاہیوں اور صوبہ داروں کو لے کر ان کے پاس پہنچے دوڑا آیا اور وہ پلٹن کے سردار اور سپاہیوں کو دیکھ کر پولیس کی مار پیٹ سے باز آئے۔ اس پر پلٹن کے سردار نے نزدیک آ کر اسے گرفتار کیا اور دو زنجیروں سے باندھنے کا حکم دے کر پوچھنے لگا کہ یہ کون ہے اور اس نے کیا کیا ہے۔ بھیڑ میں سے بعض کچھ چلائے اور بعض کچھ۔ پس جب بلٹر کے سبب سے کچھ حقیقت دریافت نہ کر سکا تو حکم دیا کہ اسے قلعہ میں لے جاؤ جب سیڑھیوں پر پہنچا تو بھیڑ کی زبردستی کے سبب سے سپاہیوں کو اسے اٹھا کر لے جانا پڑا کیونکہ لوگوں کی بھیڑ یہ چلائی ہوگی اسکے پیچھے پڑی کہ اس کا کام تمام کر......''(۵۸)

یہودی مذہب میں تو پیغمبر کے حقوق میں یہ بات بھی شامل تھی کہ پیغمبر کی فرمانبرداری تو کجا جو شخص پیغمبر کے سفیر و نمائندہ یا اس کی کی تعلیمات پھیلانے والے کاہن کی بات بھی نہ مانے اس کی سزا بھی قتل تھی۔

کتاب مقدس کی کتاب ''استثناء'' کی یہ آیات ملاحظہ ہوں:

''اگر کوئی شخص گستاخی سے پیش آئے کہ اس کاہن کی بات جو خداوند تیرے خدا کے حضور خدمت کے لیے کھڑا رہتا ہے یا اس قاضی کا کہا نہ سنے تو وہ شخص مار ڈالا جائے اور تو اسرائیل میں سے ایسی برائی کو

دور کر دینا اور سب لوگ سن کر ڈر جائیں گے اور پھر گستاخی سے پیش نہیں آئیں گے۔''(۵۹)

اس سے واضح یہودیت میں پیغمبر کو ایذاء نہ دینا، اس کا احترام کرنا، تعظیم و تکریم بجا لانا، اس کے پیغام کا احترام کرنا اور اس کے پیغام پہنچانے والے کاہن اور قاضی کی بھی فرمانبرداری کرنا حقوق رسالت میں سے ہے۔

مبحث دوم

نصرانیت میں حقوقِ رسالتؐ کا تصوّر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات اگر چہ زیادہ تر وعظ و نصیحت پر مبنی ہیں ۔آپ پر کوئی الگ شریعت نازل نہیں ہوئی بلکہ آپ تو راۃ کے احکامات کو ہی پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے تشریف لائے تھے اور جب آپ کو آسمانوں پر اٹھایا گیا تو اس وقت آپ کی عمر صرف تینتیس سال تھی ۔ تاہم آپ کی تعلیمات میں بھی بہت سے حقوق رسالت کو بیان کیا گیا ہے ۔ایک مقام پر آپ فرماتے ہیں:

''جو کوئی باپ یا ماں کو مجھ سے زیادہ عزیز رکھتا ہے وہ میرے لائق نہیں اور جو کوئی بیٹے یا بیٹی کو مجھ سے زیادہ عزیز رکھتا ہے وہ میرے لائق نہیں ۔اور جو کوئی اپنی صلیب نہ اٹھائے اور میرے پیچھے نہ چلے وہ میرے لائق نہیں اور جو کوئی اپنی جان بچاتا ہے ۔اسے کھوئے گا اور جو کوئی میری خاطر اپنی جان کھوتا ہے اسے بچائے گا۔''(۶۰)

آپ کے اس فرمان میں رسالت کا ایک حق تو یہ بیان کیا گیا ہے اپنے ماں باپ اور اولاد سے بڑھ کر ذات رسالت سے محبت کرے ۔یعنی اگر کبھی ذات رسالت اور والدین یا اولاد کی محبت میں ترجیح دینے کا مرحلہ آئے تو انسان پر لازم ہے کہ وہ ذات رسالت کی محبت کو والدین اور اولاد کی محبت پر فوقیت دے ۔

اور رسالت کا دوسرا حق جو اس فرمان سے واضح ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ وہ ذات رسالت کی فرمانبرداری کرے اور مقصد رسالت کی تکمیل میں ہمہ تن مصروف ہو جائے ۔

آپ کے اس فرمان سے رسالت کا تیسرا حق یہ واضح ہوتا ہے کہ اپنی جان ذات رسالت پر قربان کرنے سے گریز نہیں کرنی چاہیے کیونکہ جو کوئی اپنی جان کو ذات رسالت پر قربان کرنے کی بجائے بچائے گا دراصل وہ اپنی جان تباہ کرنے والا ہوگا اور جو کوئی اپنی جان ذات رسالت پر نچھاور کر دے گا دراصل وہی اپنی جان بچانے والا ہوگا ۔ایک اور مقام پر آپ فرماتے ہیں:

''اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ آدمیوں کا ہر گناہ اور کفر تو معاف کیا جائے گا جو کفر روح کے حق میں ہو وہ معاف نہ کیا جائے گا اور جو کوئی ابن آدم کے برخلاف کوئی بات کہے گا وہ تو اسے معاف کی جائے گی مگر جو کوئی روح القدس کے برخلاف کوئی بات کہے گا وہ اسے معاف نہ کی جائے گی نہ اس عالم میں نہ آنے والے میں ۔''(۶۱)

یہاں بھی آپ نے رسالت کے ایک اہم حق کو بیان فرمایا ہے اور وہ ہے ذات رسالت جن تعلیمات کی تبلیغ کرتی ہے ان پر عمل کرنا اور ان کی تعظیم بجا لانا ۔اگر چہ حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات میں عزت پہ حملہ آور ہونا جرم ہے جیسا کہ آپ فرماتے ہیں:

''تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا کہ خون نہ کرنا اور جو کوئی خون کرے گا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہوگا لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنے بھائی پر غصے ہوگا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہوگا اور جو کوئی اپنے بھائی کو پاگل کہے گا وہ صدر عدالت کی سزا کے لائق ہوگا اور جو سوئی احمق کہے گا وہ آتش جہنم کا سزاوار ہوگا۔''(۶۲)

یعنی کسی بھی انسان کی توہین انسان کو سزا کا مستحق بناتی ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرتی ہے لیکن یہاں آپ وضاحت فرما رہے ہیں کہ کسی بھی انسان کے خلاف کی ہوئی بات تو معاف ہو سکتی ہے لیکن تعلیمات پیغمبر کی مخالفت میں کہی ہوئی بات نا قابل معافی ہوگی۔

اس سے واضح ہوا کہ آپ کی تعلیمات کی روشنی میں یہ چیز بھی حقوق رسالت میں سے ہے کہ تعلیمات رسالت کا بھی بھرپور احترام کیا جائے۔ محبت ذات رسالت کے متعلق پولس کا یہ قول ملاحظہ ہو:

''پولس میں پولس اپنے ہاتھ سے سلام لکھتا ہوں۔ جو کوئی خداوند کو عزیز نہیں رکھتا ملعون ہو۔ ہمارا خداوند آنے والا ہے۔ خداوند یسوع مسیح کا فضل تم پر ہوتا رہے میری محبت مسیح یسوع میں تم سب سے رہے۔''(۶۳)

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ نصرانیت کی تعلیمات میں ذات رسول سے محبت حقوق رسالت میں سے ہے اور اس محبت سے محروم انسان مستحق لعنت ہے۔

سطور بالا سے واضح ہے کہ تعلیمات نصرانیت کے مطابق بہت سی اشیاء حقوق رسالت میں سے ہیں مثلاً ذات رسالت مآب سے والدین اور اولاد سے بڑھ کر محبت کرنا۔ ان کی فرمانبرداری کرنا، ان کی تعلیمات کو پھیلانا اور ان کی تعظیم بجالانا۔

مبحث سوم

مذاہب قدیمہ میں بانیانِ مذہب کے حقوق کا تصوّر

تمام مذاہب اپنی مقدس شخصیات کے بہت سے حقوق مانتے ہیں یہاں تک بت پرست بھی اپنے بتوں کی تعظیم وتکریم اوران کے احترام کولازم قرار دیتے ہیں اوراس کی مخالفت کرنے والے کومستوجب سزا قرار دیتے ہیں۔

قدیم عراق میں بتوں، دیوتاؤں اور مذہب کی توہین کے مرتکب کوبطور سزا قتل کردیا جاتا تھا۔نمرود کے عہد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام مبعوث ہوئے آپ نے بتوں کی مخالفت کی اور لوگوں کوخدائے واحد کی بندگی کا درس دیا۔ بتوں کی مخالفت کی وجہ سے لوگوں کے مطالبہ پر بادشاہ وقت نے آپ کوآگ میں جلانے کا نہ صرف فیصلہ کیا بلکہ عملی طور پر آگ میں پھینکا بھی۔اس کا تذکرہ قرآن مجید میں یوں کیا گیا۔

"قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَ انْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ"(۶۴)

''انہوں نے کہا اسے جلا ڈالواور اپنے خداؤں کی مدد کرو اگرتم کچھ کرنے والے ہو۔''

بتوں کی مخالفت کرنے پرآزر نے آپ سے کہا:

"یٰٓاِبْرٰهِیْمُ لَىٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَ اهْجُرْنِیْ مَلِیًّا" (۶۵)

''اگرتم باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کردوں گا پس تو ہمیشہ کے لیے مجھ سے الگ ہوجا۔''

مدائن میں بھی بتوں کی مخالفت کی سزا سنگسار کرنا تھی حضرت شعیب علیہ السلام نے جب لوگوں کوبتوں کی عبادت سے منع کیا اورانہیں توحید کا درس دیا تو ان کی قوم نے آپ کودھمکی دی۔

"وَ لَوْ لَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ" (۶۶)

''اگر تیری قوم کالحاظ نہ ہوتا تو ہم تجھے کبھی کا سنگسار کر چکے ہوتے۔''

اسی طرح قدیم یونان میں ارسطو کو دیوتاؤں کے انکار اور نوجوانوں کا اخلاق بگاڑنے کے الزام میں ہی زہر کا پیالہ پینا پڑا۔

ہندومت میں بھی مذہبی رہنماؤں اور مذہبی کتب کا احترام ضروری ہے اوران کی تعظیم نہ کرنے والا مستوجب سزا ہے وید کی توہین کرنے والا کافر ہے۔

منوسمرتی کاقول ہے:

''ناستکو وید و نند کہ'' (٦٧)

''ویدوں کی نندا یعنی بےقدری کرنے والا کافر ہے۔''

روشنی دیانند سرسوتی کہتا ہے:

''جوگر گرنتھ وید سے وردھ ہیں ان کا پرمان کرنا جانو ناستک ہوتا ہے۔'' **(٦٨)**

جو جو کتابیں وید کے خلاف ہیں ان کا حوالہ ماننا گویا ناستک (کافر) ہونا ہے۔

''ایسے ہی ایسے شخص کو جلاوطن کرنے کا بھی حکم ہے اور جو شخص وید اور عابد لوگوں کی تصنیف شدہ کتابوں کی جو وید کے مطابق ہوں تحقیر کرتا ہے اس وید کی مذمت کرنے والے منکر کو ذات پنگت (یکجا کھانے والوں کی جماعت) اور ملک سے نکال دینا چاہیے۔'' **(٦٩)**

ایسے ہی علماء کی توہین کرنے والے کو بھی جماعت سے نکالنے کا حکم دیتے ہوئے ''ستیارتھ پرکاش'' میں ہے:

''جو شخص وید اور علماء حق شعار کی تصانیف بمطابق وید کی توہین کرے اسے قوم کے برگزیدہ حضرات اپنے حلقہ سے خارج کردیں۔'' **(٧٠)**

مذہبی کتاب وید کی توہین کی سزا بھی قتل ہے سوامی جی کہتے ہیں:

''وید کے راستے کے خلاف چلنے والے بدچلنوں کو جیسا کہ چاہیے سزا دو۔ جس سے وہ بھی تعلیم یافتہ ہو کر مہذب ہوں یا تو ان کا خاتمہ ہو جائے (یعنی قتل ہو جائیں) یا ہمارے بس یعنی قابو میں رہیں۔'' **(٧١)**

اسی طرح برہمن کی تعظیم لازم ہے اگر کوئی شودر کسی برہمن کے خلاف کوئی بات کہے گا تو اس کی زبان کاٹ دی جائے۔ منوسمرتی کے قانون میں یہ بھی ہے کہ اگر شودر کسی برہمن پر غرور سے تھوک دے تو راجا اس کے دونوں ہونٹ کٹوا دے اور اگر وہ اس پر پیشاب کرے تو اس کی شرم گاہ کو قطع کروا دے۔ جو شودر کسی برہمن کے برابر بے ادبی سے بیٹھ جائے تو اس کے پچھلے حصے پر نشان لگا کر راجہ یا تو اس کو ملک بدر کر دے یا اس کے سرین کٹوا دے۔ اگر شودر نمرور کے ساتھ برہمن کو اس کے فرائض کے متعلق ہدایت دے تو راجہ اس کے منہ اور کان میں جلتا ہوا تیل ڈالنے کا حکم دے۔ **(٧٢)**

اس سے واضح ہوا کہ ہر مذہب میں مذہبی رہنماؤں اور دیگر مقدس چیزوں کے بہت سے حقوق ہیں۔ دنیا میں جہاں مذہب کسی بھی رنگ میں پایا جاتا ہے وہیں اس مذہب کے بانی اور مقدس شخصیات کے بہت سے حقوق بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے۔

اسلام میں حقوق الرسول ﷺ کا عقیدہ کوئی اجنبی اور اوپری نہیں بلکہ یہ مذہب کا ایک مسلمہ حصہ ہے۔

(خلاصہ باب)

اس باب کی مباحث کا خلاصہ درج ذیل نکات سے واضح ہے:

۱- اسلامی قانون کے بنیادی ماخذ چار ہیں: قرآن، سنت، اجماع اور قیاس۔

۲- اسلامی قانون کا اولین اور بنیادی ماخذ قرآن مجید ہے کیونکہ مقنن حقیقی صرف ذات باری ہے۔ اس لیے اس کا اتارا ہوا قانون ہی ہر قانون کا منبع ہے۔

۳- دوسرا ماخذ سنت ہے کیونکہ قرآن کریم کلیات اور اصولوں کی کتاب ہے اور قرآن مجید کی تعلیم وتبیین کا فریضہ نبی کریم ﷺ کو سونپا گیا تھا۔ آپ نے وحی خفی کے ذریعہ سے قرآن کریم کی توضیح کر کے اللہ تعالیٰ کی مراد کو جو واضح فرمایا سنت کہلاتی ہے۔ سنت قرآن مجید کے مقابلہ میں کوئی ماخذ نہیں بلکہ قرآن مجید کی ہی تبیین وتعلیم کی عملی شکل ہے۔

۴- اسلامی قانون کا تیسرا ماخذ اجماع ہے یعنی کسی نئے پیش آنے والے مسئلہ کے حل پر تمام امت کے اصحاب حل وعقد کا جمع ہونا۔ اجماع کا حجت ہونا اس امت کی خصوصیات میں سے ہے کیونکہ حضور ﷺ کی امت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔

۵- چوتھا ماخذ قیاس ہے یعنی مشترک علت کی بنا پر ایک چیز کا حکم دوسری چیز پر لگا دینا کیونکہ ہر زمانہ میں نئے نئے مسائل کا پیدا ہونا ایک فطرتی عمل ہے اس لیے قیاس اور اجتہاد کو بھی ماخذ قانون قرار دیا گیا۔

۶- ان کے علاوہ کچھ دیگر ماخذ بھی ہیں جیسے استحسان یعنی قیاس جلی کی جگہ قیاس خفی پر عمل کرنا۔ اسے ہی امام شافعی مصالح مرسلہ کا نام دیتے ہیں اسی طرح شرائع سابقہ اور عرف ورواج وغیرہ بھی قانون کے ماخذ ہیں۔ یہ سب ماخذ حقوق الرسول ﷺ کے متعدد پہلوؤں کو بیان کرتے ہیں۔

۷- یہودیت، نصرانیت، ہندومت اور دیگر قدیم مذاہب میں بھی اپنے اپنے رسولوں اور مذہبی شخصیات کے بہت سے حقوق بیان کیے گئے ہیں۔

(حوالہ جات)

۱- سورۃ البقرہ ۲:۱۸۵

۲- مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، مکتبۃ المعارف، الریاض، (۱۸۱۷ھ/۱۹۹۶ء)، ص:۱۵-۱۶

۳- سیوطی، امام جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، دار الفجر للتراث (۲۰۰۶ء)، ج:۱، ص:۱۴۶-۱۴۸

۴- الجرجانی، الشریف علی بن محمد، المطبعۃ الخیریۃ، مصر (۱۳۰۶ھ)، ص:۷۵

۵- مناع قطان، مباحث فی علوم القرآن، مکتبۃ المعارف، الریاض، ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء، ص:۱۷

۶- سورۃ النحل ۱۶:۸۹

۷- بیضاوی، قاضی، عبداللہ بن عمر، انوار التنزیل، دار الکتب العلمیہ، بیروت (۱۹۸۸ء)، ج:۱، ص:۵۵۴

۸- جصاص، ابوبکر احمد بن علی الرازی، احکام القرآن، دار احیاء التراث الاسلامی، بیروت، ج:۵، ص:۱۰

۹- شافعی، امام محمد بن ادریس، الرسالۃ، مصطفیٰ البابی، مصر (۱۹۶۹ء) ص:۱۵

۱۰- سورۃ البقرہ ۲:۱۸۵

۱۱- سورۃ الاعراف ۷:۱۵۷

۱۲- سورۃ المائدہ ۵:۱۰۱

۱۳- سورۃ البقرہ ۲:۲۱۹

۱۴- سورۃ النساء ۴:۴۳

۱۵- سورۃ المائدہ ۵:۹۰-۹۱

۱۶- عجاج خطیب، ڈاکٹر، اصول الحدیث، مکتبہ وہبۃ مصر (س ـ ن)، ص:۱۹

۱۷- کتاب التعریفات، ص:۵۲، ۵۳

۱۸- سورۃ النحل ۱۶:۴۴

۱۹- سورۃ البقرہ ۲:۱۲۹

۲۰- امام مالک، مؤطا، دار القلم، دمشق، ۱۴۱۳/۱۹۹۱ء، ج ۲، ص:۶۰

۲۱- سورۃ البقرہ ۲:۱۸۷

۲۲- سورۃ الانعام ۶:۸۲

۲۳- سورۃ الحشر ۵۹:۷

۲۴- ولی اللہ، شاہ، حجۃ اللہ البالغۃ، شیخ غلام اینڈ سنز، لاہور، ص: ۳۶۴

۲۵- ابوداؤد، امام، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، باب اجتہاد الرای، رقم الحدیث: ۳۵۹۴

۲۶- الجکنی الشنقیطی محمد امین بن محمد المختار، اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن: ۵/۱۴۰، دار الفکر للطباعۃ والنشر، بیروت، ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵ء

۲۷- مفردات۔ مادہ۔ جمع

۲۸- سورۃ یونس ۱۰: ۷۱

۲۹- کتاب التعریفات، ص: ۵

۳۰- سورۃ النساء ۴: ۱۱۵

۳۱- التفسیر الکبیر: ۱۱/۴۳

۳۲- سورۃ البقرۃ ۲: ۱۴۳

۳۳- ابن ماجہ، امام، سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب السواد الاعظم، رقم الحدیث: ۳۹۵۰، دار الفکر بیروت

۳۴- احمد بن حنبل، امام، مسند احمد بن حنبل، رقم الحدیث: ۲۷۱۰۱، دار الحدیث، قاہرہ

۳۵- المتقی، الہندی، علاؤ الدین علی بن حسام الدین، کنز العمال فی سنن الاقوال والاحوال، مؤسسۃ الرسالۃ الطبعۃ الخامسۃ: ۱۴۰۱/۱۹۸۱ء، ج: ۱، ص: ۲۰۶،

۳۶- الاصبحی، ابوعبداللہ، مالک بن انس، موطا امام مالک، دار القلم، دمشق، الطبعۃ الاولی، ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۱ء، ج: ۳، ص: ۸۰،

۳۷- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الشاشی، نظام الدین، اصول الشاشی، مکتبہ امدادیہ، ملتان، ص: ۷۸ تا ۸۱،

۳۸- حجۃ اللہ البالغۃ، ص: ۳۶۵

۳۹- التفتازانی، الشافعی، سعد الدین مسعود بن عمر، شرح التلویح علی التوضیح، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء، ج: ۲، ص: ۱۰۹

۴۰- سورۃ الحشر ۵۹: ۲

۴۱- بیضاوی، ابوالخیر عبداللہ بن عمر، انوار التنزیل: ۱/۳۱۶، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

۴۲- احمد بن حنبل، امام، مسند الامام احمد بن حنبل، رقم الحدیث، مؤسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء، ج: ۴، ص: ۱۷۵

۴۳- بخاری، امام محمد بن اسمٰعیل، صحیح البخاری، باب من شبہ اصلاً معلوما باصل مبین، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، رقم الحدیث:۷۳۱۵

۴۴- امام مالک، موطا:۲/۴۶۳

۴۵- الدار قطنی، علی بن عمر ابوالحسن، سنن الدار قطنی، دارالمعرفۃ، بیروت، ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء، ج:۱، ص:۱۶۳

۴۶- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، البز دوی، الحنفی، علی بن محمد، اصول البز دوی، جاوید پریس کراتشی، : ج: ۱، ص: ۲۵۶-۲۶۵

۴۷- مکی، موفق، مناقب الامام الاعظم، مطبوعہ، کوئٹہ، ۱۴۰۷ھ، ج:۱، ص:۸۱،

۴۸- الغزالی، امام، المستصفی، المطبعۃ الامیریہ، بولاق مصر (الطبعۃ الاولی ۱۳۲۴ھ)، ج:۱، ص:۲۸۶،

۴۹- الطحاوی، ابوجعفر، احمد بن محمد، شرح معانی الآثار، دارالکتب العلمیہ، بیروت (۱۳۹۹ھ)، ج:۱، ص۸۰،

۵۰- الجزری، ابن الاثیر، ابوالسعادات مبارک بن محمد، جامع الاصول فی احادیث الرسول، مکتبۃ الحلوانی، ۱۹۳۰ھ/۱۹۷۰ء، ج:۱، ص:۲۹۲

۵۱- سورۃ الانعام ۶:۹۱

۵۲- البخاری، علاؤالدین، عبدالعزیز بن احمد بن محمد، کشف الاسرار عن اصول فخر الاسلام البز دوی، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء، ج:۳، ص:۳۱۶،

۵۳- سورۃ الاعراف ۷:۱۹۹

۵۴- شامی، ابن عابدین، رسائل، سہیل اکیڈمی، لاہور، ج:۲، ص:۱۱۵

۵۵- مودودی، سید ابوالاعلیٰ، یہودیت قرآن کی روشنی میں، ادارہ ترجمان القرآن لمیٹڈ، لاہور (۲۰۰۰ء)، ص:۱۷۷-۱۷۸

۵۶- سیوہاروی، محمد حفظ الرحمٰن، قصص القرآن، پروگریسو بکس، اردو بازار، لاہور، ج:۱، ص:۵۳۵-۵۳۶

۵۷- کتاب مقدس، اعمال: بائبل سوسائٹی، انارکلی، لاہور، (۲۰۰۶ء)، ج:۶، ص:۸-۱۵، ۸۵-۸۹

۵۸- ن۔م:۲۱/۲۷-۳۶

۵۹- ن۔م، استثناء:۱۷/۱۲-۱۳

۶۰- ن۔م، متی، بائبل سوسائٹی، انارکلی، لاہور، ج:۱۰، ص:۳۷-۳۹

۶۱- ن۔م:۱۲/۳۱، ۳۲

۶۲- ن ـم:۵/۲۱،۲۲

۶۳- ن ـم،کرنتھیوں:۱۶/۲۱-۲۴

۶۴- سورۃ الانبیاء۲۱:۶۸

۶۵- سورۃ مریم۱۹:۴۶

۶۶- سورۃ ھود۱۱:۹۱

۶۷- رشی دیانند،ستیارتھ پرکاش (مترجم:چمپوپتی)،پنجاب کوردت لاہور،ص:۲۹۷

۶۸- پانی پتی،خواجہ غلام الحسنین،سوامی دیانند اوران کی تعلیم،ص:۲۱۶اورینٹل پبلک لائبریری،پانی پت

۶۹- ن ـم،ص:۲۱۴(ملخص)

۷۰- ستیارتھ پرکاش،ص:۲۵۰

۷۱- سوامی دیانند اوران کی تعلیم،ص:۲۱۶

۷۲- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:سعد اللہ،حافظ محمد،منہاج ص:۲۵-۳۶،شمارہ جنوری تا جون ۱۹۹۷ء،دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری،لاہور

باب سوم

حقوق الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

کا اعتقادی پہلو

فصل اوّل
ایمان

مبحث اوّل

ایمان کا لغوی مفہوم

نبی کریم ﷺ کے حقوق کا تعلق عمل سے بھی ہے اور اعتقاد سے بھی۔ آپ ﷺ کے جو حقوق نظریاتی اور اعتقادی ہیں ان میں سب سے پہلا حق ایمان ہے یعنی آپ کی ذات گرامی پر ایمان لایا جائے۔

ایمان کا لفظ باب افعال کا مصدر ہے اس کا مادہ اصلیہ اَمِن ہے اس مادہ میں مطمئن ہونے، پُرامن اور بے خوف ہونے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ ''اَمِن البلدُ'' کے معنی ہیں ملک میں امن و امان قائم ہوگیا۔ ''امن فلان علی کذا'' کا مطلب ہے کہ اس نے اس پر اعتماد کیا۔ جب اس مادہ کو باب افعال میں لے جا کر متعدی بنایا جائے امن یومن ایمانا تو اس کا مطلب ہے امن میں ہونا۔ ''آمن فلانا'' کا معنی ہے۔ اس نے اسے امن دیا یا بے خوف کیا اور آمن له کا مطلب ہے کسی پر یقین کرنا، اس کی تصدیق کرنا یا اسے مان لینا۔

امام راغب اصفہانی اس مادہ کا لغوی معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اصل الامن طمانینة النفس و زوال الخوف و الامن والامانة والامان فی الأصل مصادر ویجعل الامان تارة اسما للحالة التي یکون علیها الانسان في الامن. وتارة اسما لما یومن علیه الانسان نحو قوله و تخونوا اماناتکم. أی ائتمنتم علیه و قوله انا عرضا الانا نة علی السموات و الارض. (۱)

اصل میں امن کا معنی نفس کے مطمئن ہونے کے ہیں۔ امن، امانۃ اور امان یہ سب اصل میں مصدر ہیں اور امان کے معنی کبھی حالت امن کے آتے ہیں اور کبھی اس چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی کے پاس بطور امانت رکھی جائے قرآن مجید میں ہے: "وَ تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِکُم" (۲) یعنی وہ چیز جن پر تم امین مقرر کئے گئے ہو ان میں خیانت نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ" (۳) ''ہم نے بار امانت آسمان اور زمین پر پیش کیا۔''

یہاں یہ لفظ اس چیز کے لیے استعمال ہوا جیسے بطور امانت رکھا جائے۔ امام راغب اسی پر بحث فرماتے ہیں:

"وآمن انما یقال علی وجهین احدهما متعدیا بنفسه یقال امنته ای جعلت له الامن ومنه قیل للّٰه مومن والثانی غیر متعدد ومعناه صار ذا امن." (۴)

''آمن کا لفظ دو طرح سے استعمال ہوتا ہے کبھی متعدی بنفسہ ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے امنتہ۔ اس کا معنی ہے میں نے اسے امن دے دیا اور اسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے اسماء گرامی میں سے ایک مومن بھی ہے یعنی امن دینے والا اور کبھی یہ لفظ غیر متعدی یعنی لازم استعمال ہوتا ہے اس صورت میں آمن کا معنی ہے کہ وہ امن والا ہوگیا۔''

علامہ زبیدی اس تناظر میں لکھتے ہیں:

''ایمان تصدیق ہے۔علامہ زمخشری نے اساس میں اسی پر اعتماد کیا ہے اور اہل علم میں سے اہل لغت وغیرہ کا اسی پر اتفاق ہے۔علامہ سعدالدین تفتازانی نے کہا ہے کہ ایمان کا حقیقی معنی تصدیق ہے اور کشاف میں ہے کہ کسی شخص پر ایمان لانے کا معنی یہ ہے کہ اسے تکذیب سے مامون اور محفوظ رکھا جائے بعض محققین کہتے ہیں کہ ایمان کا معنی تصدیق ہوتو یہ بنفسہ متعدی ہوتا ہے اور جب اس کا معنی اذعان ہوتو لام کے ساتھ متعدی ہوتا ہے۔ازہری نے کہا ہے کہ اللہ نے بندے کو جس امانت پر امین بنایا ہے اس میں صدق کے ساتھ داخل ہونا ایمان ہے۔اگر بندہ جس طرح زبان سے تصدیق کرتا ہے۔اسی طرح دل سے بھی تصدیق کرے تو وہ مومن ہے اور جو صرف زبانی اقرار کرے اور دل سے تصدیق نہ کرے وہ اللہ تعالٰی کی دی ہوئی امانت کو ادا نہیں کر رہا وہ منافق ہے اور جس کا یہ خیال ہے کہ تصدیق بالقلب کے بغیر صرف زبان سے اظہار کرنا ایمان ہے وہ یا منافق ہوگا یا جاہل ......''(۵)

اس سے واضح ہوا ایمان کے مادہ میں امن اور بے خوفی کا مفہوم پایا جاتا ہے یہ لفظ کبھی لازم استعمال ہوتا ہے اور کبھی متعدی۔متعلقات کے تبدیل ہونے سے اس کے مفاہیم بدلتے رہتے ہیں۔

مبحث دوم

ایمان کا شرعی مفہوم

شریعت میں ایمان سے مراد ہر اس چیز پر پختہ یقین کرنا ہے جس کی خبر نبی کریم ﷺ نے دی۔ اب اس میں اختلاف ہے کہ کیا ایمان صرف تصدیق کا ہی نام ہے یا اس میں زبانی اقرار اور اعمال بھی شامل ہیں۔ تو دراصل جب تصدیق قلبی ہو گی تو اس کا اظہار زبان اور اعمال سے لازمی ہو گا کیونکہ انسان کا ظاہر اس کے باطن کا عکاس ہوتا ہے گویا یہ چیز ایمان کا مظہر ہے ایمان کی شرائط نہیں ہیں۔ یا قلبی تصدیق تو ایک مخفی معاملہ ہے دنیوی احکامات ظاہر پر لگتے ہیں۔ قلبی کیفیات پر نہیں تو یہ اختلاف محض بیان کا اختلاف ہے۔ حقیقی ایمان تصدیق کا نام ہے اور اعمال اس کا اظہار ہیں۔ اگر کوئی بندہ دل سے تصدیق تو کرتا ہو لیکن اقرار کا انکار کر دے تو شریعت میں اسے مومن نہیں کہا جائے گا کیونکہ احکام شریعت ظاہر پر لگتے ہیں باطن کا معاملہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

ایمان کی تعریف کرتے ہوئے سید شریف جرجانی لکھتے ہیں:

"(الایمان) فی اللغة التصدیق بالقلب و فی الشریعة هو الاعتقاد بالقلب والاقرار باللسان قیل من شهد و عمل لم یعتقد فهو منافق ومن شهد ولم یعمل فهو فاسق ومن اخل بالشهادة فهو کافر." (٦)

"ایمان لغت میں قلبی تصدیق کو کہتے ہیں اور شریعت میں دل سے اعتقاد اور زبان سے اقرار کو کہتے ہیں کہا گیا ہے جس نے گواہی دی اور عمل کیا اور اعتقاد نہ رکھا وہ منافق ہے جس نے گواہی دی لیکن عمل نہیں کیا وہ فاسق ہے اور جس نے شہادت ہی نہ دی وہ کافر ہے۔"

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تصدیق قلبی اور اقرار لسانی دونوں کے مجموعہ کا نام ہے کیونکہ دنیوی احکام صرف ظاہر پر لگتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

"الایمان اقرار باللسان وتصدیق بالجنان والإقرار وحده لایکون إیمانا لأنه لو کان ایمانا لکان المنافقون کلهم مؤمنین وکذلك المعرفة وحدها أی مجرد التصدیق لا یکون ایمانا لانها لو کانت ایمانا لکان اهل الکتاب کلهم مؤمنین قال اللّٰه تعالی فی حق المنافقین "وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَكٰذِبُوْنَ"(٧) ای فی دعواهم الایمان حیث لا تصدیق لهم وقال اللّٰه تعالی فی حق اهل الکتاب ﴿اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ هُمْ﴾(٨) والمعنی ان مجرد معرفة أهل اکتاب باللّٰه ورسوله لاینفعهم حیث ما اقروا بنبوة محمد ﷺ ورسالته الیهم والی الخلق کافة فانهم کانوا یزعمون أنه ﷺ مبعوث الی العرب خاصة."(٩)

ایمان اقرار زبانی اور تصدیق قلبی کا نام ہے۔صرف اقرار ایمان نہیں ہے کیونکہ اگر صرف اقرار ایمان ہوتا تو سب منافق مومن ہوتے۔ایسے میں صرف معرفت یا تصدیق بھی ایمان نہیں ہے کیونکہ اگر صرف معرفت ایمان ہوتی تو سب اہل کتاب مومن ہوتے جبکہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے متعلق فرمایا: کہ ''اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں۔''اور اہل کتاب کے متعلق فرمایا کہ ''جنہیں ہم نے کتاب دی وہ آپ (ﷺ) کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔اس سے مراد یہ ہے کہ اہل کتاب کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی محض معرفت نے کوئی فائدہ نہ پہنچایا کیونکہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے متعلق یہ نہ مانا کہ انہیں ان کی طرف اور ان تمام مخلوقات کی طرف رسول بنا کے بھیجا گیا کیونکہ ان کا یہ خیال تھا کہ آپ ﷺ کو صرف عرب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔''

اس سے واضح ہوا کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایمان تصدیق اور اقرار دونوں کے مجموعہ کا نام ہے کیونکہ دنیوی احکام صرف ظاہر پر لگتے ہیں اور تصدیق کے ہی متعدد مظاہر ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

''دراصل ایمان کی حقیقت تو وہی تصدیق قلبی ہے اور زبان سے اقرار کرنا ہے۔اجرائے احکام کے لیے اس پر ایک علامت ہے کیونکہ زبان دل کی ترجمان ہوتی ہے۔ہاں اگر کوئی شخص گونگا ہو یا کسی شخص پر کلمہ کفر کہنے کی خاطر جبر واکراہ کیا جائے یا یہ صورت ہو کہ اسے زبان سے اقرار کرنے کی فرصت اور مہلت ہی نہ ملی ہو اور وہ صرف دل سے ہی تصدیق کر سکا ہو اور پھر فوت ہو گیا ہو تو اس صورت میں صحت ایمان کے لیے زبان سے اقرار کرنا شرط نہیں ہوگا۔''(۱۰)

مذکورہ بالا بحث سے واضح ہے کہ جمہور محققین کے نزدیک ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے اور اقرار لسانی صرف دنیاوی احکام کے اجرا کے لیے شرط ہے کیونکہ تصدیق قلبی ایک پوشیدہ چیز ہے۔اس کے لیے کوئی نہ کوئی علامت ضروری ہے۔نتیجہ یہ نکلا کہ جو شخص دل سے تصدیق کرتا ہو اور زبان سے اقرار نہ کرے تو وہ عنداللہ مومن ہوگا۔اگرچہ دنیا میں اسے مومن نہ کہا جائے گا۔اسی طرح جو زبان سے اقرار کرتا ہو مگر دل میں تصدیق موجود نہ ہو تو وہ اللہ کے نزدیک کافر لیکن مخلوق کے نزدیک مومن ہے۔احناف میں شیخ ابو منصور ماتریدی کا یہی مختار موقف ہے۔(۱۱)

حقوق الرسول میں ایمان بالرسول ﷺ سے مراد یہ ہوگی کہ ایک انسان کو نبی کریم ﷺ کی بتائی ہوئی ہر بات پر اتنا پختہ یقین ہو کہ اس میں شک وشبہ کی ذرا بھی گنجائش نہ رہے۔عملی طور پر اس سے مراد یہ ہے کہ ایمان اپنی آنکھوں دیکھی

اور کانوں سنی بات سے بڑھ کر نبی کریم ﷺ کی خبر پر یقین کرنے کا نام ہے۔ انسان اس چیز کو مانتا ہے جسے یہ سنتا ہے یا دیکھتا ہے۔ جب اسے حضور اکرم ﷺ کی بتائی ہوئی بات پر اتنا پختہ یقین ہو جائے جتنا اسے اپنی دیکھی یا سنی چیز پر بھی نہیں ہے تو اسے ایمان بالرسول کہا جائے گا۔ مثلاً ایک آدمی کمرے میں کسی دوسرے آدمی کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے لیکن وہ اپنے ساتھ اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھتا۔ جب اسے اپنی آنکھوں کے بارے میں وہ یقین نہ ہو جو اسے اللہ تعالیٰ کے موجود ہونے پر ہو کیونکہ آنکھ کا دیکھا غلط بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے گاڑی میں بیٹھے ہوئے کو درخت بھاگتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں لیکن دراصل ایسا ہوتا نہیں لیکن حضور اکرم ﷺ کی بات بتائی ہوئی ہر بات بلا شک وشبہ درست ہوتی ہے تو یقین کی اس کیفیت کو ایمان بالرسول ﷺ کہا جائے گا۔ اسی لیے ایمان کی اصطلاحی تعریف یوں کی گئی:

"تصدیق الرسول بکل ماعلم مجیئہ بالضرورۃ تصدیقا جازما مطلقا۔"(۱۲)

"ہر وہ چیز جس کے متعلق بداہۃً علم ہے کہ اسے حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے پاس سے لائے ہیں اس پر پختہ یقین کرنا ایمان کہلاتا ہے۔"

مبحث سوم
ایمان بالرسول صلی اللہ علیہ وسلم
کی اہمیت وافادیت

ایمان کی ہر بات کا آخری اور حتمی حوالہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی ہوتی ہے۔انسانیت کو پورے کا پورا دین ذات رسالتمآب ﷺ سے ملتا ہے۔ہم ملائکہ، حشر، جنت و دوزخ اور غیب کی ہر بات کو صرف اور صرف اس لیے مانتے ہیں کہ ہمیں نبی کریم ﷺ نے اس کی خبر دی ہے جب ایمانیات اوّل سے آخر تک رسول کریم ﷺ کے کہنے پر مانی جاتی ہیں تو اسی سے ایمان بالرسول کی اہمیت وافادیت واضح اور عیاں ہو جاتی ہے کیونکہ اگر آپ کی بات پر ذرا سا شک کیا جائے تو پورے کا پورا دین مشکوک ہو جائے گا۔

ایمان بالرسول ﷺ کی اہمیت وافادیت دو حقیقتوں کا ادراک کرنے سے بالکل واضح ہو جاتی ہے۔پہلی حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ پر ایمان لائے بغیر اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر ایمان لانا بھی بے مقصد اور عبث ہو جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اہل ایمان کے ایمان کا یہاں بھی تذکرہ فرمایا تو وہاں اپنی ذات پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کا تذکرہ بھی ضرور فرمایا۔صرف اپنی ذات پر ایمان اور رسول کریم ﷺ کی تکذیب کو کہیں ایمان قرار نہیں دیا۔ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْــــر"(۱۳)

"پس اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر، اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے اچھی طرح باخبر ہے۔"

نارجہنم کی وعید بھی اسی شخص کو سنائی گئی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہیں لاتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَمَــــنْ لَّمْ یُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِــــرِیْنَ سَعِیْــــرًا" (۱۴)

"جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہ لایا تو ہم نے اس کے لیے دہکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔"

اہل ایمان کی کلیدی نشانیوں میں ایمان باللہ والرسول ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

"اِنَّـمَـا الْـمُـؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ" (۱۵)

"مومن صرف وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔پھر انہوں نے شک نہیں کیا اور اپنے مال اور اپنی جان سے اللہ کے راستے میں جہاد کیا یہی سچے لوگ ہیں۔"

سابقہ انبیاء پر ایمان لانے والوں کو حکم دیا کہ جب تک اس رسول ﷺ پر ایمان نہیں لاؤ گے۔اس وقت تک گمراہ اور بادیہ ضلالت میں بھٹکنے والے ہی قرار پاؤ گے۔ارشاد ہوتا ہے:

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓىٕكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا"(۱۶)

"اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو اس نے پہلے نازل کی اور جو شخص اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور آخرت کے دن کا انکار کرے تو وہ شخص بھٹک کر دور جا گرا۔"

نبی کریم ﷺ نے بھی بار ہا اس حقیقت کو بیان فرمایا ایمان بالرسول کے بغیر ایمان باللہ اور تمام دیگر اشیاء پر ایمان بے معنی اور عبث ہے۔حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

"والذی نفس محمد بیدہ لا یسمع بی احد من ھذا الامة یھودی ولا نصرانی ثم یموت ولم یومن بالذی ارسلت بہ الا کان من اصحاب النار۔" (۱۷)

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے اس امت میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے جو میری نبوت کی خبر سنے خواہ وہ یہودی ہو یا عیسائی پھر وہ شخص اس حال میں مرے کہ وہ مجھ پر ایمان نہ لایا ہو تو وہ اہل دوزخ میں سے ہوگا۔"

ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

"امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا أن لا الہ الاّ اللّٰہ ویومنوا بی وبما جئت بہ فاذا فعلوا ذلک عصموا منی دماء ھم و أموالھم الا بحقھا وحسابھم علی اللّٰہ۔" (۱۸)

"مجھے حکم دیا گیا کہ میں لوگوں سے اس وقت تک قتال کروں یہاں تک وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور مجھ پر ایمان لائیں اور اس چیز پر بھی ایمان لائیں جو میں لے کر آیا ہوں۔جب انہوں نے ایسا کرلیا تو انہوں نے اپنے خون اور مال مجھ سے محفوظ کر لیے مگر ان کے حق کے لیے اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔"

قرآن کریم کی یہ آیات طیبات اور نبی کریم ﷺ کے یہ فرامین گرامی ایمان بالرسول کی عظمت کا یہ پہلو اجاگر کرتے ہیں کہ ایمان بالرسول کے بغیر کوئی بھی عمل کوئی نفع نہیں دیتا۔

ایمان بالرسول کی اہمیت ایک اور پہلو سے بھی بالکل واضح ہے اور وہ حقیقت بھی نا قابل فراموش ہے کہ قرآن وسنت میں تصریح کی گئی کہ رسول ﷺ کی تکذیب دراصل اللہ تعالیٰ کی تکذیب ہے کیونکہ آپ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی ہی اطاعت ہے۔ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ"(۱۹)

''آپ کہیے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور اگر وہ پھر جائیں تو بے شک اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتا۔''

یعنی کفر سے وہی بچے گا جو اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ دونوں کی اطاعت کرے گا کسی ایک کی بھی اطاعت کا منکر کافر ہوگا جو اللہ کی محبت سے محروم ہوگا۔قرآن کریم میں اس حقیقت کو بھی بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا کہ رسالت کا انکار دراصل اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا انکار ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ"(۲۰)

''قدرومنزلت کو نہ جانا جیسے کہ اسے جاننے کا حق تھا جب انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان پر کوئی کلام نازل نہیں کیا۔''

رسالت کا انکار دراصل اللہ تعالیٰ کا انکار ہے۔امام فخر الدین رازی(۲۱) اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"واعلم من انکر النبوة والرسالة فهو في الحقيقة ما عرف الله عزوجل." (۲۲)

''اور جان لے کہ جس نے نبوت ورسالت کا انکار کیا اس نے درحقیقت اللہ عزوجل کی شان کو نہ پہچانا۔''

ایمان بالرسول ﷺ کی اہمیت وافادیت اسی سے واضح ہے کہ ایمان بالرسول کے بغیر ایمان باللہ بھی قابل قبول نہیں اور تکذیب رسول دراصل تکذیب الٰہی ہی ہے۔

مبحث چہارم

ایمان بالرسول صلی اللہ علیہ وسلم

—— فقہاء کرام کی نظر میں ——

چونکہ رسول کریم ﷺ ہی دین کی ہر بات کا آخری اور حتمی حوالہ ہیں اور رسول کریم ﷺ کی ہر بات کی تصدیق کے بغیر تو ایمان کی بنیادیں ہی مضمحل ہو جاتی ہیں اس لیے مطلق ایمان بالرسول میں تو کسی بھی اہل ایمان سے کسی اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ اس لیے ایمان بالرسول ﷺ پر تمام فقہاء کرام اور ائمہ عظام سب متفق ہیں ۔

امام طبری (۲۳) فرماتے ہیں:

"اتفق العلماء علی أنه یجب علی کل المکلفین الإیمان بالنبی ﷺ وان هذا فرض لازم علی العالمین و حق عام علی کل المکلفین من الانس و الجن و العرب و العجم فی کل وقت الی یوم الدین." (۲۴)

"اس چیز پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ ہر مکلف پر نبی کریم ﷺ پر ایمان لانا ضروری ہے اور یہ قیامت تک ہر جن وانس اور عرب وعجم پر فرض عین ہے ۔"

مطلق ایمان بالرسول پر سب فقہاء وائمہ کا اتفاق ہے لیکن اس کی عملی شکلوں میں کچھ اختلاف ہے کہ کیا صرف دل سے تصدیق ہی کافی ہے یا زبان سے اقرار اور عمل کی بھی اس میں کچھ مداخلت ہے ۔ اس اختلاف کی کچھ تفصیل ملاحظہ ہو:

ایمان کے شرعی معنی میں اہل قبلہ کے چار قول ہیں ۔ ایک قول یہ ہے کہ ایمان قلب کا فعل ہے اور اس میں پھر دو نظریے ہیں محققین جن میں امام اشعری، قاضی عبدالجبار، استاد ابو اسحٰق اسفرائنی، حسین بن فضل اور دیگر متعدد ائمہ شامل ہیں، کا موقف یہ ہے کہ ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے یعنی ہر وہ چیز جس کے متعلق واضح طور پر معلوم ہو جائے کہ نبی کریم ﷺ اسے اللہ تعالیٰ کے پاس سے لائے ہیں اس کی تصدیق کرنا ایمان ہے ۔ دوسرا نظریہ جہم بن صفوان کا ہے کہ ایمان فقط دل سے اللہ تعالیٰ کی معرفت کا نام ہے اور زبان سے اقرار کرنا اس کے لیے نہ شرط ہے نہ رکن ۔ یہاں تک جس شخص کو دل سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو، خواہ وہ زبان سے اقرار نہ بھی کرے اور اسی حال میں مر جائے وہ بھی مومن کامل ہے ۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ایمان صرف زبانی اقرار کا نام ہے اس میں بھی دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ ایمان صرف زبانی اقرار کا نام ہے اس میں بھی دو نظریے ہیں ۔ پہلا نظریہ غیلان بن مسلم دمشقی اور فضل رقاشی کا ہے کہ ایمان نام تو زبان سے اقرار کا ہی ہے لیکن معرفت قلب اس کی شرط ہے اور کرامیہ کہتے ہیں کہ ایمان صرف زبان سے اقرار کرنے کا نام ہے ۔ ان کا نظریہ ہے کہ منافق بظاہر مومن ہے اور بہ باطن کافر ہے ۔ دنیا میں منافق مومن کے حکم میں ہیں اور آخرت میں کافر کے حکم میں ۔

تیسرا قول یہ ہے کہ زبان سے اقرار اور معرفت قلب دونوں کے مجموعہ کا نام ہے ۔ اس میں پھر متعدد اقوال ونظریات ہیں ۔

امام ابوحنیفہ، عام فقہاء اور بعض متکلمین کے نزدیک ایمان زبانی اقرار اور دل کی معرفت کے مجموعہ کا نام ہے، بشیر المریسی اور ابوالحسن اشعری کا نظریہ ہے کہ ایمان زبان اور دل دونوں سے تصدیق کرنے کا نام ہے۔

چوتھا قول یہ ہے کہ ایمان تصدیق، اقرار اور اعمال کے مجموعہ کا نام ہے۔ یہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام اوزاعی اور محدثین کا قول ہے۔ معتزلہ، خوارج اور زیدیہ کا بھی یہی موقف ہے۔ **(۲۵)**

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جمہور متکلمین اور محققین کے نزدیک ایمان صرف تصدیق بالقلب کا نام ہے گویا ان کے نزدیک اس بندے کا ایمان بالرسول مکمل ہوگا جو نبی کریم ﷺ کی بتائی ہوئی ہر بات پر دل سے یقین رکھے گا جبکہ امام ابو منصور ماتریدی کا مذہب یہ ہے کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اور زبان سے اقرار اجراء احکام مسلمین کے لیے شرط ہے۔ ان کے نزدیک ایمان بالرسول ﷺ اس وقت مکمل ہوگا جب حضور ﷺ کی بتائی ہوئی ہر بات کی صداقت پر دل سے یقین بھی کرے اور زبان سے اس کا اقرار بھی کرے۔ اگر وہ زبان سے اقرار نہ کرے گا تو دنیا میں اس پر مسلمانوں کے احکام نافذ نہیں ہوں گے۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک چونکہ ایمان کے دو جز ہیں اقرار اور تصدیق۔ تو ان کے نزدیک ایمان بالرسول اس وقت مکمل ہوگا جب وہ دل سے تصدیق بھی کرے اور زبان سے اقرار بھی۔ یعنی زبانی اقرار صرف دنیاوی احکام کے لیے نہیں بلکہ اس کے بغیر ایمان ہی نامکمل ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایمان کے تین جز ہیں۔ دل سے تصدیق، زبان سے اقرار اور اعمال صالحہ تو ان کے نزدیک ایمان بالرسول ﷺ اس وقت مکمل ہوگا جب کوئی نبی کریم ﷺ کی بتائی ہوئی ہر بات پر دل سے یقین بھی رکھے گا، اس کی صداقت کا زبان سے اقرار بھی کرے گا اور اس کے مطابق عمل بھی کرے گا۔ مثلاً حضور اکرم ﷺ نے ہمیں خبر دی کہ نماز اللہ نے فرض کی ہے اب ایمان بالرسول ﷺ اس وقت مکمل ہوگا جب نماز کی فرضیت کا انسان کو بھی یقین کامل بھی ہو وہ فرضیت صلوٰۃ کا زبان سے اقرار بھی کرے اور عملی طور پر نماز بھی ادا کرے۔

اس سے واضح ہوا کہ مطلق ایمان بالرسول کے لازمی اور واجب ہونے پر تو سب فقہاء وائمہ متفق ہیں لیکن عملی طور پر اس کے انطباق میں بہت سی آراء ونظریات ہیں۔

فصل دوم
ختم نبوّت صلی اللہ علیہ وسلم

مبحث اوّل
ختمِ نبوّت صلی اللہ علیہ وسلم کا
لغوی وشرعی مفہوم

ختم نبوت پر ایمان بھی نبی کریم ﷺ کے حقوق میں سے ہے۔ خَتَــم کا لفظی معنی کسی چیز کو انجام تک پہنچانا یا اس کا اختتام کرنا ہے۔ علامہ حماد بن اسمٰعیل الجوہری (متوفی ۳۹۸ھ) ختم کا لغوی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"(خَتَم) خ ت م. ختم الشيء من باب ضرب فهو مختوم...... ختم القرآن بلغ اخره و اختم الشيء ضد افتتحه. و الخاتم بفتح التاء و كسرها و الختام و الخاتام كله بمعنى...... و خاتم الشيء اخره ومحمد ﷺ خاتم الانبياء قوله تعالى (ختامه مسك) اى اخره لان آخر ما يجدونه رائحة المسك" (۲۶)

"ختم خ ت م. ختم الشيء باب ضرب يضرب ضربا ہے...... ختم القرآن کا معنی یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کے آخر تک پہنچ گیا اختتم کا لفظ افتتح کا متضاد ہے۔ خاتم ت کی زبر اور زیر کے ساتھ، ختام، الخاتام سب کا ایک ہی معنی ہے ...... خاتم الشيء کا معنی کسی چیز کا آخر ہونا ہے اور حضرت محمد ﷺ آخر الانبیاء ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ختامہ مسک کا مطلب یہ ہے کہ وہ سب سے آخر میں کستوری کی خوشبو پائیں گے۔"

زبیدی اسی آیہ کریمہ کے تناظر میں ختم کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ختامه مسك اى انهم اذا شربوا الرحيق ففى مافى الكاس و انقطع الشراب انختم ذلك بريح المسك." (۲۷)

"ختامہ مسک سے مراد یہ ہے کہ جب وہ جنتی شراب پی لیں گے اور جب شراب ختم ہوگی تو اس کا اختتام کستوری کی خوشبو سے ہوگا۔"

ابن منظور الافریقی متوفی ۷۱۱ھ لفظ ختم کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ختام الوادى، اقصاه و ختام القوم و خاتمهم و خاتمهم اخرهم عن اللحياتى و محمد ﷺ خاتم الانبياء و فى والخاتم و الخاتم من اسماء النبى ﷺ و فى تنزيل العزيز ما كان محمد ابا احد من رجا لكم ولكن رسول الله و خاتم النبيين اى اخرهم." (۲۸)

"ختام الوادی کا معنی ہے وادی کا آخری کنارہ ختام القوم، خاتم القوم اور خاتم القوم کا معنی ہے قوم کا آخری فرد یہ معنی لحیاتی سے منقول ہے اور حضرت محمد ﷺ خاتم الانبیاء ہیں۔ خاتم اور خاتم آپ کے اسماء گرامی میں سے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور محمد (ﷺ) تم مردوں میں کسی کے باپ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں یہاں خاتم النبیین سے مراد آخر النبیین ہے۔"

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

"(خاتم البنيين) لانه ختم النبوة اى تممها بمجئيه۔"(۲۹)

''آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں اس لیے کہ آپ نے نبوت کو ختم کر دیا یعنی آپ نے تشریف لا کر نبوت کو مکمل اور تمام کر دیا۔''

جمیع اہل لغت نے خاتم کا معنی کسی چیز کا انجام یا اختتام مراد لیا ہے۔ختم کا ایک معنی مہر لگانا بھی ہوتا ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ وَ عَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ"(۳۰)

''اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔''

یہاں مہر سے مراد کسی چیز کی تصدیق کرنا نہیں بلکہ اس سے مراد وہ مہر یا سیل ہے جو کسی چیز کو مکمل طور پر بند کر کے آخر میں لگائی جاتی ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ان کے دلوں کو بند کر کے ٹھپہ لگا دیا ہے تا کہ وہاں ایمان یا سچ داخل نہ ہو سکے۔اس مہر کا مطلب بھی آخری چیز ہے۔

اہل لغت نے وضاحت کی ہے کہ ختم کا معنی طبع ہی ہوتا ہے یعنی کسی چیز کو بند کر دینا۔

علامہ ابن منظور الافریقی لکھتے ہیں:

"قال ابو اسحق معنى ختم وطبع في اللغة و احد وهو التغطية على الشئ والاستيثاق من ان لايد خلها شئ۔"(۳۱)

''ابو اسحٰق کہتے ہیں کہ لغت میں ختم اور طبع کا معنی ایک ہی ہے اور وہ کسی چیز کو ڈھانپ دینا اور اسے اچھی طرح بند کر دینا تا کہ اس میں باہر سے کوئی چیز داخل نہ ہو سکے۔''

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ لغت میں خَتَم سے مراد کسی چیز کو ختم کرنا اور اسے اختتام تک پہنچانا ہے اور شریعت میں ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کا جو سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع کیا تھا وہ حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی پر ختم کر دیا۔آپ کے بعد نہ کوئی نیا نبی آئے گا اور نہ ہی رسول حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نزول ختم نبوت کے منافی نہیں ہے کیونکہ وہ نئے نبی نہیں ہوں گے بلکہ وہ پہلے دنیا میں تشریف لا چکے ہیں۔اب ان کا دوبارہ نزول نبی کی حیثیت سے نہیں ہوگا بلکہ وہ نماز بھی حضور اکرم ﷺ کے ایک امتی کی اقتدار میں پڑھیں گے۔

مبحث دوم

ختم نبوّت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن وسنت کی روشنی میں

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر مختلف اسالیب سے اس حقیقت کو واضح فرمایا گیا کہ حضور اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے سب سے آخری رسول ہیں آپ کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ ہی کوئی رسول اختصار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے چند آیات طیبات ملاحظہ ہو۔

قرآن مجید کی وہ تمام آیات جن میں رسول کریم ﷺ کی اتباع واطاعت کو نجات کے لیے کافی قرار دیا گیا۔ وہ بھی آپ کی خدمت نبوت کی دلیل ہیں کیونکہ اگر حضور اکرم ﷺ کے بعد کسی نبی یا رسول نے نے آنا ہوتا تو اس کی اتباع بھی لازمی اور واجب ہوتی۔ جب آپ کی اطاعت ہی فلاح دارین کے لیے کافی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ آخری نبی ہیں مثلاً ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا“(۳۲)

”اور اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔“

اگر آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی یا رسول آنا ہوتا تو صرف رسول کریم ﷺ کی اطاعت ہی ہدایت کے لیے کافی نہ ہوتی چونکہ آپ کی اطاعت ہدایت اور نجات کے لیے کافی ہے تو اس سے واضح ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔

قرآن مجید کی وہ آیات جن میں وحی کو نبی کریم ﷺ اور ماقبل انبیاء ورسل کے ساتھ محدود کر دیا گیا وہ بھی ختم نبوت کی دلیل ہیں کیونکہ اگر کوئی نبی یا رسول آنا ہوتا تو لازمی طور پر اس پر بھی وحی کا نزول ہوتا کیونکہ وحی کے بغیر تو رسالت ونبوت کا کوئی تصور ممکن نہیں ہے۔ جب آپ کے بعد بھی وحی آئی تھی تو بغیر وحی کو آپ کے ساتھ اور ماقبل انبیاء کے ساتھ مخصوص نہ کیا جاتا مثلاً ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ“(۳۳)

”(متقین کی ایک نشانی یہ ہے کہ) وہ اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ پر اتاری گئی اور جو آپ سے پہلے نازل کی گئی۔“

ایسی آیات بھی ختمِ نبوت کی دلیل ہیں کیونکہ اگر آپ کے بعد کوئی وحی آنی ہوتی تو نجات کو آپ پر اتاری گئی اور آپ سے پہلے اتاری گئی وحی کے ساتھ خاص نہ کیا جاتا۔

ایسے ہی وہ تمام آیات جن میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت عامہ کو بیان کیا گیا وہ بھی ختم نبوت پر دلیل ہیں کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو پوری کائنات کے لیے قیامت تک رسول بنا کر بھیجا تو کوئی رسول اگر آئے گا تو وہ کس

کی طرف آئے گا مثلاً ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"قُـــلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُـــمْ جَـــمِیْعًا"(۳۴)

''اے فرما دیجئے اے لوگو میں تم تمام کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔''

جب تمام لوگوں کی طرف رسول کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول بن کے تشریف لائے تو ظاہر ہے اور کسی رسول یا نبی کے نہ آنے کی یہ واضح دلیل ہے کیونکہ اگر کوئی اور رسول یا نبی آئے گا تو آخر وہ کس طرف آئے گا۔

ایسے ہی جن آیات میں نبی کریم ﷺ کو تکمیل دین کی بشارت دی گئی وہ بھی ختم نبوت کی دلیل ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُـمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا" (۳۵)

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کیا۔''

یہ آیہ کریمہ بھی ختم نبوت پر دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء ورسل کی بعثت کا مقصد دعوت دین تھا جب دین ہر پہلو سے مکمل اور محفوظ ہو گیا اور کسی رسول کے آنے کی ضرورت نہ رہی۔علامہ ابن کثیر اسی آیہ کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"لھم دینھم فلایحتاجون الی دین غیـــرہ والا الی نبی غیر نبیھم صـــلوات اللّٰہ وسلامہ علیہ ولھذا جعلہ اللّٰہ خاتم الانبیاء وبعثہ الی الانس و الجن۔" (۳۶)

''ان کے لیے انہیں کا دین ہے اب نہ وہ کسی اور دین کے محتاج ہیں نہ اپنے نبی ﷺ کے علاوہ کسی اور نبی کے محتاج ہیں۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو آخری نبی بنایا اور تمام جن وانس کی طرف معبوث فرمایا۔''

اس سے واضح ہوا کہ تکمیل دین ختم نبوت کی دلیل ہے یہ آیہ کریمہ بھی ختم نبوت پر ایک نا قابل تردید ہے۔

"مَا کَانَ مُـحَـمَّـدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَ لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَ کَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا" (۳۷)

''(حضرت) محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور آخری نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا بخوبی علم رکھنے والا ہے۔''

شروع سے آج تک جمیع مفسرین اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں حضور اکرم ﷺ کے آخری نبی ہونے کو بیان کرتے آئے ہیں ۔علامہ طبری لکھتے ہیں:

"وخــــاتــم النبيين...... الذی ختم النبوة فطبع عــــليها فلا تفتح لاحــد بعده الی قيام الساعه...... وفي قـــــراءة عبد الله ولكن نبياء ختم النبيين." (۳۸)

''کہ خاتم النبیین سے مراد وہ ذات ہے جس نے نبوت کو ختم کر ڈالا اور اس پر مہر لگا دی پس وہ قیامت تک آپ کے بعد کسی کے لیے نہ کھولی جائے گی اور حضرت ابن مسعود کی قرأت یہ ہے: ''ولکن نبیا ختم النبیین''۔کہ لیکن آپ ﷺ وہ نبی ہیں جنہوں نے انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا۔''

علامہ نیشا پوری (متوفی ۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

"(خـاتـم الـنبيين) لان الـنبي اذا علم ان بعده نبياء فقد يترك بـعـض البيان والارشاد اليه بـخلاف مالو علم ان ختم النبوة عليه (وكان الله بكل شئ عليما) ومن جملة معلوماته ان لا نبي بعد محمد ﷺ." (۳۹)

''(خاتم النبیین) اگر کسی نبی کو یہ معلوم ہو کہ اس کے بعد بھی کوئی نبی آنے والا ہے تو وہ نصیحت اور رہنمائی میں سے کچھ چھوڑ بھی دیتا ہے بخلاف اس کے جسے معلوم ہو کہ اس کی معلومات میں سے یہ بھی ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔''

علامہ ابن کثیر اس آیہ کریمہ سے ختم نبوت پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فهذه الاية نص في انه لا نبي بعده و اذا كان لا نبي بعده فلا رسول بعده بالطريق الأولى والا حرى لان مقام الرسالة اخص من مقام النبوة." (۴۰)

یہ آیہ کریمہ اس مسئلہ میں نص ہے کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا جب نبی نہیں آئے گا تو رسول بدرجہ اولیٰ نہیں آئے گا کیونکہ مقام رسالت مقام نبوت سے خاص ہے۔''

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

"(خاتم النبيين) قال ابن عطيه هذه الفاظ عند جماعة علماء الامة سلفا وخلفا متلقاه على الـعـموم التام مقتضية نصا انه لا نبي بعده ﷺ...... وقرء ابن مسعود، من رجالكم ولكن نبيا ختم النبيين." (۴۱)

''(خاتم النبیین) ابن عطیہ کہتے ہیں کہ ہمیشہ اور ہر دور میں علماء امت اس بات پر متفق رہے کہ یہ الفاظ اس بارے میں نص ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور حضرت ابن مسعودؓ کی قرأت کے الفاظ ہیں: ''من رجالکم ولکن نبیا ختم النبیین ......'' بلکہ آپ وہ نبی ہیں جنہوں نے انبیاء کی آمد کا سلسلہ ختم کر دیا۔''

قرآن مجید کی ان آیات طیبات سے بالکل واضح اور عیاں ہے کہ نبی کریم ﷺ آخری نبی ہیں آپ کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔

عقیدہ ختم نبوت احادیث مبارکہ کی روشنی میں:

قرآن کریم کے بعد اسلامی قانون کا دوسرا ماخذ حدیث ہے اگر حضور اکرم ﷺ بڑے واضح اور واشگاف الفاظ میں اپنے آخری نبی ہونے کا اعلان نہ فرماتے تو ممکن تھا کہ کوئی جھوٹا قرآن کریم کے خود ساختہ معانی بیان کر کے لوگوں کو گمراہ کرتا رہتا لیکن جب نبی کریم ﷺ کا منصب معلم کتاب وحکمت ہے تو یہ کیسے ممکن تھا کہ آپ ''خاتم النبیین'' کی واضح اور دوٹوک وضاحت نہ فرمائیں؟

اس لیے حضور اکرم ﷺ نے متعدد مواقع پر اس چیز کا اعلان فرمایا کہ میں آخری نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ چند احادیث مبارکہ ملاحظہ ہوں:

پہلی حدیث مبارکہ:

''کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلك نبی خلفہ نبی وانہ لا نبی بعدی وسیکون خلفاء........ الخ۔''(۴۲)

''بنی اسرائیل کا سیاسی نظام ان کے انبیاء چلاتے تھے جب ایک نبی کا وصال ہو جاتا تو دوسرا نبی ان کا جانشین ہو جاتا اور یقیناً میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔''

یہ حدیث مبارکہ کتنی وضاحت سے حضور ﷺ کے آخری نبی ہونے کو بیان کر رہی ہے اور **لا نبی بعدی** کے اعلان کے بعد کسی کو کسی بھی قسم کا نبی ماننا کفر نہیں ہے تو اسے کیا کہا جائے گا۔

دوسری حدیث مبارکہ:

''عن ابی ھریرۃؓ ان رسول اللہ ﷺ قال مثلی و مثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بنیانا فاحسنہ و اجملہ الا موضع لبنۃ من زاویۃ من زوایاہ فجعل الناس یطوفون بہ و یعجبون لہ ویقولون ھلا وضعت ھذہ اللبنۃ قال فانا اللبنۃ و انا خاتم النبیین۔''(۴۳)

''حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے ایک مکان بنایا اور کیا ہی حسین وجمیل مکان بنایا۔مگر اس کے کونوں میں سے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی۔لوگ اس کے گرد گھوم کر خوش ہو رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ یہ ایک اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی۔آپ نے فرمایا میں (قصر نبوت کی آخری) وہ اینٹ ہوں اور میں آخری نبی ہوں۔''

امام مسلم ایک دوسری روایت کے آخر میں یہ الفاظ بھی روایت کرتے ہیں:

''فانا موضع اللبنة جئت فختمت الانبیاء.''(۴۴)

''میں اس اینٹ کی جگہ ہوں اور میں نے انبیاء (کی آمد) کا سلسلہ ختم کر دیا۔''

یہ حدیث مبارکہ کتنے واضح الفاظ میں اعلان کر رہی ہے کہ حضور ﷺ کی آمد نے قصر نبوت کی تکمیل کر دی اب یہ محل ہر پہلو سے مکمل ہے اور اس میں کسی قسم کا اضافہ نہیں ہوگا۔

تیسری حدیث مبارکہ

''عن ثوبانؓ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ لا تقوم الساعة حتی تلحق قبائل من امتی بالمشرکین و حتی یعبدوا الاوثان و انه سیکون فی امتی ثلاثون کذابون کلهم یزعم انه نبی و انا خاتم النبیین لا نبی بعدی هذا حدیث صحیح.'' (۴۵)

''حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ میری امت کے کچھ قبیلے مشرکوں سے مل جائیں اور یہاں تک کہ وہ بتوں کی عبادت کرنے لگ جائیں اور یقیناً عنقریب میری امت میں تیس جھوٹے آئیں گے ان میں سے ہر ایک یہ گمان کرے گا کہ وہ نبی ہے اور میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا یہ حدیث صحیح ہے۔''

یہ حدیث پاک جس صراحت سے حضور نبی کریم ﷺ کے آخری نبی ہونے کو بیان کر رہی ہے، وہ محتاج بیان نہیں۔ ایک تو آپ نے فرمایا کہ میرے بعد تیس جھوٹے آئیں گے اور ان میں سے ہر ایک یہ گمان کرے گا کہ وہ نبی ہے یعنی میرے بعد جو بھی گمان کرے کہ وہ نبی ہے اس کا یہ گمان کرنا ہی اس کے جھوٹا ہونے کی دلیل ہوگا۔اگر حضور ﷺ کے بعد کسی سچے نبی نے بھی آنا ہوتا تو آپ فرماتے کہ کچھ سچے نبی آئیں گے اور کچھ جھوٹے ہوں گے۔خبردار سچے جھوٹے میں پہچان کر لینا۔یہ نہیں فرمایا بلکہ فرمایا: تیس جھوٹے آئیں گے اور وہ اپنے نبی ہونے کا گمان کریں گے یعنی جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے گا جھوٹا ہوگا اور آپ نے فرمایا: من امتی۔ کہ وہ میرے امتی ہونے کا دعویٰ بھی کریں گے۔اس میں قادیانیوں کے اس دھوکے کا

بھی رد ہے کہ ہم بھی حضور ﷺ کو اپنا نبی مانتے ہیں یہ دعویٰ امتی بھی ان جھوٹوں کی ایک نشانی ہو گا۔

محدثین نے لکھا ہے کہ یہاں تیس جھوٹوں سے مراد وہ ہیں جو دجل وفریب میں انتہاء کو پہنچیں گے اور قوت وشوکت حاصل کریں گے شاید کذاب کا لفظ جو کہ مبالغہ کا صیغہ ہے، بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہو۔ ورنہ مطلق دعویٰ نبوت کرنے والے تو بہت سے لوگ ہوئے ہیں۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

ولیس المراد بالحدیث من ادعی النبوة مطلقا فانهم لا یحصون کثیرة لکونهم غالبهم ینشألهم ذالك عن جنون و سوداء وانما المراد من قامت له الشوکة۔"(۴۶)

''اور ہر مدعی نبوت مطلقاً اس حدیث سے مراد نہیں۔ اس لیے کہ آپ کے بعد نبوت کا دعوی کرنے والے تو بے شمار ہوئے ہیں کیونکہ یہ دعویٰ عموماً جنون یا سوداویت سے پیدا ہوتے ہیں بلکہ اس حدیث میں تیس سے مراد وہ ہیں جن کی شوکت قائم ہو جائے۔''

چوتھی حدیث مبارکہ:

"عن ابی هریرةؓ ان رسول اللّٰہ ﷺ قال فضلت علی الانبیاء بست اعطیت جوامع الکلم و نصرت بالرعب واحلت لی الغنائم و جعلت لی الارض طهورا و مسجدا وارسلت الی الخلق کافة وختم بی النبیون"(۴۷)

''حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے چھ باتوں میں دیگر انبیاء کرام پر فضیلت دی گئی ہے۔ میرا رعب طاری کر کے میری مدد کی گئی۔ میرے لیے مال غنیمت کو حلال کر دیا گیا۔ میرے لیے تمام روئے زمین پاک اور مسجد بنا دی گئی۔ مجھے تمام مخلوق کی طرف معبوث کیا گیا اور مجھ پر نبوت ختم کر دی گئی۔''

ملا علی قاریؒ متوفی ۱۰۱۴ھ اس حدیث پاک کی شرح لکھتے ہوئے ختم بی النبیون کی شرح میں لکھتے ہیں:

''ای وجودهم فلا یحدث بعدی نبی...... قال الطیبی: اغلق باب الوحی وقطع طریق الرسالة وسد واخبر باستغناء الناس عن الرسل۔"(۴۸)

''انبیاء کی آمد روک دی گئی۔ پس میرے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا...... طیبی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے وحی کا دروازہ بند کر دیا اور رسالت کا راستہ منقطع کر دیا اور بند کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو خبردار کیا کہ اب انہیں (جدید) رسولوں کی ضرورت نہیں ہے۔''

پانچویں حدیث مبارکہ:

امام ترمذیؒ روایت کرتے ہیں:

”عن انس ابن مالکؓ قال قال رسول اللہ ﷺ ان الرسالة و النبوة قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی قال فشق ذالك علی الناس فقال لکن المبشرات فقالوا یا رسول اللہ وما المبشرات قال رؤیا المسلم وھی جزء من اجزاء النبوة۔“(۴۹)

”حضرت انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تحقیق، رسالت اور نبوت ختم ہوگئی تو میرے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ ہی رسول۔ لوگوں پر یہ بات گراں گزری تو حضور ﷺ نے فرمایا: لیکن مبشرات باقی ہیں تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مبشرات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ مسلمان کا خواب ہے اور یہ بھی نبوت کے اجزاء میں سے ایک جز ہے۔“

نبوت غیب کے ساتھ ربط کا نام ہے اس حدیث مبارک میں نبی کریم ﷺ نے واضح الفاظ میں بیان فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔ اب صرف سچے خوابوں سے ہی تم پر کچھ حقائق بے نقاب کیے جائیں گے۔

اس میں منکرین ختم نبوت کی خود ساختہ نبوت کی تقسیم کی بھی نفی ہے۔ اگر نبوت کی کوئی بھی قسم باقی ہوتی تو سرکار فرمادیتے کہ اب حقیقی نبوت ختم ہوگئی ہے۔ صرف ظلی یا بروزی نبوت باقی ہے لیکن سرکار کا نبوت کی مطلق نفی کرنا اور صرف رویائے صالحہ کا اثبات منکرین ختم نبوت کے دعویٰ کی صاف نفی ہے۔

ان حضرات کی یہ منطق بھی بڑی عجیب ہے کہ وہ اس حدیث سے اجزائے نبوت کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ خواب بھی نبوت کا ایک جزء ہے لہٰذا کسی نہ کسی قسم کی نبوت تو باقی مانی جانی چاہیے۔

سوال یہ ہے کہ ایک جزء پر کل کا اطلاق جائز ہے مثلاً مکان اینٹ، پتھر، سیمنٹ، بجری اور لوہا وغیرہ سے بنتا ہے تو کیا صرف اینٹ یا پتھر کو آپ مکان کہہ سکتے ہیں پانی آکسیجن اور ہائیڈروجن کا مجموعہ ہے کیا صرف آکسیجن کو پانی کہا جاسکتا ہے۔ کھانا، آٹا، نمک، مرچ اور سبزی وغیرہ سے بنتا ہے تو کیا صرف نمک یا مرچ کو آپ کھانا کہہ سکتے ہیں اگر ان چیزوں میں صرف جزء پر کل اطلاق پاگل پن ہے اور نبوت کے ایک جزء صرف خواب کو نبوت کہنا کہاں کی دانشمندی ہے؟ بہر حال یہ حدیث مبارک بھی ختم نبوت پر واضح دلیل ہے۔

چھٹی حدیث مبارکہ:

”عـــن عقبة ابن عـــامر قال قال رسول اللهﷺ لو كان نبي بعدی لكان عمـــر ابن الخـــطاب .“(۵۰)

”حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: اگر میرے بعد نبی ہوتا تو وہ عمر بن خطاب ہوتے۔“

ساتویں حدیث مبارکہ:

”......فقال له رسول اللهﷺ اما ترضى ان تكون منى بمنزلة هارون من موسى الا انه لا نبوة بعدی الخ .“(۵۱)

”......رسول کریمﷺ نے فرمایا: کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہے جو حضرت ہارون علیہ السلام وحضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔“

ان احادیث مبارکہ میں غور فرمایئے کہ نبی کریمﷺ نے کس وضاحت سے اپنے آخری نبی ہونے کو بیان فرمایا ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر رضی اللہ عنہ نبی ہوتے۔یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں نبی ہونے کی اہلیت موجود ہے لیکن چونکہ نبوت ختم ہے لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی نہ ہوئے۔جیسے فرض کریں ایک جگہ پر کسی صدر مدرس کا ایک عہدہ خالی ہے۔بہت سے لوگ ایسے وہاں آجائیں جو اس عہدہ کی تمام مطلوبہ شرائط پوری کرتے ہوں۔لیکن چونکہ عہدہ ایک ہے لہٰذا ایک بندہ ہی اس پر فائز ہوگا۔یہ دوسروں کے نااہل ہونے کی دلیل تو نہیں ہوگی۔

اس میں قادنیوں کی اس دلیل کا بھی رد ہے کہ جب بنی اسرائیل میں نبی آتے رہے تو آخر اس امت میں کوئی نبی کیوں نہیں ہوگا کیا امت محمدیہ بنی اسرائیل سے کم مرتبہ ہے۔نہیں یقیناً نہیں۔امت محمدیہ خیر الامم ہے ان میں نبی کا نہ ہونا اس لیے نہیں کہ اس امت میں کوئی اہلیت نہیں بلکہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نظام میں نبی کریمﷺ کو آخری نبی بنایا ہے۔

ورنہ اس امت میں صلاحیت ہے یا نہیں۔اسے سمجھنے کے لیے یہ روایت ملاحظہ ہو:

حضرت ابن عباس حدیث شفاعت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب سب لوگ حضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ ہماری شفاعت فرمایئے تو حضورﷺ نے فرمایا:

"فاقول انا لها انا لها الی ان قال علیه الصلوٰة والسلام فنحن الآخرون والا ولون واوّل من یحاسب و تفرج لنا الامم علی طریقتنا و تقول الامم کادت هٰذه الامة ان تکون انبیاء کلها." (۵۲)

"تو میں کہوں گا ہاں یہ کام میں کروں گا۔ ہاں یہ کام میں کروں گا یہاں تک کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ہم سب سے آخر ہیں اور سب سے پہلے اور وہ امت جس کا حساب سب سے پہلے ہوگا اور تمام امتیں ہمارے لیے تعظیماً راستہ چھوڑ دیں گی اور سب امتیں کہیں گی کہ لگتا ہے کہ یہ امت ساری ہی نبیوں میں شمار ہو۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نبوت، کے اہل ہونے کے باوجود، منصب نبوت پر فائز نہ ہونا صرف اس لیے ہے کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی آ ہی نہیں سکتا تھا تو جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں یہ اہلیت موجود تھی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ میں بدرجہ اولیٰ ہوگی۔

ختم نبوت کے بیان میں نبی کریم ﷺ اتنی وضاحت فرماتے ہیں کہ جہاں نبوت کا شائبہ بھی پیدا ہوسکتا ہو آپ بڑی صراحت کے ساتھ وہاں ختم نبوت کا اعلان فرماتے ہیں جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ جب حضور ﷺ غزوۂ تبوک کے لیے تشریف لے جانے لگے تو چونکہ یہ بھی امکان تھا کہ بعد میں منافقین مدینہ منورہ میں فساد نہ کریں۔ اس لیے ضرورت تھی کہ ایک ایسا آدمی مدینہ میں رہے جو تمام منافقین کا مقابلہ بھی کر سکے اور وہ حضور ﷺ کے گھر کا فرد بھی ہو، تاکہ ازواج مطہرات کی خدمت بھی کر سکے تو ان وسیع مقاصد کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ مناسب کوئی اور نہ تھا اس لیے حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں رہنے کا حکم فرمایا لیکن منافقین نے اسی چیز کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر طعن کا ذریعہ بنا لیا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اے علی (رضی اللہ عنہ) کیا تم اس بات سے راضی ہو کہ تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہو جو حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھی۔ یعنی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر گئے تھے تو حضرت ہارون علیہ السلام کو چھوڑ گئے تھے اس لیے نہیں کہ حضرت ہارون علیہ السلام بزدل تھے استغفر اللہ۔ بلکہ اس لیے کہ بنی اسرائیل کی قیادت کرنے میں وہ سب سے زیادہ اہل تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی بھی۔ تمہیں مدینہ منورہ میں اس لیے چھوڑا جا رہا ہے کہ تم میرے بھائی بھی ہو اور ازواج مطہرات کی خدمت بھی کر سکتے ہو اور اتنے قابل بھی ہو کہ منافقین کی ہر سازش کا جواب اکیلے دے سکتے ہو۔ اس میں تو تمہارے لیے شرف ہی شرف اور کرامت ہی کرامت ہے اور منافقین جو کچھ بھی کہہ رہے ہیں سب ان کے خبث باطن کا اظہار ہے۔

لیکن حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک اور بھی نسبت تھی اور وہ یہ کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شریک نبوت بھی تھے۔اس لیے یہ شبہہ پیدا ہوسکتا تھا کہ شاید حضرت ہارون علیہ السلام کی طرح حضرت علیؓ بھی ہوں۔تو نبی کریم ﷺ نے اس شبہہ کو فوراً دور فرماتے ہوئے فرمایا: **الا انه لا نبی بعدی** ۔مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا یعنی یہاں اجزائے نبوت کا شائبہ بھی پیدا ہوسکتا تھا۔وہی رسول اللہ ﷺ نے فوراً اس شائبہ کو رد فرمایا۔اس مفہوم کی یہ روایت بھی ملاحظہ ہو:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے سخت درد ہوا۔میں حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔آپ نے مجھے اپنی جگہ کھڑا کیا اور خود نماز پڑھنے میں مشغول ہو گئے اور آپ نے کپڑے کا ایک کنارہ میرے اوپر ڈال دیا۔پھر فرمایا: اے علی! رضی اللہ عنہ تم شفاء پا گئے۔اب تم میں کوئی مرض نہیں رہا۔تم جو دعا میرے لیے اللہ تعالیٰ سے کرو گے میں وہی دعا تمہارے لیے کروں گا اور میں جو دعا کروں گا اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے گا۔**غیر انه قیل لی انه لا نبی بعدی** ۔مگر یہ کہ مجھے یہ کہہ دیا گیا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں ایسا تندرست ہوا کہ گویا کبھی بیمار تھا ہی نہیں۔''**(۵۳)**

کیا نبی کریم ﷺ کی ان واضح وضاحتوں کے بعد کسی نبی کے آنے کا کوئی امکان بھی پایا جاتا ہے؟ اتنے واضح فرمودات کے بعد پھر کسی اور کو نبی ماننا کفر نہیں ہے تو اسے کیا کہا جائے گا؟

آٹھویں حدیث مبارکہ:

''عن ابی امامة الباھلی قال خطبنا رسول اللّٰہ ﷺ فکان اکثر خطبة حدیثا حدثناہ عن الدجال و حرزناہ الی قولہ ﷺ انا اخر الانبیاء و انتم آخر الامم وھو خارج فیکم لا محالة الی قولہ ﷺ انہ ساصفه لم یصفھا ایاہ نبی قبلی انه یبدء فیقول انا نبی ولا نبی بعدی الخ۔''(۵۴)

''حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہمیں ایک طویل خطبہ دیا جس میں ہمیں دجال کے متعلق بتایا اور ہمیں دجال سے ڈرایا۔آپ نے اسی خطبہ میں فرمایا آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو۔دجال لازمی طور پر تم میں ہی نکلے گا۔میں عنقریب تم سے اس کی ایسی نشانیاں بیان کروں گا۔جو مجھ سے پہلے کسی نبی نے بیان نہیں کیں وہ ابتداء میں کہے گا: میں نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔''

اس حدیث پاک میں ''انا آخر الانبیاء وانتم آخر الامم'' کہ میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو: کے الفاظ خصوصی طور پر توجہ کے لائق ہیں۔ کیا یہ الفاظ خاتم النبیین کی تفسیر نہیں ہیں؟ اور کیا لفظ خاتم کی تفسیر میں پیدا کیے گئے تمام دجل وفریب کے حال کو ریزہ ریزہ نہیں کر رہے ہیں، خاتم النبیین کی وہ تفسیر جو نبی کریم ﷺ نے خود فرمائی وہ آخر النبیین ہے۔ اب یہ انسان کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی بیان فرمودہ تفسیر کو اختیار کرتا ہے یا کسی گمراہی کے راستے کو اختیار کرتا ہے۔

نویں حدیث مبارکہ:

''عن جبیر ابن مطعم قال سمعت النبی ﷺ یقول ان لی اسماء فقال انا محمد وانا احمد و انا الماحی الذی یمحو اللّٰہ بی الکفر وانا الحاشر الذی یحشر الناس علی قدمی وانا العاقب و العاقب و العاقب الذی لیس بعدہ نبی متفق علیہ۔''(۵۵)

''حضرت جبیر ابن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: میرے بہت سے اسماء ہیں میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں مٹانے والا ہوں، اللہ تعالیٰ میرے سبب سے کفر کو مٹائے گا۔ میں حاشر ہوں، میرے قدموں پر لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا۔ میں عاقب ہوں اور عاقب وہ ہوتا ہے جس کے بعد کوئی نہ نبی ہو۔''

شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی عاقب کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہاں مراد یہ ہے کہ حضور ﷺ تمام انبیاء کے بعد تشریف لائے۔''(۵۶)

دسویں حدیث مبارکہ:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''خرج علینا رسول اللّٰہ ﷺ یوما کالمودع فقال انا محمد النبی الامی قالہ ثلاث مرات ولا نبی بعدی الحدیث۔''(۵۷)

''ایک دن رسول کریم ﷺ کسی الوداع ہونے والے شخص کی طرح ہمارے پاس تشریف لائے۔ آپ نے تین بار فرمایا میں نبی امی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

"انی آخر الانبیاء وان مسجدی آخر المسجد."(۵۸)

''میں آخری نبی ہوں اور میری مسجد (کسی نبی کی بنائی ہوئی) آخر مسجد ہے۔''

یہاں آخر المساجد سے یہ مراد ہے کہ کسی نبی کی بنائی ہوئی یہ آخری مسجد ہے کیونکہ نہ نبی آئے گا اور نہ اس کی مسجد بنے گی۔اس کی یہ وضاحت خود نبی کریمﷺ نے فرمائی:

"عن عائشة قالت قال رسول اللّٰہ انا خاتم الانبیاء و مسجدی خاتم مسجد الانبیاء." (۵۹)

''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریمﷺ نے فرمایا: میں آخری نبی ہوں اور میری مسجد انبیاء کی آخری مسجد ہے۔''

اختصار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے احادیث کے وسیع ذخیرہ میں سے صرف دس احادیث مبارکہ پیش کی گئی ہیں۔کیا ان احادیث مبارکہ کو پڑھنے کے بعد یہ حقیقت روز روشن سے بڑھ کر عیاں نہیں ہو جاتی کہ حضورﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور قرآن مجید میں بیان فرمودہ الفاظ خاتم النبیین کی تفسیر جو خود حضورﷺ نے فرمائی وہ آخر النبیین ہی ہے۔

حضورﷺ کے اتنے واضح ارشادات کے بعد بھی آپ کے بعد کسی کو نبی ماننا سوائے گمراہی اور کفر کے اور کچھ نہیں ہے۔

مبحث سوم
ختم نبوّت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر
عقلی اور اجماعی دلائل

قرآن وسنت میں توختم نبوت پر نا قابل تردید دلائل موجود ہیں۔تا ہم عقل انسانی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ رسول کریم ﷺ کی ذات اقدس پر سلسلہ نبوت و رسالت کا اختتام اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی رحمت ہے۔اس لیے پوری امت مسلمہ ہمیشہ اور ہر دور میں عقیدہ ختم نبوت پر متفق رہی اور رسول کریم ﷺ کے بعد کسی نبی یا رسول کے نہ آنے پر ہمیشہ اجماع امت رہا۔

تکمیل دین اور عقیدہ ختم نبوت:

تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد وحید صرف یہ تھا کہ لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا دین پہنچا دیا جائے۔ہر نبی کا دین اپنے زمانہ کی حد تک مکمل تھا لیکن چونکہ ان انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت کا دائرہ اپنے زمانہ تک ہی محدود تھا۔اس لیے ان کی تعلیمات میں وہ وسعت اور ہمہ گیری نہیں تھی جو قیامت تک پیدا ہونے والے مسائل کا جواب دے سکتی۔ دوسرے لفظوں میں ان کے دین اپنے دور تک تو مکمل تھے لیکن قیامت تک مکمل نہیں تھے جبکہ اللہ تعالیٰ نے جو دین امام الانبیاء ﷺ کو عطا فرمایا۔وہ ہر پہلو سے قیامت تک کے لیے مکمل تھا۔جس کا اعلان اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ''(۶۰)

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو پورا کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔''

ظاہر ہے جب دین کو پورا کر دیا گیا جو کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد اصلی تھا تو اب اور کسی نبی کے آنے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی ہے۔علامہ الامام محمد مہدی الفاسی کا خوبصورت استدلال ملاحظہ ہو:

''قال اهل البصائر لما كان فائدة الشرع دعوة الخلق الى الحق و ارشادهم الى مصالح المعاش والمعاد و اعلامهم الامور التي تعجز عنها عقولهم و تقرير الحجج القاطعة وقد تكلفت هذه الشريعة الغراء بجميع هذا الامور على الوجه الاتم الاكمل بحيث لا يتصور عليه مزيد كما يفصح عنه قوله تعالى ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ﴾ فلم تبق بعده حاجة للخلق الى بعث نبی بعده فلذلك ختم به النبوة''(۶۱)

''اصحاب بصیرت کہتے ہیں۔جب شریعت کا فائدہ مخلوق کو حق کی طرف دعوت دینا ہے۔انہیں دنیا اور آخرت کی مصلحتوں کی طرف رہنمائی کرنا ہے اور انہیں ان امور کی خبر دینا ہے جنہیں سمجھنے سے عقل انسانی قاصر ہے۔ان امور پر قطعی دلائل دینا ہے اور اس روشن شریعت نے ان تمام امور کو بہترین

طریقے سے پورا کر دیا اس پر مزید کسی زیادتی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ الخ﴾ ''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔'' پس اس کے بعد کسی مخلوق کے لیے کسی نبی کی ضرورت باقی نہ رہی۔ اس لیے آپ ﷺ پر سلسلہ نبوت کو ختم کر دیا گیا۔''

تو دین کا مکمل ہو جانا اور قیامت تک انسانی ضرورتوں کے لیے کافی ہونا اس چیز کا تقاضا کرتا ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔ اگر کوئی بندہ یہ کہتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کے بھیجا ہے۔ گویا وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ دین پہلے مکمل نہیں تھا میں اسے مکمل کروں گا۔ کیونکہ اگر وہ یہ مان لے کہ دین تو پہلے ہی مکمل تھا تو پھر اس کی نبوت کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ تو دین کا مکمل ہونا کسی نئے نبی کے آنے سے منع کرتا ہے۔

رسالت عامہ کے حوالہ سے:

جب یہ بات مسلم ہے کہ نبی کریم ﷺ پوری کائنات کے لیے اور قیامت تک کے لیے رسول بن کر تشریف لائے جیسا کہ قرآن وسنت کی نصوص قطعیہ اس پر شاہد ہیں ارشاد ہوتا ہے:

''قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا''(۶۲)

''فرما دیجئے اے لوگو! میں تم تمام کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔''

''وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا''(۶۳)

''اور ہم نے آپ کو ساری انسانیت کے لیے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔''

''تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا''(۶۴)

''وہ ذات بڑی برکت والی ہے جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والا ہو جائے۔''

اور حضور ﷺ نے خود بھی فرمایا:

''ارسلت الی الخلق کافۃ۔''(۶۵)

''مجھے پوری مخلوق کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا۔''

سوال یہ ہے کہ جب نبی کریمﷺ کی نبوت و رسالت کا دائرہ قیامت تک کے لیے ہر فرد تک پھیلا ہوا ہے تو جو نیا رسول آئے گا وہ کس کی طرف آئے گا کیونکہ رسول تو امتی کا تشخص ہوتا ہے تو نیا رسول کس امتی کا تشخص بنے گا کیونکہ قیامت تک کے ہر فرد کا تشخص تو ذات رسالت مآبﷺ ہے۔

اور یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ حضورﷺ کی رسالت عامہ کا مطلب یہ ہے کہ قیامت تک آنے والے ہر فرد کے لیے حضورﷺ کا سایۂ رحمت کافی ہے۔اب کسی اور فرد کو نبی ماننا گویا رحمۃ للعالمین کے سایۂ رحمت سے نکل کر کسی دوسرے کے پاس جانا ہے۔خدارا! سوچئے کہ اس سے بڑھ کر خسارے کا سودا اور کیا ہوگا کہ بندہ حضورﷺ کی ذات اقدس سے منہ موڑ کر کسی اور کی طرف چلا جائے۔تو سرکار ابد قرارﷺ کی رسالت عامہ کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ آئے۔گویا جب قیامت تک آنے والا کوئی ایسا فرد بچا ہی نہیں جس کی طرف حضورﷺ رسول بن کر تشریف نہ لائے ہوں۔تو نیا نبی آخر کس کی طرف آئے گا؟

حفاظت دین کے حوالے سے:

پہلے انبیاء کرام علیہم السلام پر جو کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے ان کی حفاظت کی ذمہ داری ان کے حاملین کے سپرد تھی۔جب کہ رسول کریمﷺ پر جو قرآن مجید نازل ہوا اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود رب العزت نے اپنے ذمہ کرم میں لیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ"(٦٦)

''بے شک ہم نے ہی یہ قرآن نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔''

انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا ایک مقصد یہ بھی ہوتا تھا کہ پہلے نبی کی تعلیمات میں جو تحریف و تبدل مرورِ زمانہ کے ساتھ ہو گیا تھا اسے ختم کر کے تعلیمات نبوت کو ان کے اصلی رنگ میں پیش کیا جائے جبکہ حفاظت شریعت کا یہ خدائی اعلان اس حوالہ سے بھی کسی نئے نبی کے آنے کا انکار کرتا ہے اور اگر اس شریعت نے قیامت تک نافذ نہ رہنا ہوتا تو اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ خود نہ اٹھاتا۔

حفاظت کتاب کی ذمہ داری کا یہ اختصاص اس شریعت کے دائمی ہونے کی دلیل ہے جس کا لازمی نتیجہ ختم نبوت ہے۔

ختم نبوت رحمت ہے یا رحمت سے محرومی؟

منکرین ختم نبوت اس بات پر بڑا زور دیتے ہیں کہ نبوت اللہ تعالیٰ کی ایک رحمت ہے پہلی امتوں میں یہ رحمت جاری رہی۔تو اس امت کو اس رحمت سے محروم کیوں کر دیا گیا۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے اس پس منظر میں لکھا ہے:

''کیا خوب عقیدہ ہے!!! اے نادانو! کیا اس امت کی ایسے ہی پھوٹی ہوئی قسمت اور ایسے ہی بدطالع ہیں کہ ان کے حصہ میں تیس دجال ہی رہ گئے۔ دجال تو تیس مگر طوفان صلیب کو فرو کرنے کے لیے ایک بھی مجدد نہ آسکا۔ زہے قسمت! خدا نے پہلی امتوں کے لیے تو پے در پے نبی اور رسول بھیجے۔ لیکن جب اس امت کی نوبت آئی تو اس کو تیس دجال کی خوشخبری سنائی گئی۔''(٦٧)

یاد رہے کہ اس عبارت میں اس حدیث پاک پر تنقید ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں تیس دجال آئیں گے ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ میں نبی ہوں، جبکہ میں آخری نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے جیسا کہ پہلے اس حدیث پاک کا تذکرہ ہو چکا ہے۔

مرزا قادیانی صاحب دراصل یہاں اس بات پر زور دے رہیں کہ تیس دجال آئیں گے تو ایک پیغمبر بھی آنا چاہیے جو ان کے خیال میں وہ خود ہیں تو سوال یہ ہے کہ اگر کسی پیغمبر نے بھی آنا ہوتو اللہ کا نبی اس کے متعلق اپنی محبوب اور پیاری امت کو ضرور بتا کر جاتے۔ سرکار ﷺ تو یہاں کسی بھی نئے نبی کے آنے کی واضح الفاظ میں تردید فرما رہے ہیں بلکہ نبوت کا دعویٰ کرنے والوں کو ہی دجال اور کذاب فرما رہے ہیں تو اس کا مفہوم یہ ہوا کہ دجالوں کا مقابلہ کرنے کے لیے کسی نبی کی ضرورت نہیں بلکہ حضور سید عالم ﷺ کے بے شمار غلام علماء ربانیین، اولیائے عظام، محدثین کرام اور فقہائے امت کی شکل میں موجود ہیں جیسا کہ ہر دور میں دجالوں کے دجل و فریب کے بخیئے ادھیڑتے رہے اور ہر دور میں ادھیڑتے رہیں گے ان شاء اللہ العزیز۔ تو مرزا صاحب کا یہ استدلال دراصل حدیث سے استدلال نہیں بلکہ اپنی نبوت کے جواز میں اس کے مفہوم کو مسخ کرنے کی ایک سعی لاحاصل ہے۔

اب آیئے اس سوال کی طرف کہ نبوت ایک رحمت ہے تو اس امت کو اس رحمت سے کیوں محروم کر دیا گیا اور اس امت میں نبوت کا سلسلہ کیوں بند کر دیا گیا۔

تو اس کے جواب میں اوّلین گزارش یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ نبوت اللہ تعالیٰ کی انسانیت پر ایک عظیم رحمت ہے لیکن کوئی چیز اسی وقت تک رحمت ہوتی ہے جب تک اس کی ضرورت باقی ہو اور جب اس کی ضرورت نہ رہے تو وہ چیز رحمت نہیں رہتی بلکہ عذاب بن جاتی ہے مثلاً بارش اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم رحمت ہے لیکن اس وقت تک جب تک اس کی ضرورت باقی ہو اور جب ضرورت پوری ہو جائے تو بارش رحمت نہیں، عذاب الٰہی کی ایک شکل بن جاتی ہے۔

نبوت بھی اللہ تعالیٰ کی ایک رحمت تھی لیکن جب حضور ﷺ کے پیکر رحمت کے روپ میں اس ضرورت کو قیامت تک کے لیے پورا کر دیا گیا تو اب کسی نئے نبی کی آمد امت کے لیے رحمت نہیں رہے گی بلکہ عذاب بن جائے گی کیونکہ اب

اس کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

جب اسلام کی شکل میں ایک کامل دین انسانیت کو عطا کر دیا گیا اور اس حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے اٹھالی اور حضور ﷺ کی رسالت کا دائرہ قیامت تک آنے والے ہر فرد کے لیے وسیع کر دیا گیا تو آخر نیا نبی کیوں اور کس لیے آئے گا۔

اس پس منظر میں دوسری گزارش یہ ہے کہ قادیانی حضرات اس چیز کے قائل ہیں کہ اب مستقل نبی نہیں آ سکتا صرف ظلی یا بروزی نبی آ سکتا ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ ان کی اپنی تقسیم کے مطابق مستقل نبی نہیں آ سکتا صرف ظلی نبی آ سکتا ہے تو کیا مستقل نبی کا آنا ظلی نبی کے آنے سے بڑی رحمت نہیں ہوگا؟ ظاہر ہے جب ایک ظلی نبی کا آنا رحمت ہے تو مستقل نبی کا آنا تو اس سے بھی بڑی رحمت ہوگا تو سوال یہ ہے کہ اس امت کو آخر اس بڑی رحمت سے کیوں محروم کر دیا گیا؟ قادیانی حضرات اس سوال کا جو بھی جواب دیں۔ وہی جواب مسلمانوں کی طرف سے بھی تصور کر لیں۔

پھر حضور ﷺ کے وصال کے بعد تقریباً تیرہ سو سال یہ امت اس نعمت سے کیوں محروم رہی اور دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ جو نبی کریم ﷺ کے دور کے بعد بہترین زمانے ہیں۔ وہ اس رحمت سے محروم رہے؟ کیا منکرین ختم نبوت کے پاس اس سوال کا کوئی جواب ہے کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام اس نعمت سے کیوں محروم رہے؟ اور پھر آج تک سوائے مرزا صاحب کی آٹھ سالہ دورِ نبوت کا ذبہ کی یہ امت اس رحمت سے کیوں محروم ہے؟

اور یہ آپ سے کس نے کہہ دیا کہ ختم نبوت سے امت کو نعمت نبوت سے محروم کرنا ہے۔ یہ بات تو آپ نے خود ہی سمجھ لی۔ ورنہ ہم تو کہتے ہیں کہ اب بھی اور قیامت تک حضور ﷺ کا دورِ نبوت ہے۔ نبوت کا فیضان جاری ہے اور پوری انسانیت نبوتِ محمدی کے سایہ میں ہے۔ اللہ رب العزت فرماتا ہے:

”هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ“(٦٨)

”وہی ہے جس نے امی لوگوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا۔ وہ ان پر اس کی آیات کی تلاوت کرتا ہے، انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور بے شک وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے اور ان میں سے دوسروں کو بھی (علم و حکمت سکھاتا اور پاک کرتا ہے) جو ابھی ان پہلے لوگوں سے نہیں ملے اور وہ بڑا غالب اور حکمت والا ہے۔“

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ واخرین منھم کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”وَاٰخَرِیْنَ) عطف علی الامیین، یعنی بعث فی آخرین منھم. قال المفسرون: ھم لاعاجم یعنون بھم غیر العرب الی طائفۃ کانت قالہ ابن عباس و جماعۃ. وقال مقاتل یعنی التابعین من ھذا الامۃ الذین لم یلحقوا باوائلھم. وفی الجملۃ معنی جمیع الاقوال فیہ کل من دخل فی الاسلام بعد النبی ﷺ الی یوم القیامۃ فالمراد بالامیین العرب وبالآخرین سوا ھم من الامم“(۶۹)

”آخرین۔امیین پر عطف ہے۔یعنی آپ کی بعثت صرف امیین کے لیے ہی نہیں آخرین کے لیے بھی ہے۔مفسرین نے کہا کہ آخرین سے مراد عجم ہیں۔یعنی جو بھی عربوں کے علاوہ ہیں۔یہ قول حضرت ابن عباسؓ اور مفسرین کی ایک اور جماعت کا ہے اور مقاتل کہتے ہیں کہ اس سے مراد تابعین کا گروہ ہے جو پہلوں (صحابہ رضی اللہ عنہم) کے بعد آیا ہے مختصر یہ کہ ان تمام اقوال کا یہ خلاصہ ہے کہ قیامت تک جو بھی اسلام میں داخل ہوگا وہ آخرین میں شامل ہے۔امیین سے مراد عرب ہیں اور آخرین سے مراد دوسرے تمام لوگ ہیں۔“

قرآن کریم کے اس فرمان اور امام رازی علیہ الرحمہ کی اس تفسیر سے واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ قلب کا فیض صرف اس دور کے حضرات تک محدود نہیں بلکہ قیامت تک ہر اس فرد تک محیط ہے جو اسلام میں داخل ہوتا ہے۔

تو ختم نبوت سے مراد امت کو رحمت نبوت سے محروم کرنا نہیں ہے بلکہ رحمۃ للعالمین کی رحمتوں کے سایہ میں پناہ دینا ہے۔اب فیصلہ ہر انسان نے خود کرنا ہے کہ وہ حضور ﷺ کے سایۂ رحمت میں رہنا چاہتا ہے یا سرکار سے منہ موڑ کر کسی اور سراب سے اپنی تشنگی کا سامان کرنا چاہتا ہے۔

اب ختم نبوت رحمت ہے نہ کہ اجرائے نبوت:

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اپنے ہم عصر انسان کی عظمت کو پہنچانا بہت مشکل اور بڑی بصیرت کا کام ہے۔جب ایک شخصیت کی عظمت ایک مسلمہ حقیقت بن جائے اور اس کے گرد تاریخ کا ایک ہالہ بن جائے تب اسے پہچانا مشکل نہیں رہتا لیکن اپنا ہم عصر بندہ جو کسی اہم عظمت کا امین ہو اسے پہچانا بہت مشکل ہے۔

یہی وہ نفسیاتی حقیقت ہے جس کے تحت لوگ اپنے سے پہلے پیغمبروں کو مانتے رہے لیکن اپنے ہم عصر پیغمبر کا انکار کرتے رہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انکار کرتے رہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو

مانتے رہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے والے میں آپ کے زمانے والے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرتے رہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مانتے رہے کیونکہ اپنے زمانے کے پیغمبر کو ماننا سب سے مشکل کام ہوتا تھا۔

اور دوسری طرف پیغمبر کو ماننا یا نہ ماننا کوئی اختیاری قسم کا فعل نہیں ہے کہ آپ چاہیں تو مان لیں نہ چاہیں تو انکار کر دیں بلکہ جب کسی قوم میں کوئی پیغمبر تشریف لاتا تھا۔ تو اس پیغمبر کی ذات ہی ایمان اور کفر کی کسوٹی بن جاتی تھی کہ مانا تو مومن، نہ مانا تو کافر۔ ایک بندہ قائم الیل اور صائم النہار بن جائے لاکھوں روپیہ راہِ خدا میں خرچ کر دے لیکن جب تک اپنے پیغمبر کو نہیں مانے گا کافر ہوگا اور اس کی تمام عبادتیں اور ریاضتیں اس کے منہ پر ماری جائیں گی۔

گویا ایک طرف تو اپنے ہم عصر پیغمبر کو ماننا اتنا مشکل اور دوسری طرف اسے نہ ماننے کی سزا اتنی کڑی۔

تو اللہ تعالیٰ نے حضور رحمۃ للعالمین کو مبعوث فرما کر انسانیت کو اس سخت اور بہت بڑے امتحان سے بچا لیا کہ اب تم اپنے زمانے کے نئے پیغمبر کو ماننے کے امتحان سے بچ گئے ہو اب قیامت تک انہیں کی رسالت کا جھنڈا چار دانگ عالم میں لہراتا رہے گا۔ اس بات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا کہ ختم نبوت بنی نوع انسان کے لیے بہت بڑی رحمت ہے نہ کہ انقطاع رحمت۔

قرآن وسنت اور عقل سلیم کے انہی شواہد کی بنا پر امت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔ ملا علی قاری (متوفی ۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:

"دعوی النبوة بعد نبینا ﷺ کفر بالاجماع۔"(۷۰)

"اور ہمارے نبی کریم ﷺ کے بعد کسی کا بھی دعویٰ نبوت کرنا کفر ہے اور اس پر اجماع امت ہے۔"

امام غزالی فرماتے ہیں:

"ان الامة فهمت من هذا اللفظ ومن قرائن احواله انه افهم عدم نبی بعده ابدا وعدم رسول اللہ ابدا و انه لیس فیه تأویل تخصیص فمنکر هذا لایکون الا منکر الاجماع۔" (۷۱)

"امت نے بالاتفاق اس لفظ (لا نبی بعدی) سے اور نبی کریم ﷺ کے قرائن احوال سے یہی سمجھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان کا مقصد یہی تھا کہ آپ کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ ہی رسول اور اس میں کسی تاویل یا تخصیص کی گنجائش نہیں اور اس کا انکار کرنے والا اجماع امت کا منکر ہوگا۔"

مذکورہ بالا عقلی اور اجماعی دلائل بھی ذات رسالت مآب ﷺ پر نبوت و رسالت کے اختتام پر واضح شواہد ہیں۔

مبحث چہارم
عقیدۂ ختمِ نبوّت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
اور فقہاء کا نقطۂ نظر

اگر چہ ختم نبوت کا مسئلہ فقہی مسئلہ نہیں بلکہ اس کا تعلق علم العقائد سے ہے تاہم تمام فقہاء نے ارتداد کی بحث میں یا کسی اور بحث میں ضمنی طور پر اس مسئلہ کو بڑی فصاحت سے بیان فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ آخری نبی ہیں آپ کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔ اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ اور ان کے جمیع مقلدین مکمل طور پر متفق ہیں کسی سے ذرہ بھر اختلاف بھی منقول نہیں ہے۔ چند شواہد ملاحظہ ہو۔

اس معاملہ میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی رائے جاننے کے لیے یہ روایت ملاحظہ ہو:

''تنبأ رجل في زمن ابی حنيفة و قال امهلوني حتى اجئي بالعلامات فقال ابو حنيفة من طلب منه علامة فقد كفر لقوله عليه السلام (لا نبي بعدی)'' (۷۲)

''امام ابو حنیفہؒ کے زمانہ میں ایک شخص نے نبوت کا دعوی کیا اور اس نے کہا کہ مجھے مہلت دیں تا کہ میں اپنی نبوت کی نشانیاں دکھاؤں تو امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا جو اس سے اس کی نبوت کی نشانی طلب کرے گا وہ بھی کافر ہو جائے گا کیونکہ حضور اکرم ﷺ یہ فرما چکے ہیں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔''

ایک اور حنفی فقیہ علامہ عینی لکھتے ہیں:

''فيه ضرب الامثال للتقريب للافهام وفضل النبي ﷺ على سائر الانبياء وان الله ختم به المرسلين واكمل به شرائع الدين.'' (۷۳)

''اس (حدیث ......) میں تقریب الی الفہم کے لیے ایک مثال دی گئی ہے اور نبی کریم ﷺ کی تمام انبیاء پر فضیلت کو بیان کیا گیا ہے اور اس چیز کو بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ نے آپ کی ذات پر رسولوں کا سلسلہ ختم کر دیا اور آپ کا دین ہر پہلو سے مکمل کر دیا۔''

علامہ الوسی حنفی لکھتے ہیں:

''**خاتم النبيين**'' سے مراد ہے تمام نبیوں میں سے آخری نبی اور حضرت ابن مسعودؓ کی قرأت کے الفاظ ہیں ''**ولكن نبيا ختم النبيين**'' لیکن وہ نبی ہیں جنہوں نے انبیاء کی آمد کا سلسلہ ختم کر دیا اور نبی سے رسول عام ہوتا ہے تو حضور اکرم ﷺ کے آخری نبی ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ آپ آخری رسول بھی ہیں اور آپ کے آخری نبی ہونے سے مراد یہ ہے کہ آپ کی تشریف آوری کے بعد وصف نبوت کسی کو نہیں دیا جائے گا۔'' (۷۴)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

"لا رسول بعدہ لایوصف احـــد بعدہ بھذا الوصف۔"(۷۵)

''آپ ﷺ کے بعد کوئی رسول نہیں ہے یعنی آپ کے بعد کسی کو اس وصف سے متصف نہیں کیا جائے گا۔''

اسی طرح امام شافعیؒ اور ان کے پیروکار بھی نبی کریم ﷺ کے بعد دعویٰ نبوت کو کفر قرار دیتے ہیں اور اس میں کوئی دوسری رائے نہیں۔امام غزالی شافعیؒ فرماتے ہیں:

''ہمیں اجماع اور مختلف قرائن سے معلوم ہوا ہے کہ **لانبی بعدی** سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا ہے اور خاتم النبیین سے مراد بھی مطلق انبیاء ہیں غرض ہمیں یقینی طور پر معلوم ہوا ہے کہ ان لفظوں میں کسی قسم کی تاویل اور تخصیص کی گنجائش نہیں ہے جو شخص اس حدیث میں تاویل یا تخصیص کرے گا وہ اجماع کا منکر ہے۔''(۷۶)

علامہ شربینی شافعی کا نقطۂ نظر ملاحظہ ہو:

''جو شخص ہمارے نبی ﷺ کے بعد کسی مدعی نبوت کی تصدیق کرے وہ کافر ہے۔''(۷۷)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور ان کے پیروکار کا نقطۂ نظر بھی یہی ہے۔علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

''جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا یا جس شخص نے کسی مدعی نبوت کی تصدیق کی وہ مرتد ہو گیا کیونکہ جب مسلمہ نے دعویٰ نبوت کیا اور اس کی قوم نے اس کی تصدیق کی تو وہ سب اس کی تصدیق کرنے کی وجہ سے مرتد ہو گئے، اس طرح طلحہ الاسدی اور اس کے مصدقین بھی مرتد ہو گئے اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہو گی حتیٰ کہ تیس کذاب نکلیں گے اور ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔''(۷۸)

امام مالکؒ اور ان کے متبعین بھی حضور اکرم ﷺ کے دعویٰ نبوت کو کفر و ارتداد قرار دیتے ہیں قاضی عیاض مالکی رقمطراز ہیں:

''اسی طرح ہم اس شخص کو کافر قرار دیتے ہیں جو ہمارے نبی ﷺ کے ساتھ یا آپ کے بعد کسی بھی طرح نبوت کا دعویٰ کرے......اسی طرح ہم اس شخص کو بھی کافر قرار دیتے ہیں جو یہ دعویٰ کرے کہ اس کی طرح وحی کی جاتی ہے

خواہ وہ نبوت کا دعویٰ نہ بھی کرے پس یہ سب لوگ کافر ہیں اور نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرنے والے ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے یہ خبر دی ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خبر دی ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور آپ کو تمام لوگوں کی طرف رسول بنایا گیا ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ یہ کلام اپنے ظاہر پر محمول ہے اور اس کا ظاہر مفہوم مراد ہے اور اس کلام میں کوئی تاویل یا تخصیص نہیں ہے اور ان لوگوں کا کفر قطعی، اجماعی اور سماعی ہے۔'' **(۷۹)**

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"وقد قتل عبد الملك بن مروان الحارث المتنبي وصلبه و فعل ذلك غير واحد من الخلفاء والملوك بأشباهم وأجمع علماء و قتهم على صواب فعلهم والمخالف في ذلك من كفرهم كافر." (۸۰)

''عبدالملک بن مروان الحارث نے ایک مدعی نبوت کو قتل کر دیا اور اسے سولی پر لٹکا دیا اور متعدد خلفاء اور بادشاہوں نے اسی طرح مدعیان نبوت کو قتل کیا اور اس زمانے کے علماء نے ان کے اس اقدام کو درست قرار دیا اور اس میں مخالفت کرنے والے کو کافر گردانا۔''

مذکورہ بالا دلائل سے واضح ہوا کہ تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ آپ کے بعد جو بھی شخص دعویٰ نبوت کرتا ہے وہ کافر و مرتد ہے اور اسے ماننے والا بھی کافر و مرتد اور واجب القتل ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی ختم نبوت پر ایمان لانا آپ کے حقوق میں سے ایک اہم حق ہے۔

فصل سوم
توقیر و تعظیم

مبحث اوّل

توقیر و تعظیم کا لغوی و شرعی مفہوم

توقیر کا لفظ باب تفصیل کا مصدر ہے۔اس کا مادہ اصلیہ وَقَـر ہے جس میں سنجیدہ ہونے ، باوقار ہونے اور بردبار ہونے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔وَقَـر فلان وقارا و وقرة کا معنی ہے۔وہ سنجیدہ ہوا، باوقار رہا یا بردبار ہوا۔ وقر الشئ فی قلبه کا معنی ہے کہ کوئی چیز اس کے دل میں بیٹھ گئی۔وقر فلانا کا مطلب ہے کسی کو سنجیدہ اور باوقار بنایا یا اس کی تعظیم وتکریم بجالانا۔کبھی یہ لفظ کسی میں کوئی پختگی پیدا کرے یا اس میں کوئی علامت پیدا کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔جیسے وقـر الاسفـار فـلانـا کہ اسفار نے اسے پختہ کار اور مشاق بنادیا اور وَقَـر الشئ کا مطلب ہے کہ اس نے کسی چیز میں اپنے نشانات پیدا کیے۔

اگر چہ یہ لفظ اور معانی میں بھی استعمال ہوتا ہے لیکن اس کا زیادہ استعمال انہیں مفاہیم میں ہوتا ہے اور اصطلاح میں یہ لفظ کسی کی تعظیم وتکریم اور احترام بجالانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وَتُعَـــزِّرُوْهُ وَتُوَقِّـــرُوْهُ ''(۸۱)

''اور تم اس کی مدد کرو اور تعظیم بجالاؤ''

تعظیم کا لفظ بھی باب تفعیل کا مصدر ہے۔اس کا مادہ اصلیہ عظم ہے۔امام راغب اصفہانی نے اس لفظ کے لغوی مفاہیم بیان کرتے ہوئے دقیق بحث کی ہے۔ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے:

''عظم کے معنی ہڈی کے ہیں اس کی جمع عظام ہے قرآن مجید میں ہے۔''فـكسـونـا الـعـظـام لحما ''(۸۲) (پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت چڑھایا) ''عظمة الذراع'' بازو کے موٹے حصے کو کہتے ہیں اور عظم الرحل بغیر تنگی کے پالان کی لکڑی کو کہا جاتا ہے۔''عـظـم الشئ'' دراصل کسی چیز کی ہڈی کے بڑا ہونے کو کہتے ہیں اور مجازا اس کا اطلاق ہر چیز کے بڑا ہونے پر ہوتا ہے۔خواہ وہ چیز حسی ہو یا عقلی۔مادی ہو یا مصنوعی......عظیم کا لفظ جب اجسام کے متعلق استعمال ہوتا ہے تو ایسے جسم کے متعلق بولا جاتا ہے جس کے اجزاء متصل ہوں۔مگر اس کے مقابل کثیر کا لفظ افراد پر بولا جاتا ہے جو ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہیں۔مگر کبھی عظیم کا لفظ بھی افراد کثیر پر بولا جاتا ہے۔جیسے جیش عظیم۔ بھاری لشکر اور مال عظیم زیادہ مال کو کہا جاتا ہے اس صورت میں عظیم کا معنی کثیر ہے اور بڑے حادثہ کو بھی عظیمہ کہا جاتا ہے۔''(۸۳)

اس سے واضح ہوا کہ اس مادہ میں بڑے ہونے اور باوقار ہونے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔''عـظـم الشئ'' کا معنی ہے کوئی چیز بڑی ہوگئی اور ''عـظـم الرجل ''کا معنی ہے کہ وہ آدمی شاندار ہوگیا۔''عـظـمه'' کا معنی ہے اس نے اسے بڑا

بنایا، شاندار بنایا۔اسے بڑا درجہ دیایا اس کا احترام کیا۔اسی مادہ سے " **العظمة**" کا لفظ مشتق ہے۔جس کا معنی شان وشوکت،وقار، بڑائی اور اہمیت وغیرہ ہےاور **العظمة الکاذبة** کا لفظ بناوٹی شان وشوکت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

اصطلاح میں یہ لفظ کسی کا احترام کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔اکبرالہ آبادی کا شعر ہے:

لحد تک آپ کی تعظیم کردی
اب آگے آپ کے اعمال جانیں **(۸۴)**

حقوق الرسول ﷺ میں سے ایک اہم آپ کا حق آپ ﷺ کی تعظیم وتوقیر بجالانا ہے۔یعنی آپ کا ادب کیا جائے اورقولی یاعملی طور پر کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جوآپ کی عزت واحترام کے منافی ہو۔آپ کی توقیروتعظیم میں ہراس چیز کا ادب واحترام بھی شامل ہے جس کا آپ کے ساتھ کوئی بھی تعلق ہو۔جیسے آپ کا لایا ہوا دین، آپ کے صحابہؓ واہل بیتؓ اورآپ کا وطن وغیرھم۔

حقوق الرسول ﷺ میں توقیروتعظیم کیوں شامل ہے؟اس بارے میں قرآن وسنت کی تعلیمات کیا ہیں؟اور امت مسلمہ کا اس بارے میں عملی رویہ کیا ہے؟ان سوالات کے جوابات مابعد مباحث میں ملاحظہ ہوں۔

مبحث دوم
توقیر و تعظیم قرآن و سنت
کی روشنی میں

یہ انسان کا ایک فطری تقاضا ہے کہ اسے یہاں سے کوئی چیز ملتی ہے یہ اس کی تعظیم بجالاتا ہے۔ضمیر، اخلاق، قانون اور معاشرہ سب ہی اسے اس ذات کی تعظیم بجالانے کا حکم دیتے ہیں جس ذات سے اسے کچھ حاصل ہوتا ہے استاد کا احترام اسی لیے ہے کہ اس کے ذریعہ سے انسان کو علم ملتا ہے۔والدین کی توقیر وتعظیم اسی لیے ہے کہ وہ انسانی وجود کا ذریعہ ہیں۔

جب ہر اس ذات کا احترام ضروری ہے جس کے ذریعہ سے انسان کو کچھ بھی ملتا ہے تو وہ ذات گرامی جو باعث تخلیق کائنات ہے۔کائنات جس کے صدقہ میں معرض وجود میں آئی ہے اور جس ذات گرامی سے انسان کو معرفت الٰہی ملتی ہے ایمان اور یقین کی دولت گرانمایہ نصیب ہوتی ہے اس ذات اقدس ﷺ کی تعظیم بجالانا کتنا ضروری ہوگا؟ اس لیے قرآن وسنت میں لوگوں کو یہ حکم دیا گیا کہ تم رسول کریم ﷺ کی توقیر وتعظیم بجالاؤ۔آپ کے اس حق کی ادائیگی کا بڑی تاکید سے حکم فرمایا گیا ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا ۝ لِّتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَتُعَزِّرُوۡهُ وَتُوَقِّرُوۡهُ وَتُسَبِّحُوۡهُ بُكۡرَةً وَّاَصِيۡلًا"(۸۵)

''بے شک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا بشارت دینے والا اور خوف (عذاب الٰہی سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اس کی نصرت اور تعظیم بجالاؤ اور صبح وشام اللہ تعالیٰ کے نام کی تسبیح کرو۔''

یہاں اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں لوگوں کو حکم دیا کہ وہ نبی کریم ﷺ پر ایمان لائیں اور آپ کی تعظیم وتوقیر بجالائیں۔اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

"لِّتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَتُعَزِّرُوۡهُ﴾ قال ابن عباس وغيره واحد يعظموه ﴿ وَتُوَقِّرُوۡهُ﴾ من التوقير وهو الاحترام والا جلال والاعظام "(۸۶)

''حضرت ابن عباس اور آپ کے علاوہ بہت سے لوگوں نے یہاں وتعزروہ کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ آپ کی تعظیم بجالاؤ اور وتوقروہ کا لفظ توقیر سے مشتق ہے جس کا معنی احترام، اجلال اور کسی کی تعظیم بجالانا ہوتا ہے۔''

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے بارگاہ رسالت کی تعظیم وتوقیر بجالانے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقُوۡلُوۡا رَاعِنَا وَقُوۡلُوا انۡظُرۡنَا وَاسۡمَعُوۡا ‌ؕ وَلِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ"(۸۷)

"اے ایمان والو (نبی مکرم ﷺ) سے گفتگو کے وقت "راعنا" نہ کہو بلکہ "انظرنا" کہا کرو اور غور سے سنو اور کافروں کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہے۔"

چونکہ اس لفظ کی آڑ میں یہود نے حضور اکرم ﷺ کی توہین کا ایک پہلو نکال لیا تھا کہ "راعنا" کے لفظ کا لغوی معنی تو یہی ہے کہ آپ ہماری رعایت فرمائیے لیکن لغت یہود میں یہ لفظ ایک برے معنی میں استعمال ہوتا تھا۔ انہوں نے اسے برے معنی کا ارادہ کرتے ہوئے آپ ﷺ کی بارگاہ میں اسی لفظ کو بولنا شروع کر دیا۔ اس کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے امام واحدی **(۸۸)** فرماتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عرب اس لفظ سے کلام کرتے تھے۔ جب یہود نے اس کو سنا تو وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ اسی لفظ سے گفتگو کرنے لگے اور یہود کے کلام میں یہ لفظ ایک قبیح سب وشتم تھا۔ آپس میں کہنے لگے کہ ہم تو پہلے مخفی طور پر (حضور ﷺ) کو برا بھلا کہتے تھے۔ اب اس لفظ کی آڑ میں علانیہ طور پر بھی کہیں گے کیونکہ یہ انہیں کی زبان کا ایک لفظ ہے وہ حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے اور کہتے یا محمد راعنا اور ہنستے۔ انصار میں سے ایک صحابی حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ان کی اس شرارت کو سمجھ لیا اور وہ لغت یہود کو جانتے تھے انہوں نے کہا:

"یا اعداء اللّٰہ! علیکم لعنة اللّٰہ والذی نفس محمد بیدہ لئن سمعتها من رجل منکم لأضربن عنقه فقالوا الستم تقولونها؟ فانزل اللّٰہ تعالٰی یایها الذین امنوا لا تقولوا راعنا۔" (۸۹)

"اے اللہ کے دشمنو! تم پر اللہ کی لعنت ہو مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں حضور ﷺ کی جان ہے۔ اگر میں نے کسی کو دوبارہ کہتے ہوئے سنا تو میں اس کا سر قلم کر دوں گا۔ انہوں نے کہا کیا تم یہ نہیں کہتے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: "**یایها الذین امنوا لا تقولوا راعنا وقولوا انظرنا**"

اس سے واضح ہوا کہ کوئی بھی ایسا لفظ جس کی آڑ میں حضور اکرم ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کا کوئی پہلو نکل سکتا ہو ں اس لفظ کا استعمال کرنا حرام ہے اور حضور اکرم ﷺ کا حق ہے کہ آپ کے متعلق کوئی بھی مشکوک یا مشترک لفظ نہ بولا جائے۔

پیر محمد کرم الازہری لکھتے ہیں:

"**راعنا کی جگه انظرنا**" (یعنی ہماری طرف لطف فرمائیے) کہا کرو یہ لفظ ہر طرح کے احتمالات فاسدہ سے پاک ہے **واسمعوا** کا حکم دے کر یہ تنبیہ فرما دی کہ جب میرا رسول تمہیں کچھ سنا رہا ہو تو ہمہ تن گوش ہو کر سنو تا کہ انظرنا کہنے

کی نوبت ہی نہ آئے کیونکہ یہ بھی تو شان نبوت کے مناسب نہیں کہ ایک ایک بات تم بار بار پوچھتے رہو۔ یہ کمال ادب اور انتہائے تعظیم ہے جس کی تعلیم عرش وفرش کے مالک نے غلامان مصطفیٰ علیہ السلام کو دی۔(۹۰)

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

''اس سے دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ جس لفظ میں توہین کا معنی نکلتا ہو۔ اس لفظ کو نبی کریم ﷺ کی جناب میں استعمال کرنا ناجائز ہے اور نبی کریم ﷺ کی توہین کفر ہے۔''(۹۱)

نبی کریم ﷺ کی توقیر وتعظیم کا درس دیتے ہوئے ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ o یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ o اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُوْلٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ"(۹۲)

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اے اہل ایمان! اپنی آوازیں نبی (کریم ﷺ) سے اونچی نہ کرو اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو اس طرح ان کے روبرو زور سے نہ بولا کرو۔ کہیں؟ (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ جو لوگ رسول اللہ (ﷺ) کے پاس اپنی آوازوں کو پست کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لیے چن لیا ہے ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔''

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو رسول اللہ ﷺ کی توقیر وتعظیم سکھائی۔ علامہ ابن کثیر ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"هذه آداب، أدب الله بها عباده المؤمنين فيما يعاملون به الرسول ﷺ من التوقير والاحترام والتبجيل والاعظام."(۹۳)

''یہ آداب ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو سکھائے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی توقیر واحترام کس طرح بجالانی ہے اور آپ کی تعظیم وتبجیل کے کیا آداب ہوں گے۔''

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس کے جو آداب سکھائے گئے ان کا خلاصہ یہ ہے:

۱- اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ سے آگے بڑھنے کو اپنی ذات سے آگے بڑھنے کے برابر جرم قرار دیا۔
۲- ان آیات میں وضاحت کی گئی کہ رسول کریم ﷺ سے کسی بھی طرح تقدم کرنا ممنوع ہے جیسے آپ کے آگے چلنا یا آپ سے پہلے بات کرنا۔
۳- نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں آواز کو اونچا کرنا منع ہے اگر آواز کو اونچا کرنے کا ارتکاب بھی کیا جائے تو سب اعمال صالحہ برباد ہونے کا خطرہ ہے۔
۴- جو لوگ بارگاہ نبوت ﷺ کا ادب بجالاتے ہوئے پست آواز میں بات کرتے ہیں انہیں کے دلوں کو تقویٰ کے لیے اللہ تعالیٰ نے چن لیا ہے۔
۵- آپ کی تعظیم و توقیر بجالانے والے کے لیے مغفرت اور اجر عظیم کی نوید ہے۔

قرآن کریم آپ کے فیصلے کے خلاف دل میں ذرا سا شک آجانے کو بھی ایمان کے منافی قرار دیا گیا ہے۔(۹۴) اور آپ کی آواز پر فوراً حاضر ہونے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُم......الخ''(۹۵)

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کا رسول جب تمہیں بلائے تو فوراً حاضر ہو جایا کرو۔''

نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی کی توقیر و تعظیم بجالانے کے یہ مختلف اسالیب ہیں جن کی وضاحت قرآن مجید میں فرمائی گئی۔

احادیث مبارکہ اور عمل صحابہؓ میں آپ کی توقیر و تعظیم کے جو متعدد زاویے وارد ہوئے ہیں ان کا استقصاء ممکن نہیں ہے۔حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''ما من مومن الا وانا أولی به فی الدنیا والآخرة اقرءوا ان شئتم النبی اولی بالمومنین من انفهسم فایما مومن مات و ترك مالا فلیرثه عصبته من کانوا ومن ترك دینا او ضیاعا فلیأتنی فانا مولاه.''(۹٦)

میں دنیا اور آخرت میں ہر مومن کے نزدیک دیگر تمام لوگوں کی نسبت مقدم ہوں۔اگر چاہو تو قرآن مجید کی یہ آیت پڑھ لو''نبی ﷺ اہل ایمان کے لیے ان کی جانوں سے بھی مقدم ہیں۔پس جو مومن مر جائے اور وہ مال چھوڑ جائے تو اس کے ورثاء اس کے مال کے حقدار ہوں گے وہ جو بھی ہوں اور جو قرض چھوڑ کے مر جائے وہ میرے پاس آئے کیونکہ میں اس کا مولا ہوں۔''

اس سے واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ کو ہر مومن کی جان پر اتنا حق حاصل ہے جتنا خود اسے بھی حاصل نہیں ہے ہر مومن پر لازم ہے کہ وہ اپنی جان سے بڑھ کر آپ کے حقوق کو ادا کرے۔

صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کی اتنی تعظیم وتوقیر بجالاتے تھے جسے لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب عروہ بن مسعود جو قریش کے نمائندہ بن کے حضور اکرم ﷺ کے آئے تھے واپس مکہ گئے تو انہوں نے صحابہ کرام کو حضور اکرم ﷺ کی تعظیم وتوقیر جس طرح بجالاتے ہوئے دیکھا اس کا اندازہ اس روایت سے ہوتا ہے۔ اس نے واپس جا کر کہا:

"ای قوم واللّٰہ لقد و فدت علی الملوك و وفدت علی قیصر و کسری، النجاشی واللّٰہ ان رأیت ملکا قط یعظمه اصحابه مایعظم اصحاب محمدًا واللّٰہ ان تنخم تخامة الا وقعت فی کف رجل منهم فدلك بها وجه وجلده واذا امرهم ابتدروا امرهم واذا توضاء کادوا یقتلون علی وضوئه واذا تکلم خفضوا اصواتهم عنده وما یحدون الیه النظر تعظیما له."(۹۷)

"اے میری قوم! اللہ کی قسم! میں بادشاہوں کے درباروں میں گیا ہوں۔ میں قیصر وکسریٰ اور نجاشی کے دربار بھی دیکھ کر آیا ہوں۔ مگر میں نے کسی بادشاہ کو ایسا نہیں دیکھا کہ اس کے اس ساتھی کی اتنی عزت کرتے ہوں جتنی محمد (ﷺ) کے اصحاب ان کی کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! جب وہ تھوکتے ہیں تو ان کا تھوک کسی نہ کسی کے ہاتھ پر پڑتا ہے اور وہ اس کو اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا ہے جب کسی بات کا حکم دیتے ہیں تو صحابہ فوراً ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو لوگ ان کے وضو سے بچے ہوئے پانی کے لیے لڑنے کی حد تک چلے جاتے ہیں اور جب گفتگو کرتے ہیں تو وہاں یک سامنے اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں اور تعظیم کی وجہ سے ان کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھتے۔"

جب ہجرت کے بعد نبی کریم ﷺ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف فرما تھے تو آپ فرماتے کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے یہ چیز بہت شاق گزرتی ہے کہ میں آپ کے اوپر والی منزل میں رہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس میں میرے لیے آسانی ہے۔ میں خاموش ہوگیا۔ ایک دن ہمارا پانی کا گھڑا ٹوٹ گیا۔ ام ایوب رضی اللہ عنہا نے وہ کمبل لیا جس کے علاوہ ہمارے پاس سردی سے بچنے کے لیے اور کچھ نہ تھا ہم اس سے پانی خشک کرنے لگے۔

”فــــرقا مــن ان یصـــل الی رسول اللّٰہ ﷺ مناشیٔ یؤذیہ۔“**(۹۸)**

”ہمیں ڈر تھا کہیں ایسا نہ ہو کہ پانی کا کوئی قطرہ نیچے گرے اور اس سے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچے۔“

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ قرآن وسنت اور عمل صحابہ سے نبی کریم ﷺ کی توقیر و تعظیم کن کن طریقوں سے ثابت ہے کیونکہ آپ کی توقیر و تعظیم آپ کے حقوق میں سے ایک اہم حق ہے۔

مبحث سوم

توقیر و تعظیم میں امت کا عملی مظاہرہ

چونکہ رسول کریم ﷺ کی توقیر و تعظیم بجالانا آپ کے حقوق میں سے ایک اہم حق ہے اور ایمان کو جلا بخشنے کا ایک بنیادی ذریعہ ہے اس لیے امت مسلمہ نے تعظیم و توقیر نبوی کے وہ انمٹ نقوش ثبت کیے ہیں جو رہتی دنیا تک ارباب محبت کے لیے مشعل راہ کا کام دیں گے اور جن کی مثال دنیا کی کسی اور قوم اور کسی مذہب میں نہیں پائی جاتی ۔عہد صحابہؓ سے لے کر ہر دور میں نبی کریم ﷺ کی تعظیم و توقیر کے نئے نئے نمونے قائم کئے ہیں چند شوائد ملاحظہ ہو۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

''عـــن عثمان بن عفانؓ انه سئل قباث بن اشیم اخا بنی یعمر بن لیث انت اکبر ام رسول اللّٰہ ﷺ؟ فقال رسول الله ﷺ اکبـــر منی وانا اقدم منه فی المـــیلاد۔''(۹۹)

''حضرت عثمان بن عفانؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے قبیلہ بنویعمر بن لیث کے ایک فرد حضرت قباث بن اشیم ؓ سے پوچھا۔ تم بڑے ہو یا نبی کریم ﷺ بڑے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ نبی کریم ﷺ مجھ سے بڑے ہیں لیکن میں آپ سے پہلے پیدا ہوا تھا۔''

یہ روایت اس توقیر و تعظیم نبوی ﷺ کا ایک مظہر ہے جو صحابہ کرامؓ کے دلوں میں موجود تھا کہ جب حضرت قباث سے پوچھا گیا کہ تم بڑے ہو یا رسول اللہ ﷺ؟ صورت حال یہ تھی کہ حضرت قباثؓ کی عمر رسول اللہ ﷺ سے زیادہ تھی۔یعنی وہ عمر میں حضور ﷺ سے بڑے تھے لیکن بڑے کا لفظ مشترک ہوتا ہے درجہ میں بڑا ہونے اور عمر میں بڑا ہونے میں۔جیسے اگر کہا جائے کہ فلاں تو بہت بڑا آدمی ہے تو یہاں بڑا سے مراد یہ ہے کہ اس کا مقام اور مرتبہ بہت بلند ہے اور اگر کہا جائے کہ وہ میرا بڑا بھائی ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی عمر مجھ سے زیادہ ہے تو حضرت قباث نے اس مشترک لفظ کو بولنا بھی گوارا نہ فرمایا بلکہ فرمایا کہ بڑے تو رسول ﷺ ہیں البتہ میری عمر آپ سے کچھ زیادہ ہے۔آپ کے اس جواب میں ادب بھی ملحوظ خاطر رہا اور صورت حال بھی واضح ہوگئی۔

حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں:

''مامست فـــرجی بیمینی منذ بایعت بهـــا رسول اللّٰہ۔''(۱۰۰)

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنے کے بعد اپنا داہنا ہاتھ کبھی اپنی شرمگاہ کو نہیں لگایا۔''

یعنی ذات رسالت مآب ﷺ کی تعظیم و توقیر تو ہے ہی۔وہ اس ہاتھ کو بھی احترام بجالاتے تھے جو رسول اللہ ﷺ کے دست اقدس سے مس ہوا تھا۔

توقیر و تعظیم نبوی ﷺ کا یہ منظر بھی ملاحظہ ہو:

"عن عبداللّٰہ بن ابی سلمة رضی اللّٰہ عنه قال خرج ابوسفیان حتی قدم علی رسول اللّٰہ ﷺ فدخل علی ابنته ام حبیبة فلما ذھب لیجلس علی فراش رسول اللّٰہ ﷺ طوته فقال یا ابنة ما ادری ارغبت لی عن ھذا الفراش او رغبت به عنی؟ فقالت ھو فراش رسول اللّٰہ وانت مشرك نجس فلم احب ان تجلس علی فراشه۔"(۱۰۱)

''حضرت عبداللہ بن ابی سلمہؓ کہتے ہیں کہ ابوسفیان (مکہ سے صلح حدیبیہ کی شرائط کی تجدید کرنے کے لیے) نکلا اور رسول کریم ﷺ سے ملاقات کے لیے مدینہ پہنچا۔ وہ اپنی بیٹی ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کے گھر گیا۔ جب وہ رسول اللہ ﷺ کے بستر پر بیٹھنے لگا تو حضرت ام حبیبہؓ نے فوراً بستر لپیٹ دیا۔ ابوسفیان کہنے لگا۔ بیٹی! کیا تم نے اس بستر کو میرے لائق نہیں سمجھا یا میں اس بستر کے لائق نہیں۔ تو ام المومنینؓ نے (فوراً) جواب دیا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے اور تو ایک مشرک ناپاک آدمی ہے اس لیے میں اس بات کو پسند نہیں کرتی کہ تو اس بستر پر بیٹھے۔''

حضرت ابودجانہؓ کہتے ہیں کہ غزوہ احد میں میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کی حالت یہ تھی کہ:

"یخمش الناس خمسا شدیدا فعمدت له فلما حملت علیه بالسیف ولولت فاذا امرأة فاکرمت سیف رسول اللّٰہ أن اضرب به امرأة۔"(۱۰۲)

''کہ وہ لوگوں کو بہت بری طرح زخمی کر رہا ہے میں نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ جب میں نے تلوار سے اس پر حملہ کرنا چاہا تو اس نے چیخ و پکار شروع کر دی۔ وہ کوئی عورت تھی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی تلوار کے احترام میں اس عورت کو قتل کرنا پسند نہ کیا۔''

یعنی رسول کریم ﷺ کی تعظیم و تکریم تو اپنی جگہ پر صحابہ کرامؓ تو رسول اللہ ﷺ سے منسوب ہر چیز کا احترام اپنے ایمان کا تقاضا سمجھتے تھے۔

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"کنت قائما فی المسجد فحصبنی رجل فنظرت فاذا ھو عمر ابن الخطاب ص فقال اذھب فأتنی بھذین فجئته بھما، قال: من انتما او من این انتما قالا من اھل الطائف قال لو کنتما من اھل البلد لاوجعتکما ترفعان اصواتکما فی مسجد رسول اللّٰہ ﷺ۔"(۱۰۳)

''میں مسجد نبوی میں کھڑا تھا کہ کسی آدمی نے مجھ پر کنکر پھینکا۔ میں نے ادھر دیکھا تو وہ حضرت عمر بن خطاب ﷛ تھے، فرمانے لگے، جاؤ ان دونوں آدمیوں کو میرے پاس لاؤ۔ میں ان دونوں آدمیوں کو آپ کے پاس لے آیا۔ آپ نے ان سے پوچھا تم کون ہو؟ یا آپ نے دریافت فرمایا تم دونوں کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا ہم طائف سے آئے ہیں۔ حضرت عمر ﷛ نے فرمایا۔ ''اگر تم مدینہ منورہ سے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا کیونکہ تم رسول کریم ﷺ کی مسجد میں آوازیں بلند کر رہے ہو۔''

یعنی سیدنا عمر فاروق ﷛ کو نبی کریم ﷺ کے حقوق ادا کرنے کا اتنا احساس تھا کہ آپ ﷺ کی توقیر و تعظیم تو اپنی جگہ رہی آپ تو آپ کی مسجد شریف میں بھی آواز بلند کرنے کو تعظیم نبوی کے منافی سمجھتے تھے۔

اس تناظر میں قاضی عیاض مالکی کے کلام کا خلاصہ یہ ہے:

صحابہ کرام کا معمول یہ تھا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی تعظیم و توقیر کا حد درجہ اہتمام فرماتے تھے۔ حضرت عمرو بن العاص ﷛ فرماتے ہیں کہ میری نظروں میں کوئی شخصیت نبی کریم ﷺ سے زیادہ محبوب نہ تھی اور نہ ہی آپ سے بڑھ کر کوئی مکرم اور صاحب مرتبہ تھا۔ آپ کے رعب اور دبدبہ کا یہ عالم تھا کہ میری کبھی یہ جرأت نہ ہوئی کہ میں آپ کو نظر بھر کے دیکھ سکتا۔ میں کوشش کے باوجود یہ صلاحیت نہیں رکھتا کہ آپ کا حلیہ مبارک بیان کر سکوں کیونکہ مجھے یہ جرأت ہی نہ ہوتی تھی کہ میں آنکھ بھر کے آپ کا دیدار کر سکوں۔ جب نبی کریم ﷺ باہر تشریف لاتے۔ صحابہ کرام تشریف فرما ہوتے تو حاضرین کی نظریں نیچی رہتی اور کسی کو آپ کی طرف آنکھ بھر کے دیکھنے کی جرأت نہ ہوتی۔ صرف حضرت ابو بکر ﷛ اور حضرت عمر ﷛ حضور اکرم ﷺ کی طرف دیکھتے۔ وہ حضور اکرم ﷺ کی طرف دیکھ کر مسکراتے اور حضور اکرم ﷺ انہیں دیکھ کے مسکراتے۔

حضرت اسامہ بن شریک فرماتے ہیں کہ میں بارہ گاہ رسالت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ حاضرین وہاں اس طرح بیٹھے ہوئے ہیں جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہوں۔ حضرت انس ﷛ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ بال ترشوا رہے تھے اور صحابہ رسول کریم ﷺ کے گرد حلقہ بنائے کھڑے تھے۔ تاکہ حضور اکرم ﷺ کے موئے مبارک کو زمین پر گرنے سے پہلے ہی لے لیں اور تعظیم و توقیر نبوی کا ہی ایک منظر یہ ہے کہ جب صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمان بن عفان ﷛ مسلمانوں کی جانب سے سفیر بن کر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو اہل مکہ نے آپ سے کہا کہ آپ طواف کر سکتے ہیں لیکن آپ نے فرمایا میں اس وقت تک طواف نہیں کروں گا جب تک رسول اللہ ﷺ طواف نہ فرمائیں۔ مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ صحابہ کا معمول یہ تھا کہ وہ کاشانہ نبوت پر حاضر ہوتے تو فرط ادب سے

دروازہ ناخنوں سے کھٹکھٹاتے تھے حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ متعدد مرتبہ ایسا ہوا کہ میں کوئی بات حضور اکرمﷺ سے معلوم کرنا چاہتا تو مدت تک موقع کی تلاش میں رہتا لیکن ہیبت کی وجہ سے دریافت نہ کرسکتا تھا اور اس میں برسوں گزر جاتے تھے۔قاضی عیاض اسی بحث میں فرماتے ہیں:

"واعلم ان حرمة النبیﷺ بعد موته و تعظیمه و توقیره لازم کما کان حال حیاته." (۱۰۴)

"اور جان لیجئے کہ نبی کریمﷺ کا احترام اور آپ کی تعظیم وتوقیر آپ کی وفات کے بعد بھی ایسے ہی لازم ہے جیسے آپ کی ظاہری زندگی میں تھی۔"

قاضی عیاض فرماتے ہیں:

"احمد بن فضلویه الزاهد وکان من الغزاة الرماة أنه قال: ما مسست القوس بیدی الا علی طهارة منذ بلغنی ان النبیﷺ اخذ القوس بیده. وقد افتی مالك فمن قال تربة المدینه ردیة یضرب ثلاثین درة وأمر بحسبه وکان له قدر وقال ما احوجه الی ضرب عنقه: تربة دفن فیها النبیﷺ یزعم أنها غیر طیبة."(۱۰۵)

"احمد بن فضلو یہ جو کہ بڑے زاہد، غازی اور تیر انداز تھے۔وہ فرماتے ہیں جب سے مجھے پتہ چلا ہے کہ اس کمان کو رسول کریمﷺ نے اپنے دست مبارک میں لیا تھا۔اس وقت سے آج تک میں نے کبھی اسے بے وضو نہیں چھوا۔جس آدمی نے کہا تھا کہ مدینہ منورہ کی مٹی خراب ہے اس کے متعلق امام مالک نے فتویٰ دیا کہ اسے تیس درّے مارے جائیں اور فرمایا کہ ایسا شخص تو اس لائق ہے کہ اس کی گردن اڑا دی جائے کیونکہ وہ زمین جس میں رسول اللہﷺ آرام فرما ہیں یہ اس کی نسبت گمان کرتا ہے کہ وہ خراب ہے۔"

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نبی کریمﷺ کی توقیر وتعظیم بجالانا آپ کے حقوق میں سے ایک اہم حق ہے اور امت مسلمہ میں ہر دور میں اس حق کی ادائیگی کی ایسی ایمان افروز اور تابناک مثالیں قائم کی ہیں جن کی نظیر دنیا کی کسی اور قوم میں ملنا محال ہے۔

مبحث چہارم
توقیر و تعظیم میں فقہاء کی آراء

نبی کریم ﷺ کی توقیر بجالانا ایمان کے تقاضوں میں سے ایک اہم تقاضا ہے جمیع فقہاء، حنبلی، مالکی، شوافع یا احناف سب عملی اور قولی طور پر نبی کریم ﷺ کی تعظیم بجالانے کی تاکید فرماتے ہیں اور پوری امت میں سے کسی ایک کا بھی اس مسئلہ میں کوئی اختلاف منقول نہیں۔ فقہاء کرام نہ صرف ذات رسول کریم ﷺ کی تعظیم و توقیر بجالانے کی تاکید فرماتے ہیں بلکہ وہ تو ہر اس چیز کی تعظیم قولی اور عملی طور پر بجالاتے ہیں جس کی کچھ بھی نسبت آپ ﷺ کی ذات اقدس سے ہو۔ اس سلسلہ میں ویسے تو تمام فقہاء کرام ہی ایک قابل تقلید نمونہ کے حامل ہیں لیکن حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے توقیر نبوی ﷺ کی جو حسین اور دلکش مثالیں قائم کی ہیں وہ تا ابد راہ عشق و محبت کے مسافروں کے لیے مینارہ نور ثابت ہوں گی۔ حضرت امام مالکؒ کا طریقہ یہ تھا کہ جب آپ حدیث شریف بیان کرنے لگتے تو

''اغتسل و تبخر و تطيب واذا رفع احد صوته عنده قال اغفض من صوتك فان الله عزوجل يقول﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾ (۱۰۶) فمن رفع صوته عند حديث رسول الله فمكانما رفع صوته فوق صوت رسول الله ﷺ.''(۱۰۷)

''غسل فرماتے، عود کی دھونی لیتے، خوشبو لگاتے اور اگر کوئی اس وقت آپ کے پاس اونچی آواز سے بات کرتا تو فرماتے اپنی آواز پست کر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اونچی نہ کرو۔'' جس نے حدیث رسول اللہ ﷺ سنتے ہوئے اپنی آواز کو بلند کیا گویا اس نے رسول اللہ ﷺ کی آواز سے اپنی آواز کو بلند کیا۔''

آپ کا یہ بھی طریقہ مبارک تھا کہ

''كان مالك يكره ان يحدث في الطريق وهو قائم او مستعجل فقال أحب ان يفهم ما احدث به عن رسول الله ﷺ.''(۱۰۸)

''حضرت امام مالک راستے میں کھڑے کھڑے یا جلدی میں حدیث بیان کرنے کو ناپسندیدہ سمجھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں چاہتا ہوں کہ جو کچھ میں رسول اللہ ﷺ سے بیان کروں اسے اچھی طرح سمجھا جائے۔''

خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی نے رسول کریم ﷺ کی مسجد میں امام مالک سے مناظرہ کیا۔ مناظرہ کے دوران ابو جعفر کی آواز بلند ہوگئی تو حضرت امام مالکؒ نے فرمایا۔ اے امیر المومنین! اس مسجد میں اپنی آواز کو بلند مت کیجئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو یوں ادب سکھایا ''لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ''(۱۰۹) اور ایک قوم جو ادب بجالائی ان کی یوں تعریف کی۔ ''اَلَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ ''(۱۱۰) اور ایک قوم کی یوں مذمت کی ''ان

الـذين ينا دو نك الخ"(۱۱۱) اور نبی کریم ﷺ کا احترام آپ کے وصال مبارک کے بعد بھی ویسا ہی ہے جیسا آپ کے وصال سے پہلے تھا۔ یہ سن کر ابو جعفر دھیما پڑ گیا۔ کہنے لگا اے ابو عبداللہ! کیا میں قبلہ رو ہو کر دعا مانگوں یا رسول اللہ ﷺ کی جانب منہ کروں؟ تو امام مالک نے جواب دیا:

"ولم تصرف وجهك عنه وهو وسيلتك و وسلية ابيك آدم عليه السلام الى الله تعالى يوم القيامة. بل استقبله واشفع عنه فيشفعه الله."(۱۱۲)

''تم رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اپنا منہ کیوں پھیرتے ہو؟ حالانکہ وہ قیامت کے دن تمہارے بھی وسیلہ ہیں اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کے بھی وسیلہ ہیں بلکہ تم حضور اکرم ﷺ کی طرف ہی منہ کرو اور آپ کی ہی شفاعت طلب کرو۔ تو اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت کو قبول فرمائے گا۔''

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ میں ایوب سختیانی، محمد بن منکد رتیمی، امام جعفر صادق، عبدالرحمٰن بن قاسم، عامر بن عبداللہ، صفوان ابن سلیم اور امام محمد بن مسلم زہری سے ملا کرتا تھا۔ ان کا حال یہ تھا کہ جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر آتا تو ان کا رنگ زرد ہو جاتا وہ شوق زیارت میں رویا کرتے بلکہ بعض بیخود ہو جایا کرتے تھے۔ امام مالک پوری زندگی مدینہ منورہ میں رہے لیکن ادب کی وجہ سے کبھی آپ نے مدینہ منورہ کی حدود میں بول و براز نہیں کیا۔(۱۱۳)

علامہ نورالدین علی بن احمد السمہودی (م ۹۱۱ھ) جو کہ ایک بہت بڑے مؤرخ اور فقہ شافعی کے ایک عظیم فقیہ ہیں اس تناظر میں فرماتے ہیں:

"وقد تقدم قول عمرؓ ان مسجدنا هذا لا ترتفع فيه الاصوات وقال ابوبكر لاينبغي رفع الصوت على نبيا حيا وميتا...... ان كانت عائشة تسمع صوت الوتد يوتد والمسمار يضرب في بعض الدور المطيفة بمسجد النبي ﷺ فترسل اليهم لايؤذوا رسول الله. قالوا وما عمل على مصراعي داره الا بالمناصع توقيا لذلك."(۱۱۴)

''اور حضرت عمرؓ کا یہ قول پہلے گزر چکا ہے کہ بے شک ہماری مساجد میں آواز بلند نہ کی جائے اور حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ کسی بھی نبی علیہ السلام کی زندگی میں یا ان کے وصال کے بعد آواز بلند نہ کی جائے ...... حضرت عائشہؓ جب مسجد نبی کی کسی دیوار پر کیل ٹھونکنے یا ہتھوڑے کی کوئی آواز سنتی۔ تو آپ ان کی طرف پیغام بھیجتی کہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیف نہ دو اور حضرت علیؓ نے اس سوء ادبی سے بچتے ہوئے اپنے گھر کے دونوں کواڑ مناصع (مدینہ منورہ سے باہر ایک مقام) پر تیار کروائے۔''

یعنی نبی کریم ﷺ کی توقیر و تعظیم تو ہے ہی آپ کے وصال کے بعد بھی آپ کے قریب کسی بھی قسم کا شور و شعب تعظیم نبویؐ کے منافی ہے۔

علامہ ابن تیمیہ حنبلی لکھتے ہیں:

''جب یہ چیز ثابت ہوگئی کہ نبی کریم ﷺ کی آواز سے آواز بلند کرنا اور آپ کے پاس آواز بلند کرنے والے پر کفر کا خوف ہے اسے اس کا شعور تو نہ ہوگا البتہ اس کے سب اعمال برباد ہو جائیں گے اور یہ چیز واضح ہے کہ نبی کریم ﷺ کی تعظیم و تکریم اور آپ کا اکرام و اجلال ضروری ہے۔ جب آواز کا بلند کرنا آپ کو ایذاء دینے میں شامل ہے اور آپ کی توہین کو مستوجب ہے۔ اگر چہ آواز بلند کرنے والے نے اس کا ارادہ نہ بھی کیا ہو۔ جب اتنی سی گستاخی بھی کفر تک لے جاتی ہے تو ارادۃً آپ کو ایذاء دینا یا آپ کی تحقیر کرنا تو بدرجہ اولی کفر کو مستلزم ہوگا۔''**(۱۱۵)**

اس سے واضح ہوا کہ آپ کی تعظیم و توقیر واجب ہے اور اس کا برعکس یعنی آپ کی توقیر نہ کرنا حرام اور مستلزم کفر ہے۔

علامہ اسماعیل حقی حنفی لکھتے ہیں:

(وتوقـــــروه) وتعظـــموه باعتقاد انه متصف بجميع صــــفات الكمال ومنــــزه عــن جميع وجوه ......"(۱۱۶)

''نبی کریم ﷺ کی تعظیم بجالاؤ یہ عقیدہ رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام صفات کمال سے متصف کیا ہے اور وہ نقص اور عیب کی تمام صورتوں سے پاک ہیں۔''

سطور بالا سے واضح ہے کہ تمام مفسرین اور فقہاء اس چیز پر متفق ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی توقیر و تعظیم واجب اور ضروری ہے جمیع فقہاء کرام اور ائمہ عظام میں سے کسی نے بھی اس میں ذرہ بھر بھی اختلاف نہیں کیا۔

فصل چہارم

محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مبحث اوّل

محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

لغوی وشرعی مفہوم

لفظ ''محبت'' کا لغوی معنی تعلق، دوستی، چاہت یا دلچسپی ہوتا ہے۔اس کا مادہ اصلیہ حب ہے۔جس میں کسی چیز کے محبوب یا پسندیدہ ہونے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔''حب الانسان حبًا'' کا معنی ہے کہ انسان نے کسی چیز کو پسند کیا۔حُبٌ بالشئ سے مراد ہے کہ اس سے وہ چیز پسند آ گئی۔ ''حب الشئ الیه'' سے مراد ہے کہ اس نے اس ''شئ'' کو محبوب ومرغوب بنایا۔''ولکن اللہ حبب الیکم الایمان'' سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ایمان کو مرغوب بنا دیا۔'' الحُبّ'' کا معنی دوستی یا عشق ہے۔الحبیب کا لفظ دوست یا محبوب کے لیے استعمال ہوتا ہے اور الحب فریفتہ یا دلدادہ کو کہا جاتا ہے۔(١١٧)

حضرت سید علی ہجویری (متوفی ۴٦۵ھ) نے اس لفظ کے مادہ ہائے اشتقاق پر بڑی مدلل اور مفصل بحث کی ہے ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے:

یا تو لفظ ''حب'' حبّہ سے ماخوذ ہے حبہ اس بیج کے دانے کو کہتے ہیں جو صحرا میں پڑا ہو۔لوگوں نے محبت کے لیے لفظ حب وضع کرلیا ہے۔صحرا میں گرے ہوئے بیج میں اصل حیات موجود ہوتا ہے۔ دیگر نباتات کے بیجوں کی طرح وہ صحرا کی مٹی میں دفن ہوتا ہے، بارش ہوتی ہے، آفتاب چمکتا ہے، سردی اور گرمی ہوتی ہے۔مگر وہ تمام تغیرات سے بے نیاز رہتا ہے۔جب اس کا وقت آتا ہے تو پھوٹ پڑتا ہے اور پھولتا پھلتا ہے۔اس طرح محبت دل میں جاگزیں ہوتی ہے، حضور، غیب، بلا، محنت، راحت، لذت، فراق ووصال وہ کسی چیز سے متغیر نہیں ہوتی۔

یا یہ لفظ ''حبّی'' سے مشتق ہے جس کا معنی گڑھا ہے۔جس میں پانی بہت ہو۔پانی نظر کی راہ میں حائل ہو اور آنکھ اسے دیکھ نہ سکتی ہو۔اسی طرح جب محبت دل میں جاگزیں ہو کر دل کو لبریز کر دیتی ہے۔تو اس میں بجز محبوب اور کسی چیز کے لیے جگہ نہیں رہتی۔

بعض کہتے ہیں کہ حب دراصل وہ چار چوبہ ہے جس پر پانی کا برتن رکھا جاتا ہے۔محبت حق کو حب اس لیے کہتے ہیں کہ جو کچھ بھی من اللہ ہو۔یعنی عزت، ذلت، راحت، تکلیف، آفت، آسائش، وفا اور جفا سب بطیب خاطر برداشت کرنا ہوتا ہے اور کسی حالت میں بھی کوئی چیز گراں نہیں گزرتی کیونکہ محبت کا مقصود یہی ہے جیسے کہ وہ چار چوبہ جو پانی کے برتن کا بوجھ برداشت کرتا ہے محبت کی تکلیف اور خلقت ہی محبوب کا بوجھ اٹھانے کے لیے ہے۔

بعض کا خیال یہ ہے کہ محبت لفظ حب سے ماخوذ ہے اور یہ حبہ کی جمع ہے جس کا مطلب دل یا دل کا سیاہ نکتہ ہے دل ایک لطیف مقام ہے۔اس کا طبعی نظام ہی لطافت ہے۔محبت بھی اسی سے اقامت پذیر

ہوتی ہے۔محبت کواس کےمحل کا نام دے دیا گیا کیونکہ اس کا مقام دل ہوتا ہے۔اہل عرب اکثر اشیاء کواس کےمحل اور مقام کے نام سے موسوم کر کیا کرتے ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ محبت کا لفظ ''حباب الماء'' (پانی کا بلبلہ) سے مشتق ہے۔جوشدید بارش کے زور سے نمودار ہوتا ہے محبت کا نام حب کر دیا گیا کیونکہ وہ دل کا جوش ہوتا ہے دوست کے اشتیاق دید میں۔اہل محبت کا دل ہمیشہ شوق دید میں بے قرار ومضطرب رہا کرتا ہے۔جس روح کے لیے بے قرار ہوتا ہے اور اس کا قیام ہی روح پر منحصر ہے۔اسی طرح دل محبت پر قائم ہے اور محبت کا قیام محبوب کی دید اور ملاقات پر موقوف ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ لفظ حب ایک اسم ہے جو صفائے محبت کے لیے وضع کیا گیا ہے۔عرب آنکھ کی پتلی کے تل کو حبة الانسان کہتے ہیں۔اسی طرح سویدائے قلب کو ''حبة القلب'' کا نام دیتے ہیں۔سویدائے دل محبت کا مقام ہے اور آنکھ کی پتلی دید کا محل ہے یہی وجہ ہے کہ دل اور آنکھ محبت میں برابر کے شریک ہیں۔(۱۱۸)

امام راغب اصفہانی محبت کا شرعی واصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''المحبة ارادة ماتراه او تظنه خیرا۔''(۱۱۹)

کہ محبت کا مطلب ہے کسی چیز کو اچھا سمجھ کر اس کا ارادہ کرنا یا اسے چاہنا ہے...... پھر اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے کہ محبت کی تین قسمیں ہیں۔کبھی محبت محض لطف اندوزی کے لیے ہوتی ہے جیسے مرد کسی عورت سے محبت کرتا ہے اور اس آیت میں محبت کی یہی قسم مراد ہے۔

''وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِينًا وَّيَتِيمًا وَّأَسِيرًا''(۱۲۰)

''اور وہ کھانے کی محبت کے باوجود مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں۔''

کبھی اپنی ذات کے نفع کے لیے کسی چیز سے محبت کی جاتی ہے۔جیسے انسان کسی نفع بخش اور مفید چیز سے محبت کرتا ہے اور اس آیہ کریمہ میں یہی محبت مراد ہے:

''وَأُخْرٰى تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ''(۱۲۱)

''اور ایک اور چیز جس سے تم بہت زیادہ محبت کرتے ہو یعنی تمہیں اللہ کی طرف سے مدد نصیب ہوگی اور فتح حاصل ہوگی۔''

اور کبھی یہ محبت محض فضل و شرف کی وجہ سے ہوتی ہے جیسے اہل علم و فضل آپس میں محض علم کی وجہ سے محبت کرتے ہیں ۔ **(۱۲۲)**

نبی کریم ﷺ کے حقوق میں سے ایک حق آپ ﷺ سے محبت کرنا بھی ہے ۔ یہاں تیسری قسم کی محبت مراد ہے یعنی نبی کریم ﷺ اپنی علوشان، فضل و کمال، جودو نوال اور حسن و جمال کے سبب کسی بھی انسان کو اپنی جان، ماں باپ، اولاد اور دیگر سب اشیاء سے بڑھ کر محبوب ہو جائیں ۔ جب تک کسی انسان کو حضور اکرم ﷺ سے محبت کا یہ درجہ نہ ملے وہ ایمان کی حلاوتوں سے محروم رہتا ہے چونکہ یہی محبت ہی اتباع نبوی، تکمیل مقصد رسالت میں شراکت اور دین اسلام سے بے پناہ وابستگی کا سبب بنتی ہے اس لیے قرآن و سنت بھی بڑی تاکید کی گئی کہ اہل ایمان پر لازم ہے کہ وہ ہر چیز سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ سے محبت کریں چند شواہد ملاحظہ ہوں ۔

مبحث دوم

محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

—— قرآن وسنت کی روشنی میں ——

قرآن کریم میں نبی کریم ﷺ کی محبت کا حکم دیتے ہوئے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ"(۱۲۳)

"آپ فرمایئے اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور خاندان کے افراد اور مال جو تم کماتے ہو اور تجارت جس کے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو اور تمہارے گھر جو تمہیں بڑے پسند ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پسند ہیں تو ٹھہرے رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم (عذاب) نازل کردے۔"

اس آیہ کریمہ سے دو چیزیں بالکل واضح ہو رہی ہیں ایک تو یہ کہ جس انسان کو اپنی زندگی، مرغوبات زندگی اور لوازمات حیات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم ﷺ سے زیادہ محبوب ہیں اسے اللہ کے عذاب کا انتظار کرنا چاہیے اور دوسرا یہ کہ یہاں تین محبتوں کا حکم دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ رسول کریم ﷺ اور جہاد فی سبیل اللہ سے سب سے بڑھ کر محبت کرو۔ ظاہر ہے ایک دل ایک ہی چیز سے سب سے بڑھ محبت کرسکتا ہے۔ تو یہاں تین محبتوں کا انسان کو مکلف ٹھہرانا اس چیز کا واضح ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ رسول کریم ﷺ اور جہاد کی محبت آپس میں متضاد اور متناقض چیزیں نہیں ہیں بلکہ یہ ایک ہی محبت کے مختلف روپ اور متعدد زاویے ہیں۔ اسلام میں اصل محبت اللہ تعالیٰ کی ہے اور پھر جس بھی چیز سے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کی جائے وہ بھی دراصل اللہ تعالیٰ کی ہی محبت شمار ہوتی ہیں۔ رسول کریم ﷺ کی ذات گرامی سے محبت اللہ تعالیٰ کے رسول، محبوب اور مصطفیٰ و مجتبیٰ ہونے کی وجہ سے ہے اس لیے خدا اور رسول کی محبت میں کوئی تضاد نہیں بلکہ یہ ایک ہی محبت کے دو رخ ہیں۔ رسول کریم ﷺ کی محبت کے بغیر ایمان کی چاشنی حاصل نہیں ہوسکتی۔ نبی کریم ﷺ نے متعدد مواقع پر اس مفہوم کو بڑی تفصیل سے بیان فرمایا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لا یومن احد کم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین."(۱۲۴)

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔"

اسلام نے کسی موقع پر بھی اپنی اولاد، اپنے والدین یا دیگر اعزہ و اقارب سے مطلق محبت کرنے سے نہیں روکا کیونکہ یہ چیزیں انسان کے فطرتی تقاضے ہیں اور اسلام دین فطرت ہے یہ فطرت کے ہر تقاضے کا ایک معتدل حل نکالتا ہے

کسی بھی فطرتی تقاضے کو کچلتا نہیں ۔ یہاں بھی محبت رسول ﷺ کی جس کیفیت کو ایمان قرار دیا ہے وہ ہر چیز سے زیادہ محبت ہے یعنی کہ تم اپنی جان، اولاد، والدین اور دیگر اعزہ و اقارب سے محبت کرو لیکن اگر کبھی ان محبتوں اور رسول اللہ ﷺ کی محبت میں مقابلہ ہو جائے تو رسول کریم ﷺ کی محبت کو ترجیح دینا ہوگی ورنہ نعمت ایمان سے محروم ہو جاؤ گے ۔

حضور اکرم ﷺ کی محبت ہی حلاوت ایمانی کو مستلزم ہے ۔ حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

''ثلاث من کن فیه وجد حلاوة الایمان ان یکون اللّٰه ورسوله أحب الیه مما سواهما وأن یحب المرء لا یحبه الا للّٰه وان یکره ان یعود فی الکفر کما یکره ان یقذف فی النار.''(١٣٥)

''جس میں یہ تین چیزیں پائی جائیں وہ ایمان کی حلاوت پالے گا وہ اللہ اور اس کے رسول سے ہر چیز سے بڑھ کر محبت کرتا ہو ۔ وہ جس سے بھی محبت کرے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے کرے اور اسے کفر میں لوٹنا اتنا ہی ناپسند ہو جیسے آگ میں ڈالا جانا ۔''

حضرت عبداللہ بن ہشام کہتے ہیں:

''کنا مع النبی ﷺ وهو آخذ بید عمر بن الخطاب فقال له عمر یا رسول اللّٰه لانت احب الی من کل شیٔ الا من نفسی فقال النبی ﷺ لا والذی نفسی بیده حتی اکون أحب الیك من نفسك: فقال له عمر: فانه الآن لأنت أحب الی من نفسی فقال النبی ﷺ الآن یا عمر.''(١٣٦)

''ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے اور آپ ﷺ نے حضرت عمر ؓ کا ہاتھ تھاما ہوا تھا ۔ حضرت عمر ؓ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ ! آپ مجھے میری ذات کے علاوہ ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں ۔'' نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''نہیں! قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ۔ (تم اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے) جب تک میرے ساتھ اپنی جان سے بھی بڑھ کر محبت نہ کرو، تب حضرت عمر ؓ نے عرض کیا: ''اللہ کی قسم! اب تو آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں'' حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اے عمر! اب تم کامل مومن ہو ۔''

جب حضرت علی ؓ سے پوچھا گیا کہ تمہیں رسول اللہ ﷺ سے کتنی محبت ہے تو آپ نے فرمایا:

''کان واللّٰہ أحب الینا من اموالنا و اولادنا وآبآئنا و امھاتنا ومن الماء البارد علی الظمأ۔''(۱۲۷)

''اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ ہمیں اپنے اموال، اپنی اولاد، اپنے والدین اور شدید پیاس کے وقت ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب تھے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ سے کس طرح ٹوٹ کر محبت کرتے تھے۔اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ احد سے واپسی پر نبی کریم ﷺ کا گزر بنو دینار کی ایک خاتون پر ہوا۔جس کا شوہر، بھائی اور باپ غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے۔جب لوگوں نے اسے اس کے شوہر، بھائی اور باپ کی شہادت کی خبر دی۔تو اس نے پوچھا رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے کہا اے ام فلاں! تمہاری خواہش کے مطابق حضور ﷺ تو بالکل خیریت سے ہیں۔وہ پاکباز خاتون کہنے لگی مجھے دکھاؤ، جب تک میں اپنی آنکھوں سے دیکھ نہیں لیتی مجھے قرار نہیں آئے گا، لوگوں نے نبی کریم ﷺ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ وہ ہیں نبی کریم ﷺ جب اس نے اپنی آنکھوں سے حضور اکرم ﷺ کو دیکھ لیا۔''کل مصیبة بعد ك جلل'' (۱۲۸) کہ آپ کا دیدار کرنے کے بعد سب مصیبتیں ہیچ ہیں۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جن مشرکین کے آباء واجداد بدر میں قتل ہوئے تھے۔وہ حضرت خبیبؓ کو قتل کرنے کے لیے مقتل میں لائے۔جب ان کے ہتھیار اتار کے انہیں سولی کے پاس لے گئے اور کہتے تھے:

''اتحب ان محمد امکانك؟ فقال لا واللّٰہ العظیم ما احب ان یفدینی بشوکة یشاکھا فی قدمه فضحکوا۔''(۱۲۹)

''کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری جگہ محمد (ﷺ) ہوتے؟ تو حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں اللہ بزرگ و برتر کی قسم! مجھے بھی گوارا نہیں کہ میری جگہ آپ ﷺ کے پاؤں مبارک میں کانٹا بھی چبھے۔ اس پر مشرکین نے قہقہہ لگایا۔''

اور نبی کریم ﷺ نے تو اسی محبت کو ایک بندہ مومن کا کل سرمایہ بھی قرار دیا ہے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی رسول کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور کہنے لگا قیامت کب آئے گی؟ آپ نے اس سے فرمایا تو نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے اس نے کہا:

"ما اعددت لھا کبیرا انی احب اللہ ورسولہ قال فانت مع من احببت ۔"(۱۳۰)

''اس نے جواب دیا کہ میں نے اس کے لیے کوئی بڑی تیاری تو نہیں کی مگر میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں ۔ آپ نے فرمایا تو اسی کے ساتھ ہوگا جس سے تو محبت کرتا ہے ۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسلام لانے کے بعد ہمیں جتنی خوشی اس بات سے ہوئی اتنی خوشی کسی بات سے نہیں ہوئی ۔

سطور بالا سے واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی محبت آپ کے حقوق میں سے ایک اہم حق ہے ۔ قرآن وسنت میں جس کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے اور اہل ایمان نے اس باب میں ناقابل فراموش مثالیں قائم فرمائی ہیں ۔

مبحث سوم
محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے اسباب اور تقاضے

انسان اس وقت تک ایمان کی دولت سے محروم رہتا ہے جب تک وہ اپنی جان، اولاد، والدین، مال وثروت اور ہر چیز سے بڑھ کر نبی کریم ﷺ سے محبت نہ کرے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ محبت تو ایک طبعی اور اضطراری چیز ہے جو انسان کے اختیار میں نہیں ہوتی۔ تو انسان کو اس محبت کا مکلف کیوں ٹھہرایا گیا ہے؟

اس سوال کے جواب میں اصحاب علم ومعرفت کہتے ہیں کہ یہ چیز تو مسلمہ ہے کہ محبت ایک اختیاری چیز نہیں اضطراری چیز ہے لیکن محبت بہر حال کچھ اسباب کی بنا پر ہوتی ہے۔ وہ اسباب یہاں بھی پائے جائیں گے انسان کو اس سے محبت ہو جائے گی۔ علامہ ابن قیم اس پس منظر میں لکھتے ہیں:

"والحب تبع للاسباب المقتفية وهو ما عليه المحمود من صفات الكمال ونعوت الجلال والاحسان الى الغير فان هذه هي اسباب الحبة." (۱۳۱)

"اور محبت کچھ اسباب کے تابع ہوتی ہے جو محبت کے مقتضی ہوتے ہیں اور صفات کمال، نعوت جلال اور دوسروں پر احسان کرنا ہے یہ اسباب محبت ہیں یہ صفات جتنی بھی زیادہ اور کامل ہوں گی تعریف اور محبت اتنی ہی مکمل اور اعظم ہوگی۔"

یعنی جب کسی ذات میں جتنا حسن وجمال صفات کمالیہ اور جود وسخا پایا جائے گا تو اس سے اتنی ہی محبت زیادہ ہوتی جائے گی۔ مولانا بدر عالم میرٹھی اس پس منظر میں لکھتے ہیں:

"شیخ بدرالدین عینی لکھتے ہیں کہ محبت کے تین اسباب ہیں: کمال، جمال، جود وسخا۔ یہ تینوں اوصاف آنحضرت ﷺ کی ذات سے زیادہ کسی کی ذات میں موجود نہیں۔ آپ کا کمال شریعت مطہرہ سے ظاہر ہے۔ آپ کا جمال احادیث شمائل میں موجود ہے۔ آپ کی روحانی وجسمانی بخشش وکرم کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ پھر آپ کی محبت تمام مخلوق سے زیادہ کیوں نہ ضروری ہو۔ ماں، باپ، بیٹے کی محبت طبعی ہے اور آنحضرت ﷺ کی محبت محبت عقلی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ کمال ایمان یہ ہے کہ تقاضائے عقل، تقاضائے طبیعت پر غالب آ جائے۔ ایمان صرف عقائد، عمل کا نام نہیں بلکہ ان کیفیات کا نام ہے جن سے شدہ شدہ مومن کا قلب مزین ورنگین ہوتا ہے۔" (۱۳۲)

آپ ﷺ کے کمالات کا اندازہ لگانا ناممکن ہے آپ باعث تخلیق کائنات ہیں۔ آپ نے مختصر عرصہ میں ایک ایسا ہمہ گیر انقلاب پیدا کیا۔ جس کی مثال پوری دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی آپ نے دنیا کو اوہام پرستی سے نکال کر حقیقت

پسندی کا سبق دیا اور ایک ایسا نظام دیا جو نوع انسانی کی ہر میدان میں کامل رہنمائی کرتا ہے اور آپ کو غیر مسلموں نے بھی دنیا کا عظیم ترین اور کامیاب ترین فرد قرار دیا ہے۔

آپ کی جود وعطا کا یہ عالم ہے کہ آپ نے کبھی کسی سائل کو خالی ہاتھ واپس نہیں کیا۔ آپ کے پاس اگر لاکھوں درہم و دینار بھی آئے تو آپ نے جب تک انہیں لوگوں میں تقسیم نہیں کر دیا اپنے گھر تشریف نہیں لے گئے۔ اگر کبھی آپ کے پاس دینے کو مال نہ بھی ہوتا تو آپ قرض لے کر بھی سائل کو عطا فرماتے۔ حضرت جابر بن اللہ ﷺ فرماتے کہ نبی کریم ﷺ کی جود وسخا کا یہ عالم تھا۔

”ماسئل رسول اللہ ﷺ شیئا قط وقال لا۔“(۱۳۳)

کبھی ایسا نہیں ہوا کہ حضور اکرم ﷺ سے کوئی سوال کیا گیا اور آپ نے جواب میں ”نہیں“ فرمایا۔

اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو جمال وجلال عطا فرمایا ہے اسے لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات سے بڑھ کر آپ کو حسین وجمیل بنایا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ ﷺ فرماتے ہیں:

”ما رأیت أحسن من رسول اللہ کا نما الشمس تجری فی وجھہ۔“(۱۳۴)

”میں نے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کسی کو حسین وجمیل نہیں دیکھا۔ یوں لگتا تھا جیسے سورج آپ کے چہرہ میں رقصاں ہے۔“

جب محبت کے تمام اسباب پوری مخلوق سے بڑھ کر نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی میں پائے جاتے ہیں تو پھر سب سے بڑھ کر محبت بھی آپ کی ذات اقدس سے ہونی چاہیے۔

علامت محبت:

انسان کا ظاہر اس کے باطن کا عکاس ہوتا ہے اور اس کا باطن اس کے ظاہر پر حکمران ہوتا ہے۔ انسان دراصل اپنے نظریات اور خیالات وافکار کا غلام ہوتا ہے اس کا باطن یا اس کی سوچ اسے جو حکم دیتی ہے وہ اس کی تعمیل کرتا ہے۔ محبت رسول ﷺ ایک باطنی معاملہ ہے لیکن اس کا اظہار انسان کے ظاہر سے ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی محبت کی بہت سی علامات اور نشانیاں ہیں۔ ان میں سے زیادہ واضح اور نمایاں درج ذیل ہیں۔

اطاعت واتباع:

محبت کا تقاضا ہے کہ محبوب کی پیروی کی جائے اور محبوب کی اداؤں کو اپنایا جائے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر حضور اکرم ﷺ کی پیروی کا حکم دیا ایک مقام پر فرمایا:

"وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا"(۱۳۵)

''اور رسول تمہیں جو (حکم) دیں اسے لے لو اور جس چیز سے روکیں اس سے رک جاؤ۔''

رسول کریم ﷺ کی اتباع کو ہی اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت قرار دیتے ہوئے فرمایا:

"قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ"(۱۳۶)

''آپ فرما دیجئے! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ"(۱۳۷)

''جو رسول کی اطاعت کرتا ہے یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

آپ کی محبت کا تقاضا ہے کہ آپ کے احکامات پر عمل کیا جائے اور جن چیزوں سے آپ نے روکا ان سے رکا جائے۔ راحت، تکلیف، خوشی، غم اور ہر حال میں آپ کی سنتوں کی اقتداء کی جائے اور اپنی نفسانی خواہشات اور اپنے مفادات اور رسم ورواج پر آپ کی سنت کو ترجیح دی جائے آپ کی سنت سے محبت بھی آپ سے ہی محبت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"من احب سنتي فقد احبني."(۱۳۸)

''جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی۔''

آپ کی محبت کی علامت آپ کی اتباع اور پیروی ہے۔

کثرت ذکر:

حضرت عائشہ صدیقہ ؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "من احب شيئا اكثر ذكره".(۱۳۹) جو کسی سے محبت کرتا ہے وہ کثرت سے اس کا ذکر کرتا ہے۔ آپ ﷺ سے محبت کا تقاضا ہے کہ کثرت سے آپ کا ذکر کیا جائے عملی طور پر اس سے مراد یہ ہے کہ نظم اور نثر میں آپ کی تعریف وتوصیف کی جائے۔ آپ پر کثرت سے درود وسلام پڑھا جائے۔ آپ کی نعت پڑھی جائے اور آپ کا ذکر سن کر خوش ہونا۔ آپ کی نعت اور تعریف سن کر مسرور ہونا بھی آپ ﷺ سے محبت کرنے کی علامات میں سے ہے۔ اسی طرح آپ کی شان میں غلو سے بچنا بھی آپ سے محبت کی نشانیوں میں سے ہے۔

آپ کی تعظیم وتوقیر کرنا:

ادب محبت کے تقاضوں میں سے پہلا تقاضا ہے۔حضور اکرم ﷺ کی تعظیم وتوقیر بجالانا بھی آپ سے محبت کی علامت میں سے ایک علامت ہے۔یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شان میں ''راعنا'' کہنے سے منع فرما کر مشکوک لفظ کے استعمال سے روک دیا اور آپ کی آواز سے آواز اونچی کرنے کو اعمال برباد ہونے کا سبب قرار دیا۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۰۵۲ھ) فرماتے ہیں:

> ''ابو ابراہیم یحییٰ فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ جب اس کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا جائے تو وہ ادب اور احترام سے بنے اور بدن کو جنبش تک نہ دے اور رخود پر اس طرح ہیبت اور جلال طاری کرے گا گویا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑا ہے۔حضرت ابو ایوب سختیانی کے سامنے جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو وہ اس قدر روتے کہ لوگوں کو ان کے حال پر رحم آجاتا۔ جعفر بن محمد کثیر المزاح اور ہنس مکھ شخص تھے مگر جب ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو ان کا رنگ زرد پڑ جاتا۔''(۱۴۰)

آپ ﷺ کی تعظیم وتوقیر بھی آپ کی محبت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

حضور ﷺ سے ملاقات کا شوق:

محبت دیدار محبوب کا تقاضا کرتی ہے اور ایک محبِّ صادق کو محبوب کا دیدار دنیا کے سارے غم بھلا دیتا ہے۔آپ سے محبت کا تقاضا ہے کہ ہر مسلمان کے دل میں آپ کی زیارت اور آپ سے ملاقات کا شوق ہو۔
حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ''من اشد امتی الی حبا ناس یکونون بعدی یود احدھم لورانی باھلہ ومالہ۔'' (۱۴۱)
>
> ''میری امت میں مجھ سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے لوگ میرے بعد ہوں گے ان میں سے کسی بھی ایک شخص کی یہ تمنا ہوگی کہ کاش! اس کے تمام اہل اور مال کے بعد میں اسے میری زیارت ہو جائے۔''

آپ ﷺ سے متعلقہ ہر چیز سے محبت:

محبت کا تقاضا ہے کہ محبوب سے متعلقہ ہر چیز محبوب ہو جاتی ہے۔نبی کریم ﷺ سے جسے سچی محبت نصیب ہو جائے۔وہ آپ سے منسوب ہر چیز سے محبت کرے گا۔وہ آپ کے لائے ہوئے دین، آپ پر نازل ہونے والے قرآن

مجید اور آپ کی سنت سے بھی محبت کرے گا اور اسے آپ کا وطن، آپ کے صحابہ کرام، اہل بیت عظام اور آپ سے نسبت رکھنے والی ہر چیز سے محبت کرے گا۔ وہ آپ کے محبین سے محبت کرے گا اور آپ کے دشمنوں سے عداوت رکھے گا۔ مختصر یہ کہ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ سے نسبت رکھنے والی ہر چیز سے محبت کی جائے۔

مبحث چہارم
محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
فقہاء کی نظر میں

نبی کریم ﷺ کی محبت کے وجوب پر اجماع امت ہے۔تمام فقہاء اس پر متفق ہیں۔احناف،شوافع،حنابلہ یا مالکیہ رحمہم اللہ سب اس پر متفق ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی محبت کے بغیر انسان ایمان کی حلاوتوں سے محروم رہتا فقہاء میں امام مالکؒ اس میدان میں اپنا ایک الگ اور منفرد مقام رکھتے ہیں۔

ابراہیم بن عبداللہ بن قریم الانصاری فرماتے ہیں کی ایک مرتبہ امام مالک رحمہ اللہ حضرت ابو حازم کے مکان کے سامنے سے گزرے تو وہ درس حدیث دے رہے تھے آپ وہاں رکے بغیر آگے بڑھ گئے جب لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ خلاف معمول ان کے مکان کے سامنے سے بغیر ملاقات کے چلے آئے تو آپ نے فرمایا کہ اس وقت وہ درس حدیث میں مشغول تھے چونکہ ان کے مکان میں بیٹھنے کی جگہ نہ تھی اور میں نے یہ گوارہ نہ کیا کہ اس طرح کھڑے ہوکر حضور ﷺ کی حدیث سنوں۔یعنی رسول کریم ﷺ سے آپ کو اس قدر محبت ہے آپ کی احادیث سننے میں بھی احترام اور تعظیم کو ضروری سمجھتے ہیں اور کھڑے کھڑے حدیث پاک سننا بھی گوارا نہیں کرتے۔

عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام مالک درس حدیث دے رہے تھے۔اس دوران بچھو نے نے آپ کو سولہ مرتبہ کاٹا لیکن آپ نے درس حدیث جاری رکھا۔اس دوران ڈنگ مارنے کی تکلیف سے آپ کا رنگ بدل جاتا لیکن آپ نے اپنے طرز عمل میں ذرا بھی تبدیلی نہ کی جب آپ درس سے فارغ ہوئے۔تو ابن مبارک نے دریافت کیا کہ آج میں نے دوران درس آپ کی وہ حالت دیکھی جو اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی اس پر آپ نے بچھو کے کاٹنے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"انماصبرت اجلالا لحدیث رسول الله ﷺ" (۱۴۲)

کہ میں نے یہ نبی کریم ﷺ کے احترام میں کیا ہے۔امام مالک نے پوری زندگی مدینہ منورہ میں بسر کی لیکن کبھی حدود مدینہ میں بول و براز نہیں کیا۔آپ کے پاس بہت سی سواریاں،گھوڑے اور مصری خچر موجود تھے لیکن مدینہ منورہ کے ادب کی وجہ سے آپ ان پر سوار نہیں ہوتے اور مدینہ منورہ میں پیدل چلتے تھے۔

امام مالکؒ نبی کریم ﷺ سے اتنی محبت فرماتے تھے کہ حضرت ابو معصب فرماتے ہیں:

"کان مالك بن انسؒ لایحدث بحدیث رسول الله ﷺ الا وھو علی وضوء اجلالا له."(۱۴۳)

''کہ آپ نبی کریم ﷺ کے احترام کی وجہ سے آپ کی حدیث پاک بھی بے وضو بیان نہیں فرماتے تھے۔''

قاضی عیاض مالکی نبی کریم ﷺ کی محبت کے لزوم اور وجوب کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قال اللہ تعالیٰ ﴿قل ان کان ابائکم و ابناؤکم و اخوانکم و أزواجکم وعشیرتکم واموال ن افترفتموھا﴾ (۱۴۴) الخ الایة فکفی بهذا حضا و تنبیها و دلالة و حجة علی الزام محبته و وجوب فرضا و عظم خطرها و اسحقاقه لها ﷺ اذ قرع تعالی من کان ماله و أهله و ولده احب الیه من رسول اللّٰه و رسوله و اوعدهم بقوله تعالی فتربصوا حتی یأتی اللّٰه بامره (۱۴۵) ثم فسقهم بتمام الایة و أعلمهم انهم من ضل لم یهده اللّٰه" (۱۴۶)

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ فرما دیں اگر تمہارے باپ تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارے خاندان اور تمہارے کمائے ہوئے مال ......"

مذکورہ بالا آیت نبی کریم ﷺ کی محبت کے لازم ہونے اور اس کی اہمیت کو بیان کرنے کے لیے کافی ہے نیز اس بات کو بھی ظاہر کرتی ہے کہ اس محبت کی اصل مستحق ذات نبوی ہی ہے اور اس آیت میں ترغیب اور تنبیہ بھی یہ کہ جن لوگوں نے اپنی اولاد اور اپنے مال کی محبت کو اللہ اور اس کے رسول پر فوقیت دی انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سرزنش اور تنبیہ ہے کہ "پھر تم اللہ تعالیٰ کے ایسے لوگوں کو فاسق اور گمراہ بتایا گیا ہے کہ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں بارگاہ الٰہی سے ہدایت نصیب نہیں ہوئی ہے۔"

مالکیہ کی طرح دیگر فقہاء بھی محبت رسول ﷺ کے وجوب پر متفق ہیں۔ امام سیوطی شافعی فرماتے ہیں:

"قال ابن بطال معنی الحدیث ان من استکمل الایمان علم ان حقه ﷺ آکد من حق ابیه و ابنه والناس اجمعین لانه استقذنا من النار وهدانا من الضلال." (۱۴۷)

"ابن بطال نے کہا حدیث کے معنی یہ ہے کہ جس کا ایمان مکمل ہو جائے گا وہ جان لے گا کہ نبی کریم ﷺ کا حق اس کے باپ بیٹوں اور تمام لوگوں سے بڑھ کر ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں آگ سے آزاد کر دیا اور گمراہی سے ہدایت دی۔"

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی فرماتے ہیں:

"وان کانت محبة جمیع الرسل من الایمان لکن الاجیة مختصة بسیدنا رسول اللّٰه ﷺ." (۱۴۸)

''اگر چہ تمام انبیاء کرام سے محبت کرنا ایمان کا تقاضا ہے لیکن سب سے بڑھ کر محبت کرنا صرف ہمارے آقا ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔''

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

''قال القرطبی من امن بالنبی ﷺ ایمانا صحیحا لا یخلو عن وجدان شیء من تلك المحبة الراجحة غیر انهم متفا وتون فمنهم من اخذ تلك المرتبة بالحظ الاوفی و منهم من اخذ منها بالحظ الادنی کمن کان مستغرقا فی الشهوات محجوبا فی الغفلات فی اکثر الأقات لکن الکثیر منهم اذا ذکر النبی ﷺ اشتاق الی رویته بحیث یؤثرها علی اهله و ولده و ماله و والده.''(۱۴۹)

''قرطبی کہتے ہیں جو بھی آدمی حضور اکرم ﷺ پر صحیح ایمان لائے گا۔ وہ حضور ﷺ کی محبت کی ایسی کیفیت سے خالی نہیں ہوگا جو ہر دوسری محبت پر غالب ہوگی لیکن اس محبت میں لوگوں کے درجات مختلف ہیں۔ کسی کو یہ مرتبہ بہت بڑے مکمل حصے کے ساتھ ملا ہے اور کسی کو ادنی حصہ کے ساتھ ملا ہے جیسے جو بندہ اکثر شہوات میں ڈوبا رہے اور غفلت میں پڑا رہے لیکن ان میں سے اکثر کی حالت یہ ہے کہ جب ان کے پاس نبی کریم ﷺ کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ آپ کے دیدار کا اس طرح مشتاق ہو جاتے ہیں کہ وہ اسے اپنے اہل خانہ اولاد، مال و دولت اور والدین پر ترجیح دیتے ہیں۔''

امام نووی شافعی فرماتے ہیں:

''ان حقیقة الایمان لایتم الا بذلك ولا یصح الایمان الا بتحقیق اعـــــــلاء قدر النبی ﷺ و منزلته علی کل والد و ولد ومحسن و مفضل من لم یعقد هذا و اعتقد سواه فلیس بمؤمن.'' (۱۵۰)

''حضور ﷺ کی محبت کے بغیر ایمان کی حقیقت مکمل نہیں ہوتی اور ایمان اس وقت تک ثابت ہی نہیں ہوتا جب تک حضور اکرم ﷺ کی قدر و منزلت کو اپنے والدین اولاد، احسان کرنے والوں کو اور مفضل کرنے والوں سے بڑھ کر نہ مانا جائے جس نے یہ اعتقاد نہ لکھا اور اس کے علاوہ کوئی اعتقاد رکھا وہ مومن نہیں ہے۔''

علامہ ابن تیمیہ حنبلی لکھتے ہیں:

"فان محبة الرسول أوجب من محبة الانسان علی نفسه۔" (۱۵۱)

"نبی کریم ﷺ کی محبت انسان پر اپنی جان سے بھی بڑھ کر ضروری اور لازمی ہے۔"

علامہ بدرالدین عینی جو کہ فقہ حنفی کے ایک بہت بڑے عالم ہیں۔ایک عظیم محدث اور فقیہ ہیں۔نبی کریم ﷺ کی محبت کی اہمیت و افادیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"من لم یجد من نفسه ذلك لم یکمل ایمانه علی ان کل من امن ایمان صحیحا لا یخلو من تلك المحبة...... المحبة اما اعتقاد النفع أو میل یتبع ذلك او صفة مخصصة لأحد الطرفین بالوقوع ثم المیل قد یکون بما یستلذه بحواسه کحسن الصورة ولما یستلزه بعقله کمبة الفضل و الجمال وقد یکون لاحسانه الیه و دفع المفار عنه ولا یخفی ان المعانی الثلاثة کلها موجودة فی رسول اللّٰه لما جمع من جمال الظاهر و الباطن و کمال انوا ع الفضائل و احسانه الی جمیع المسلمین بهدایتهم الی الصراط مستقیم۔"(۱۵۲)

"جس بندے کو نبی کریم ﷺ کی محبت اس درجہ کی نصیب نہیں ہے۔اس کا ایمان مکمل نہیں کیونکہ جو بھی صحیح ایمان لائے گا وہ اس محبت سے محروم نہیں رہے گا۔محبت یا کسی سے نفع ملنے کی وجہ سے ہوتی ہے، یا طبعی میلان کی وجہ سے ہوتی ہے۔یا طرفین میں سے کسی میں پائی جانے والی کسی خاص خوبی کی وجہ سے ہوتی ہے۔پھر طبعی میلان کبھی ظاہری خوبصورتی اور جمال کی وجہ سے ہوتا ہے جو حواس ظاہری کو بھاتا ہے۔کبھی جمال (باطنی) سے عقل لطف اندوز ہوتی ہے جیسے فضل اور جمال سے محبت اور کبھی محبت کرنے کی وجہ سے ہوتی ہے اور یہ چیز بالکل واضح اور عیاں ہے کہ محبت کے تینوں اسباب ذات رسالت مآب ﷺ میں جمع ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ میں جمال ظاہری اور باطنی اکٹھا کر دیا اور تمام فضائل آپ کی ذات میں جمع کر دیے ہیں اور تمام مسلموں پر آپ کے احسانات ہیں کیونکہ آپ نے انہیں صراط مستقیم کی طرف ہدایت دی ہے۔"

علامہ اسماعیل حقی حنفی کہتے ہیں:

"ان محبة الرسول ﷺ مندرجة فی محبة اللّٰه تعالی فمن احب الله حبا حقیقیا احب اللّٰه ان یأذن لحبیبه فی شفاعته ومن احب رسول اللّٰه ﷺ من غیر محبة اللّٰه لم یؤذن له فی الشفاعة الاتری ان قوما افرطوا فی حب علی رضی اللّٰه عنه ونسوا محبة اللّٰه فنفاهم علی بل احرق بعضهم۔" (۱۵۳)

''نبی کریم ﷺ سے محبت دراصل اللہ تعالیٰ کی محبت کا ایک روپ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے حقیقی محبت کرے گا اللہ تعالیٰ اسی کے متعلق اپنے محبوب کو اذن دے گا کہ وہ اس کی شفاعت کرے جو رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ کی محبت کے بغیر محبت کرے گا اسے شفاعت کا اذن نہیں دیا جائے گا کیا تو نہیں دیکھتا کہ ایک قوم نے اللہ تعالیٰ کی محبت کو بھلا کر حضرت علیؓ سے محبت کی تو آپ نے ان کی اس محبت کو مسترد کر دیا بلکہ ان میں سے بعض کو آپ نے جلا بھی دیا۔''

علامہ محمد بن یوسف صالحی شافی (متوفی ۹۴۲ھ) محبت رسول ﷺ پر ایک طویل اور مدلل بحث کرنے کے بعد آخر میں پوری بحث کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''......فقد استبان لك انه ﷺ مستوجب للمحبة الحقيقة شرعا بما قدمناه من صحيح الآثار لافاقته الاحسان علينا من رأفته بنا، ورحمته لنا و هدايته ايانا، وشفقته علينا و انقاذ نا من ورطة الجهاله و انه بنا رؤف رحيم، ورحمة للعلمين و قد جمع الله فيه جميع اسباب المحبة المتقدمة، فان اللّٰه تعالى جمله بجمال الصور الطريفة وبكمال الاخلاق و الباطن و بمكارم الاحسان و كرائم الانعام.'' (۱۵۴)

''تجھ پر واضح ہو گیا کہ شرعی طور پر نبی کریم ﷺ ہی حقیقی محبت کے حقدار ہیں جیسا کہ ہم نے صحیح آثار سے بیان کیا ہے۔ اس کا سبب نبی کریم ﷺ کے ہم پر احسانات، آپ کی محبت اور رحمت ہے اور آپ نے ہمیں ہدایت کا راستہ دکھایا اور جہالت کی تاریکیوں سے نجات دی۔ آپ ہم پر بہت زیادہ نرمی فرمانے والے اور رحمت کرنے والے ہیں۔ آپ رحمۃ للعلمین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ میں محبت کے تمام اسباب جمع فرما دیئے جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صوری اور معنوی جمال سے مزین فرمایا آپ کو اخلاق اور احسان کی خوبیوں سے متصف فرمایا ور آپ پر بے پناہ انعامات فرمائے۔''

سطور بالا سے واضح ہوا کہ فقہاء کرام اور پوری امت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ کی محبت کے بغیر انسان نعمت ایمان سے محروم رہتا ہے اور آپ سے محبت کرنا آپ کے حقوق میں سے ایک اہم حق ہے۔

(خلاصہ باب)

اس باب کی مباحث کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱- ایمان کا لغوی معنی پختہ یقین کرنا ہے اور شریعت میں ایمان سے مراد نبی کریم ﷺ کی بتائی ہوئی ہر بات پر اتنا پختہ یقین کرنا ہے جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہ ہو۔

۲- چونکہ پورے کا پورا دین ذات رسالت مآب ﷺ سے ہی انسان کو ملتا ہے۔اس لیے ایمان بالرسول ﷺ کے بغیر دین کا کوئی تصور نہیں۔

۳- تمام فقہاء کے نزدیک ایمان بالرسول سب سے اہم فرائض میں سے ایک فرض ہے لیکن اس کے اطلاق میں کچھ اختلاف ہے۔

۴- ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء ورسل بھیجنے کا جو سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع کیا تھا وہ نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی پر ختم ہو گیا اور آپ کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔

۵- ختم نبوت کا عقیدہ قرآن وسنت کی نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔

۶- عقیدہ ختم نبوت اجماع امت بھی ہے اور یہ عقیدہ نا قابل تردید دلائل عقلیہ پر قائم ہے۔

۷- تمام فقہاء، عقیدہ ختم نبوت پر متفق ہیں کسی ایک فقیہ کو بھی اس پر اختلاف نہیں ہے۔

۸- حقوق الرسول ﷺ کے اعتقادی پہلوؤں میں سے ایک اہم پہلو آپ کی تعظیم وتوقیر ہے۔

۹- توقیر وتعظیم نبوت پر قرآن وسنت کے صریح اور واضح دلائل موجود ہیں۔

۱۰- امت مسلمہ نے شروع سے آج تک تعظیم وتوقیر نبوی کے ایسے پر سوز نمونے قائم کیے ہیں کہ ان کی مثال پیش کرنے سے پوری دنیا کی تاریخ قاصر ہے۔

۱۱- فقہاء کے نزدیک تعظیم نبوی اعظم واجبات میں سے ہے اور سب نے اپنے اپنے انداز میں اس کی تلقین کی ہے۔

۱۲- حضور اکرم ﷺ کے حقوق کے اعتقادی پہلوؤں میں سے ایک اہم پہلو آپ سے محبت کرنا بھی ہے۔

۱۳- قرآن وسنت میں بڑی تاکید سے محبت رسول ﷺ کی تاکید کی گئی ہے۔

۱۴- محبت کے تین اسباب میں جمال، کمال اور نوال اور یہ سب اسباب محبت پوری دنیا سے زیادہ نبی کریم ﷺ کی

ذات گرامی میں پائے جاتے ہیں۔آپ سے محبت کے تقاضوں میں آپ کی اتباع،آپ کے دیدار کا شوق اور آپ سے نسبت رکھنی والی ہر چیز سے محبت شامل ہے۔

۱۵- سب فقہاء محبت سوال کو ایمان کے لیے ضروری اور لازم سمجھتے ہیں اور اپنے اپنے انداز میں اس کی تلقین کرتے ہیں۔

(حوالہ جات)

۱۔ مفردات الفاظ القرآن، مادہ، امن

۲۔ سورۃ الانفال ۸:۲۷

۳۔ سورۃ الاحزاب ۳۳:۷۲

۴۔ مفرادت القرآن۔ مادہ امن

۵۔ الزبیدی، سید محمد مرتضیٰ، تاج العروس، مادہ امن، (۹/۱۲۵)، مطبوعہ المطبعۃ الخیریۃ مصر، ۱۳۰۶

۶۔ جرجانی، السید شریف علی بن محمد، کتاب التعریفات، المطبعۃ الخیریۃ، مصر (۱۳۰۶ھ) ص:۱۸،

۷۔ سورۃ المنافقون:۶۳/۱

۸۔ سورۃ البقرہ:۲/۱۴۶

۹۔ القاری، ملاعلی، شرح الفقہ الاکبر، قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی، ص:۸۷

۱۰۔ دہلوی، شیخ عبدالحق محدث، تکمیل الایمان، نذیر سنز پبلشرز، اردو بازار، لاہور، ص:۶۰

۱۱۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ماتریدی، علامہ غلام حسین عاصم، شرح عقائد نسفی، فیض رضا پبلی کیشنز، فیصل آباد، ص: ۱۲۱

۱۲۔ العینی، بدرالدین الحنفی، عمدۃ القاری، دارصادر، بیروت، ج:۱، ص:۲۷۲

۱۳۔ سورۃ التغابن ۶۴:۸

۱۴۔ سورۃ الفتح ۴۸:۱۳

۱۵۔ سورۃ الحجرات ۴۹:۱۵

۱۶۔ سورۃ النساء ۴:۱۳۶

۱۷۔ قشیری، ابوالحجاج مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا محمد ﷺ، کتاب الایمان، رقم الحدیث: ۲۹۴

۱۸۔ بخاری امام، محمد بن اسمٰعیل، صحیح بخاری، باب فان تابوا و اقاموا الصلوۃ الخ، کتاب الایمان، رقم الحدیث:۲۵

۱۹۔ سورۃ آل عمران ۳:۳۲

۲۰۔ سورۃ الانعام ۶:۹۱

۲۱۔ محمد بن عمر بن حسن التیمی الکبری، ان کا اصل وطن طبرستان تھا۔ ۵۴۴ھ میں ری میں پیدا ہوئے۔ حصول علم کے لیے خوارزم، ماوراء النہر اور خراسان کا سفر کیا منقولات اور معقولات میں امام تھے ان کی مشہور کتابوں میں مفاتیح الغیب المعروف بالتفسیر الکبیر اور مباحث الشرقیہ شامل ہیں۔ ۶۰۶ھ میں فوت ہوئے۔ سیوطی، امام

عبدالرحمٰن ابی بکر،طبقات المفسرین، دارالکتب العلمیہ، بیروت،ص:۱۰۰

۲۲۔ رازی،محمد بن عمر،فخر الدین،التفسیر الکبیر،مطبوعہ تہران، ج:۱۳،ص:۴۷

۲۳۔ ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید طبری،۲۲۴ھ میں طبرستان میں پیدا ہوئے۔طلب علم کے لیے مصر، شام اور عراق کا سفر کیا۔پھر بغداد میں اقامت پذیر ہوگئے۔مشہور مؤرخ اور مفسر ہیں۔ان کی مشہور تصانیف میں ''جامع البیان فی تفسیر القرآن اور تاریخ الطبری شامل ہیں۔۳۱۰ھ میں فوت ہوئے۔سیوطی،طبقات المفسرین،ص: ۸۲-۸۴

۲۴۔ طبری،محمد بن جریر، جامع البیان،مؤسسۃ الرسالۃ،الطبعۃ الاولی،۱۴۲۰ھ/۲۰۰۰ء، ج:۱۳،ص:۱۷۰

۲۵۔ عینی، بدالدین محمود بن احمد، عمدۃ القاری،(ملخص)، ادارۃ الطباعۃ المیریۃ، مصر (۱۳۴۸ھ)، ج:۱، ص:۱۰۲-۱۰۳

۲۶۔ الرازی، محمد بن ابوبکر بن عبدالقادر، مختار الصحاح، باب الخاء ، مادہ ختم (۱/۱۹۶) مکتبہ لبنان ناشرون، بیروت

۲۷۔ زبیدی،مرتضٰی حسینی،تاج العروس،مادہ ختم (۲۲/۲۴۲) دارالہدایہ

۲۸۔ الافریقی،ابن منظور،لسان العرب،مادہ ختم (۴/۲۵)۔احیاء التراث العربی، بیروت

۲۹۔ مفردات القرآن ۔مادہ ختم (ص:۱۴۴)

۳۰۔ سورۃ البقرہ۲:۷

۳۱۔ الافریقی،محمد بن مکرم بن منظور،لسان العرب،حرف المیم،مادہ ختم (۱۲/۱۶۳)،دارصادر، بیروت

۳۲۔ سورۃ النور۲۴:۵۴

۳۳۔ سورۃ البقرہ۲:۴

۳۴۔ سورۃ الاعراف ۷:۱۵۸

۳۵۔ سورۃ المائدہ۵:۳

۳۶۔ ابن کثیر،اسماعیل بن الدمشقی تفسیر القرآن العظیم، دارالقرآن الکریم، بیروت،:ج:۱،ص:۴۸۲

۳۷۔ سورۃ الاحزاب۳۳:۴۰

۳۸۔ طبری،ابوجعفر محمد بن جریر،دارالمعرفۃ للطباعۃ والنشر ، بیروت، ج:۱۰،ص:۱۲

۳۹۔ نیشاپوری، نظام الدین محمد بن حسین القمی ، تفسیر غرائب القرآن ورغائب الفرقان،مطبعہ مصطفی البابی والحلبی و اولادہ بمصر، ج:۸،ص:۱۵

۴۰۔ تفسیر القرآن العظیم،ج:۳،ص:۱۰۰

۴۱۔ قرطبی،ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری،الجامع لاحکام القرآن، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان،:ج: ۱۴،ص:۱۹۶

۴۲- بخاری، امام ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب ماذکرعن بنی اسرائیل، رقم الحدیث:۳۲۷۲۔
۴۳- مسلم، امام ابوالحجاج مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب ذکر کونہ ﷺ خاتم النبیین، رقم الحدیث: ۵۸۴۴۔
۴۴- ن ـم، رقم الحدیث: ۵۸۴۶
۴۵- ترمذی، امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، جامع ترمذی، ابواب الفتن، سعید کمپنی، ادب منزل، کراچی، ج:۲، ص:۴۵
۴۶- عسقلانی، شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر، فتح الباری، دارالفکر، بیروت (۱۴۲۰ھ)، ج:۶، ص:۴۵۵،
۴۷- صحیح مسلم، کتاب المساجد، رقم الحدیث:۱۰۶۸۔
۴۸- علی قاری، ملا، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، دارالفکر الطباعۃ والنشر، ج:۱۶، ص:۴۱۲
۴۹- جامع ترمذی، ابواب الرؤیا: ۲/۵۳۔
۵۰- ن ـم، باب: مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب: ۲/۲۰۹
۵۱- ن ـم، باب مناقب علی: ۲/۲۱۳
۵۲- الطیالسی، امام، سلیمان بن داؤد بن جارود، مسند طیالسی، ادارہ القرآن، کراچی، ۱۳۹۱ھ، ص:۳۵۴
۵۳- برھان پوری، علامہ علی متقی بن حسام الدین، کنز العمال، المکتبۃ العلمیۃ، بیروت، ج:۶، ص:۱۵۴
۵۴- ابن ماجہ، امام، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، ص: ۲۹۸، ابواب الفتن، مطبوعہ نور محمد کارخانہ، تجارت کتب، کراچی۔
۵۵- تبریزی، امام ولی الدین مشکوۃ المصابیح، باب اسماء النبی الکریم ﷺ، رقم الحدیث: ۵۵۲۶
۵۶- دہلوی، شیخ عبدالحق محدث، اشعۃ اللمعات (اردو)، مطبوعہ فرید بک سٹال، لاہور، ج:۷، ص:۱۶۰
۵۷- احمد بن حنبل، امام، مسند احمد، دارالفکر، بیروت، ج:۲، ص:۲۱۲،
۵۸- صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فضل الصلوۃ بمسجدی، رقم الحدیث: ۳۳۷۲
۵۹- المذی، ابوالحجاج، یوسف بن الزکی عبدالرحمٰن، تہذیب الکمال، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، الطبعۃ الاولی، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء، ج:۸، ص:۴۵۰
۶۰- سورۃ المائدہ ۵:۳
۶۱- الفاسی، الامام محمد مہدی، مطالع المسرات، المکتبۃ النبویۃ الرضویہ، لائلفور، ص:۹۸
۶۲- سورۃ الاعراف ۷:۱۵۸
۶۳- سورۃ سبا ۳۴:۲۸
۶۴- الفرقان ۲۵:۱

۶۵- مسلم، امام مسلم بن حجاج القشیری، صحیح مسلم، کتاب المساجد، رقم الحدیث:۱۰۴۹
۶۶- سورۃ الحجر ۹:۱۵
۶۷- قادیانی، مرزا غلام احمد، نزول المسیح، نظارت اصلاح و ارشاد، ربوہ، ص:۴۱۱
۶۸- سورۃ الجمعہ ۶۲: ۲-۳
۶۹- رازی، امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین تفسیر کبیر (مفاتیح الغیب)، مکتب الاعلام الاسلامی، ج:۳۰، ص:۵۴
۷۰- علی قاری، ملا، شرح فقہ اکبر، قدیمی کتب خانہ آرام باغ، کراچی، ص:۱۶۴
۷۱- الغزالی، حجۃ الاسلام، امام محمد، الاقتصاد فی الاعتقاد، المطبعۃ الادبیہ، مصر، ص:۱۱۴
۷۲- حقی، شیخ اسماعیل، روح البیان، المکتبۃ الاسلامیہ، ریاض، ج:۷، ص:۱۸۸
۷۳- العینی، بدرالدین محمد محمود احمد، عمدۃ القاری، احیاء دارالتراث العربی، بیروت، لبنان، ج:۱۶، ص:۹۸
۷۴- آلوسی، السید محمود آفندی، روح المعانی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ج:۲۲، ص:۳۴،
۷۵- شامی، ابن عابدین، ردالمحتار، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ج:۳، ص:۲۳۷
۷۶- الاقتصاد فی الاعتقاد، ص:۱۶۳
۷۷- الشربینی، علامہ محمد، مغنی المحتاج، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ج:۴، ص:۱۳۵
۷۸- ابن قدامہ حنبلی، موفق الدین عبداللہ بن احمد، المغنی، دارالفکر، بیروت، ۱۴۰۵ھ، ج:۹، ص:۳۳
۷۹- قاضی عیاض بن موسی مالکی، الشفاء، دارالفکر، بیروت (۱۴۱۵ھ)، ج:۲، ص:۲۳۷-۲۳۸
۸۰- الشفاء:۲/ ۲۹۷
۸۱- سورۃ الفتح ۴۸:۹
۸۲- سورۃ المؤمنون ۲۳:۱۴
۸۳- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مفردات الفاظ القرآن، مادہ۔ عظم
۸۴- جلال پوری، محمد اسحٰق، درسی اردو لغت، مقتدرہ قومی زبان، پاکستان، ص:۳۷۸
۸۵- سورۃ الفتح ۴۸: ۸-۹
۸۶- ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، المحقق سامی بن محمد، الطبعۃ ثانیۃ، دار طیبہ للنشر والتوزیع: ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء، ج:۷، ص:۳۲۹
۸۷- سورۃ البقرہ ۲:۱۰۴
۸۸- علی ابن احمد الواحدی، کنیت ابوالحسن ہے۔ لغت اور ادب کے مشہور امام ہیں۔ ان کی مشہور کتابوں میں اسباب نزول القرآن اور الوجیز فی تفسیر القرآن العزیز شامل ہیں، ۴۶۸ھ میں نیشاپور میں فوت ہوئے۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، منشورات رضی قم، ایران (۱۳۴۳ھ)، ج:۳، ص:۳۰۳
۸۹- الواحدی، علی بن احمد، اسباب النزول، دارالباز للنشر والتوزیع، مکہ مکرمۃ، ص:۲۱

۹۰- پیرمحمد کرم شاہ، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ج:۱،ص:۸۳

۹۱- سعیدی، علامہ غلام رسول، تبیان القرآن، فرید بک سٹال، لاہور، ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ء، ج:۱،ص:۴۹۸

۹۲- سورۃ الحجرات ۴۹:۱-۳

۹۳- تفسیر القرآن العظیم، ج:۷،ص:۳۴۳

۹۴- سورۃ النساء ۴:۶۵

۹۵- سورۃ الانفال ۸:۲۴

۹۶- البخاری، محمد بن اسماعیل بن ابراہیم صحیح البخاری، باب الصلوٰۃ علی من ترک دینا، رقم الحدیث:۲۳۹۸

۹۷- ن ۔م: باب الشروط فی ۔الجھاد ۔رقم الحدیث:۲۷۳۲

۹۸- المتقی الہندی، علاؤالدین علی بن حسام الدین، کنزالعمال، مؤسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ الخامسۃ، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء، ج: ۱۰،ص:۴۴۲

۹۹- ترمذی، امام، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی، ابواب المناقب، باب ماجاء فی میلاد النبی ﷺ، رقم الحدیث:۳۶۱۹

۱۰۰- احمد بن حنبل، امام، مسند امام احمد بن حنبل، رقم الحدیث:۱۹۹۴۳، ج:۳۳،ص:۱۶۶

۱۰۱- ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء، ج:۴،ص:۳۲۰

۱۰۲- طبری، ابوجعفر، محمد بن جریر، تاریخ الرسل والملوک، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الاولی، ۱۴۰۸ھ، ج:۲، ص:۷۴

۱۰۳- صحیح البخاری، باب رفع الصوت فی المساجد، رقم الحدیث:۴۷۰

۱۰۴- عیاض، القاضی، ابوالفضل، الشفاءبتعریف حقوق المصطفیٰ، دارالفکر الطباعۃ والنشر، ج:۲،ص:۳۵-۴۰

۱۰۵- ن ۔م:۲/ ۵۷

۱۰۶- سورۃ الحجرات ۴۹:۲

۱۰۷- ذہبی، شمس الدین محمد بن احمد، سیراعلام النبلاء، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ، ج:۹،ص:۱۵۴

۱۰۸- ن ۔م:۹/ ۲۰۱

۱۰۹- سورۃ الحجرات ۴۹:۲

۱۱۰- ن ۔س:۴۹/ ۳

۱۱۱- ن ۔س:۴۹/ ۴

۱۱۲- الشفاءبتعریف حقوق المصطفیٰ، ج:۲،ص:۴۱

۱۱۳- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ن ۔م، ج:۲،ص:۴۲-۴۳

۱۱۴- السمہودی، نورالدین علی بن احمد، وفاء الوفاءباخباردارالمصطفیٰ، دارالباز للنشر والتوزیع، مکہ مکرمہ، ج:۲،ص:۵۹۹

۱۱۵۔ ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام، الصارم المسلول، المکتبۃ العصریۃ، بیروت، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۹ء، ص: ۵۷
۱۱۶۔ حقی، علامہ اسماعیل، تفسیر روح البیان، دار صادر، بیروت، ج: ۱۳، ص: ۴۸۴
۱۱۷۔ القاموس الجدید، مادہ، ح۔ب۔ب
۱۱۸۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو) ہجویری، ابوالحسن علی بن عثمان، کشف المحجوب، ضیاءالقرآن پبلی کیشنز، ص: ۴۱۶-۴۱۸،
۱۱۹۔ مفردات الفاظ القرآن۔ مادہ۔ الحاء، ص: ۱۰۳
۱۲۰۔ سورۃ الدھر ۷۶: ۸
۱۲۱۔ سورۃ الصّف ۶۱: ۱۳
۱۲۲۔ مفردات الفاظ القرآن۔ مادۃ الحا، (ص: ۱۰۳-۱۰۴)
۱۲۳۔ سورۃ التوبہ ۹: ۲۴
۱۲۴۔ صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول ﷺ من الایمان، رقم الحدیث: ۱۴
۱۲۵۔ ن۔م، کتاب الایمان، باب حلاوۃ الایمان، رقم الحدیث: ۱۶
۱۲۶۔ مسند امام احمد ابن حنبل، حدیث عبداللہ بن ہشام ص، رقم الحدیث: ۲۲۵۰۳
۱۲۷۔ المقریزی، تقی الدین احمد بن علی، امتاع أسماع بما للنبی من أکاحوال والاموال، دارلکتب العلمیۃ، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء، بیروت، ج: ۱۳، ص: ۱۷۸
۱۲۸۔ ابن کثیر، ابوالفداء، اسماعیل، البدایۃ والنہایۃ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ج: ۴، ص: ۵۴
۱۲۹۔ الطبرانی، ابوالقاسم، سلیمان بن ایوب، المعجم الکبیر، مکتبۃ العلوم والحکم، الموصل، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۳ء، ج: ۵، ص: ۲۵۹
۱۳۰۔ کنز العمال: ۹/۱۶۶
۱۳۱۔ ابن قیم، شمس الدین محمد بن ابوبکر، جلاء الافہام فی الصلوٰۃ والسلام علی خیر الانام، المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ با لجامع البغدادی گلبرگ اے، لائلفور، پاکستان، ص: ۱۸۷
۱۳۲۔ بدر عالم، مولانا، زبدۃ المحدثین، ترجمان السنۃ، ادارہ اسلامیات، انارکلی، لاہور، ج: ۱، ص: ۳۴۸
۱۳۳۔ مسند امام احمد بن حنبل، مسند جابر بن عبداللہ، رقم الحدیث: ۱۴۲۹۴: ۲۲/۱۹۸
۱۳۴۔ ابن حبان، محمد بن احمد، صحیح ابن حبان، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء، ج: ۱۴، ص: ۲۱۵
۱۳۵۔ سورۃ الحشر ۵۹: ۷
۱۳۶۔ سورۃ ال عمران ۳: ۳۲
۱۳۷۔ سورۃ النساء ۴: ۸۰
۱۳۸۔ ابن عساکر، حافظ ابوالقاسم علی بن حسین، تہذیب تاریخ دمشق، دار صادر، بیروت، ج: ۳، ص: ۱۴۵
۱۳۹۔ کنز العمال: ۱/۴۲۵

۱۴۰-   دہلوی، شیخ عبدالحق محدث، مدارج النبوت، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر، ج:۱،ص: ۳۰۰

۱۴۲-   الشفا، ج:۲،ص:۴۶

۱۴۳-   ن ـ م، ج:۲،ص:۴۴

۱۴۴-   سورۃ توبہ ۹:۲۴

۱۴۵-   سورۃ توبہ ۹:۲۴

۱۴۶-   الشفاء، ج:۲،ص:۱۸

۱۴۷-   السیوطی، جلال الدین، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، دار ابن عفان، المملکۃ العربیہ السعودیۃ: ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء، ج:۱، ص:۶۰

۱۴۸-   عسقلانی، شافعی، أحمد بن علی ابن حجر، فتح الباری، دار المعرفۃ، (۱۳۷۹ھ) بیروت، ج:۱،ص:۵۸

۱۴۹-   ن ـ م:۱/۶۰

۱۵۰-   النووی، ابوزکریا یحیی بن شرف، شرح النووی علی صحیح مسلم، دار احیاء التراث العربی، بیروت (۱۳۹۲ھ)، ج:۲،ص:۱۶،

۱۵۱-   ابن تیمیہ، تقی الدین ابوالعباس، احمد بن عبدالحلیم، منہاج السنۃ النبویۃ، مؤسسۃ قرطبۃ، الطبعۃ الاولی، ج:۸، ص:۳۲۳

۱۵۲-   العینی الحنفی، بدرالدین، عمدۃ القاری، دار صادر، بیروت، ج:۱،ص:۳۸۵

۱۵۳-   حقی حنفی، اسماعیل، روح البیان، دار صادر، بیروت، ج:۱۲،ص:۲۹۷

۱۵۴-   صالحی، شامی، محمد بن یوسف، سبل الهدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ج:۱۱، ص:۴۳۳

باب چہارم
حقوق الرسول صلی اللہ علیہ وسلم
کا عملی پہلو

فصل اوّل

اتّباع

مبحث اوّل

اتّباع کا لغوی و شرعی مفہوم

''اتباع'' کا لفظ باب افتعال کا مصدر ہے۔اس کا مادہ اصلیہ ''تبع'' ہے۔اس مادہ میں کسی کے پیچھے چلنے، ساتھ چلنے، کسی کے بعد آنے یا کسی کے ماتحت ہونے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔تَبِعَ الشئُ تَبَعًا و تَبُوْعًا و تِبَاعًا وَ تَبَاعَةً کا مطلب ہے وہ کسی چیز کے پیچھے چلا یا اس کے ساتھ چلا۔أَتْبَعَ الشَّئَ کا مطلب ہے کہ اس نے کسی چیز کو اپنے تابع بنایا۔ اسی سے لفظ مُتَابَعَةٌ مشتق ہے جس کا معنی ہے کسی کے پیچھے چلنا، کسی کام کو مسلسل جاری رکھنا یا اسے پختہ اور بہتر بنانا تابع الکلام کا معنی ہے سلسلہ کلام جاری رکھنا۔

اتباع کا لغوی مفہوم بیان کرتے ہوئے ابن منظور الافریقی لکھتے ہیں:

''قال الفراء الاتباع ان یسیر الرجل وانت تسیر وراءہ واذا قلت اتبعته فکانك قفوته.'' (۱)

''فراء نے کہا کہ اتباع کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص آگے آگے چل رہا ہو اور تو اس کے پیچھے پیچھے چلے اور جب تو کہے کہ میں نے اس کی اتباع کی اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تو اس کے پیچھے اور اس کے نقش قدم پر چلا۔''

علامہ مرتضیٰ زبیدی نے اتباع کا یہ مفہوم بیان کرنے کے بعد چند اور مفاہیم کا بھی تذکرہ کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

''التُّبعُ و کذلك التبع کسکر الظل سمی به لانه الشمس حیثما زالت ومن المجاز التبع ضرب من الیعاسیب اعظمها واحسنها.'' (۲)

''التُّبّعُ وُالتُّبّع'' (ان دونوں کا مادہ اصلہ تبع ہے) کا معنی سایہ ہے اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ سورج کے پیچھے پیچھے رہتا ہے اور التبع مجازاً شہد کی مکھیوں کے سب سے اعلیٰ اور بہتر نر کو بھی کہتے ہیں (کیونکہ سب شہد کی مکھیاں اس کے پیچھے پیچھے چلتی ہیں)۔

اس مادہ کے یہ اشتقاقات بھی اس کے اسی معنی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں جو شروع میں بیان کیا گیا تھا۔

شریعت اسلامیہ میں اتباع رسول ﷺ سے مراد یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کے ساتھ ایک انسان کا ایسا قلبی تعلق قائم ہو جائے کہ وہ اس تعلق کی بنا پر ہر وہ کام کرے جو رسول کریم ﷺ نے کیا اور ہر اس کام سے بچے جس سے رسول کریم ﷺ نے بچنے کا حکم دیا ہے۔امام ابو الحسن الامدی اتباع کا اصلاحی معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

'' واما المتابعة فقد تکون فی القول وقد تکون فی الفعل والترك فاتباع القول هو امتثاله

علی الوجه الذی اقتضاه القول والاتباع فی الفعل هو التأسی بعینه والتأسی ان تفعل مثل فعله علی وجهه من اجله۔" (۳)

''ومتابعت کبھی کسی قول کی ہوتی ہے اور کبھی کسی کے فعل وترک کی ۔کسی کے قول کے اتباع کا معنی تو یہ ہے کہ اپنے متبوع کی اس طرح فرماں برداری کی جائے جس طرح اس کے قول کا تقاضا ہو اور کسی کے فعل کے اتباع کا معنی یہ ہے کہ اس فعل کو اس طرح کیا جائے جس طرح وہ کرتا ہے اور اس لیے کیا جائے کیونکہ وہ کرتا ہے۔''

اس سے واضح ہوا کہ اتباعِ رسول ﷺ کا شرعی مفہوم یہ ہے کہ انسان کو رسول کریم ﷺ سے اتنی محبت اور وابستگی ہو جائے کہ وہ ہر اس کام کو کرے جسے آپ نے کیا اور اس لیے کرے کہ آپ نے کیا اور ہر اس کام کو چھوڑے جسے آپ نے نہیں کیا اور اس لیے چھوڑے کہ اسے آپ نے منع کیا ہے۔

"وقــد طاع له یطوع اذا انقادله بغیــر الف فاذا معنی لامـــره فقد اطاع۔" (۴)

طاع لــه یطوع کا معنی ہے کہ کسی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینا اور جب کوئی کسی کے حکم کی تعمیل کرے تو کہتے ہیں **(قد اطاعه)** کہ اس نے اس کی اطاعت کی ہے ۔اسی لفظ کا اصطلاحی معنی یوں بیان کیا گیا ہے:

"مـــن اتی بمثل فعل الغـــیر علی قصـــد اعظامه فهو مطـــیع له۔" (۵)

''جب کوئی شخص کسی دوسرے کی عزت واحترام کے باعث بعینہٖ اس کے فعل کی طرح کوئی فعل کرے تو کہتے ہیں کہ یہ شخص فلاں شخص کا مطیع ہے۔''

سطور بالا سے واضح ہوا اتباع اور اطاعت کا شرعی مفہوم یہ ہے کہ کسی کی محبت اور تعظیم کے سبب اس کی پیروی کرنا۔

مبحث دوم

اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت قرآن وسنت کی روشنی میں

قرآن وسنت میں نبی کریم ﷺ کی اتباع کی بہت زیادہ اہمیت بیان کی گئی ہے۔قرآن کریم حضور ﷺ کی اتباع واطاعت کواللہ تعالیٰ کی اتباع واطاعت قرار دیا گیا ہے اور آپ ﷺ کی اتباع کومحبت الٰہی کا سبب قرار دیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ o قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ"(٦)

''(اے پیغمبر ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہوئے تو میری اتباع کرو تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمادے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے اور فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو اللہ تعالیٰ بھی کافروں سے محبت نہیں فرماتا۔''

ان آیات طیبات میں اتباع رسول ﷺ کی اہمیت وافادیت کے درج ذیل پہلو بیان کئے گئے ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ کی محبت صرف آپ ﷺ کی اتباع سے نصیب ہوتی ہے۔
۲- اتباع نبوی ﷺ انسان کواللہ تعالیٰ کا محبوب بنادیتی ہے۔
۳- اتباع نبوی ہی انسان کے گناہ معاف کروانے کا سبب اور ذریعہ ہے۔
۴- جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت نہیں کرتا اور آپ سے منہ موڑتا ہے وہ متاع ایمان گنوا بیٹھتا ہے اور محبت الٰہی سے محروم ہوجاتا ہے۔

علامہ ابن کثیر ان آیات طیبات کی تفسیر کرتے ہوئے اتباع نبوی کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''هذه الاية الكريمة حاكمة على كل من ادعى محبة الله وليس هو على الطريقة المحمدية فانه كاذب في دعواة في نفس الامر حتى يتبع الشرع المحمدى والدين النبوى في جميع اقواله وأحواله كما ثبت في الصحيح عن رسول اللهﷺ." (۷)

''ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ تو کرتا ہے لیکن حضور ﷺ کے طریقہ پر نہیں یہ آیۃ کریمہ اس کے متعلق فیصلہ کرتی ہے کہ وہ شخص اپنے دعویٰ محبت میں اس وقت تک جھوٹا ہے جب تک تمام اقوال وافعال میں شریعت محمدیہ اور دین نبوی کی پیروی نہ کرے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔''

ایک اور مقام پر نبی کریم ﷺ کی مطلق اتباع کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

" وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ" (۸)

''اور جو کچھ رسول تمہیں دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔''

اس آیۃ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی مطلق اطاعت اور اتباع کرنے کا حکم دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جو دیں انسانوں پر لازم ہے کہ اسے لے لیں اور جس سے آپ روکیں اس سے رک جائیں۔ اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبی لکھتے ہیں:

" هذا يوجب أن كل ما أمر به النبي ﷺ امر من الله تعالى و الآية وان في الغنائم وجميع أوامره ﷺ و نواهيه دخل فيها وقال الحكم بن عمير...... وكانت له صحبة...... وقال النبي ﷺ ان هذا القرآن صعب مستصعب عسير على من تركه يسير على من اتبعه. وحديثي صعب مستصعب وهو الحكم فمن استمسك بحديثي وحفظه نجا مع القرآن ومن تهاون بالقرآن وحديثي خسر الدنيا والاخرة وأمرتم ان تاخذوا بقولي وتكتنفوا امري وتتبعوا سنتي فمن رضي بقولي فقد رضي بالقرآن ومن اشهزأ بقولي فقد استهزأ بالقرآن ." (۹)

''یہ آیۃ کریمہ اس چیز کو واجب کرتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جو شخص حکم دیا وہ اللہ تعالیٰ کا ہی حکم ہے یہ آیۃ کریمہ اگر چہ غنائم کے بارے میں ہے۔ تاہم اس میں آپ کے سب اوامر و نواہی شامل ہیں۔ حکم بن عمیر جنہیں حضور ﷺ سے محبت کا شرف حاصل ہے وہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: بے شک یہ قرآن مشکل ہے اور جو اسے چھوڑے اسے تنگی میں مبتلا کرنے والا ہے۔ لیکن اس پر آسان ہے جو اس کی اتباع کرنے والا ہے اور میری حدیث بھی مشکل اور مشقت میں ڈالنے والی ہے اور وہ حکم و فیصل ہے۔ جو میری حدیث کے ساتھ وابستہ ہو جائے گا اور اس کی حفاظت کرے گا وہ قرآن کریم کے ساتھ نجات پا جائے گا اور جو قرآن کریم اور میری حدیث کے ساتھ سستی کا معاملہ کرے گا وہ دنیا اور آخرت میں ذلیل ہو جائے گا۔ تمہیں حکم دیا گیا ہے کہ تم میری بات کو لو میرے حکم کو کافی جانو اور میری سنت کی پیروی کرو۔ جو میری سنت سے راضی ہوا وہ قرآن کریم سے راضی ہوا اور جس نے میرے فرمان کا تمسخر اڑایا اس نے قرآن مجید کا تمسخر اڑایا۔''

قرآن کریم میں حضور اکرم ﷺ کی اطاعت کو ہی اللہ تعالیٰ کی اطاعت قرار دیا گیا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ وَ مَنْ تَوَلّٰی فَمَآ اَرْسَلْنٰکَ"(۱۰)

''جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اس نے دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے منہ پھیرا تو ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا۔''

اس آیت کریمہ سے بالکل واضح ہو رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت دراصل اللہ تعالیٰ کی ہی اطاعت ہے اور اس میں اطاعت الٰہی کا معیار اور کسوٹی اطاعت رسول ہی ہے۔امام بغوی اس آیت کا پس منظر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قوله تعالیٰ (من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰه) و ذلك ان النبی ﷺ کان یقول من اطاعنی فقد اطاع اللّٰه فقال بعض المنافقین: ما یرید هذا الرجل الاّ ان تنخذه ربا کما اتخذت النصاری عیسی ابن مریم ربا فانزل الله تعالی (من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰه). (۱۱)

''اللہ تعالیٰ یہ فرمان (من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰه) یہ اس لیے فرمایا گیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی اس نے اللہ سے محبت کی۔تو بعض منافقین نے کہا۔اس آدمی کا یہی ارادہ ہے کہ ہم اسے رب بنا لیں جسے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ ابن مریم کو رب بنایا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ نازل کی۔"من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰه"''

ان آیات قرآنیہ کی تفسیر کرتے ہوئے خود نبی کریم ﷺ نے متعدد مقامات پر اپنی اتباع کو لازم پکڑنے کا حکم دیا۔ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

"اوصیکم بتقوی اللّٰه و السمع و الطاعة ان عبد حبشی فإنه من یعش منکم یری اختلافا کثیرا وإیاکم ومحدثات الامور فإنها ضلالة فمن ادرك ذلك منکم فعلیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین عضوا علیها بالنواجذ قال ابو عیسیٰ حدیث صحیح." (۱۲)

میں تمہیں وصیت کرتا ہوں۔اللہ کے تقویٰ کے ساتھ اور امیر کی بات سننے اور اس کی اطاعت کرنے کی اگر چہ وہ ایک حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا۔پس دین میں نئی نئی باتوں سے بچو۔کیونکہ یہ گمراہی ہیں تم میں سے جو ایسے حالات پائے

اس پر لازم ہے کہ وہ میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء کی سنت کو مضبوطی سے پکڑ لے۔ امام ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔''

نبی کریم ﷺ نے اپنی اتباع کو لازم پکڑنے کی بڑی شدت سے تاکید فرمائی۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لا تسألوا اهل الکتاب عن شيء فانهم لن یهدو کم وقد ضلو إما ان تصدقوا بباطل او تکذبوا بحق فانه لو کان موسیٰ حیا بین اظهر کم ما احل له الاّ ان یتبعني." (۱۳)

''اہل کتاب سے کوئی چیز نہ پوچھو کیونکہ وہ تمہیں کوئی ہدایت نہیں دیں گے۔ وہ خود گمراہ ہو گئے یا تو ان کی بات مان کے تم کسی باطل کی تصدیق کرو گے یا کسی حق کو جھٹلاؤ گے۔ کیونکہ اگر آج حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی تمہارے درمیان زندہ ہوئے تو ان کے لیے بھی میری اتباع کے سوا کوئی چیز جائز نہ ہوتی۔''

اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی اتباع کرنے والے کو جنت کی بشارت دی اور اس سے اعراض کرنے والے کو عذاب نار کی وعید سنائی۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

''کل امتی یدخلون الجنة الاّ من ابی قالوا یا رسول اللّٰه ومن یأبی قال من اطاعني دخل الجنة ومن عصاني فقد ابی.'' (۱۴)

''میری ساری امت جنت میں داخل ہوگی سوائے اس شخص کے جس نے انکار کیا صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کس نے انکار کیا تو آپؐ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے میری نافرمانی اسی نے انکار کیا۔''

سطور بالا سے واضح ہوا کہ حضور ﷺ کی اتباع آپ کے حقوق میں سے ایک اہم حق ہے۔

مبحث سوم
اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت
کے عقلی و فکری دلائل

جتنی آنکھ کو نور کی، جسم کو جان کی اور پھول کو خوشبو کی ضرورت ہے۔ انسانیت کو اس سے کہیں بڑھ کر رسالت و نبوت کی ضرورت ہے کیونکہ نور کے بغیر آنکھ، جان کے بغیر جسم اور خوشبو کے بغیر پھول تو صرف اس فانی دنیا میں نامکمل اور ادھورے ہیں جبکہ نبوت و رسالت کے بغیر انسانیت اس دنیا میں بھی خائب و خاسر ہے اور عقبٰی میں بھی ناکام و نامراد۔

آیئے انسانیت کے محتاج اتباع رسالت ہونے کے چند اسباب پر غور کریں۔

فلاح انسانیت اور ضرورت رسالت:

انسانیت کا کمال یہ ہے کہ وہ فلاح و کامیابی سے ہمکنار ہو۔ ظاہر ہے دنیا کی زندگی فانی ہے تو دنیاوی فلاح و کامرانی بھی ادھوری ہوگی۔ انسانیت کی حقیقی کامیابی تو یہ ہوگی کہ وہ دونوں جہانوں میں فلاح پائے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسانیت کو فلاح دارین سے ہمکنار کرنے والی چیز اطاعت الٰہی ہی ہے۔ اطاعت الٰہی کا واضح مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے احکامات اور اوامر پر عمل پیرا ہو اور نواہی سے اجتناب کرے۔ انسان کے پاس اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کو جاننے کے تین ذرائع ہو سکتے ہیں۔

پہلی چیز حواس خمسہ اور عقل ہے لیکن عقل و خرد کا دائرہ تو عالم شہادت ہے جب کہ احکام الٰہی اور مرضیات باری تعالیٰ سے واقف ہونے کا عالم غیب ہے تو فلاح انسانی کیلئے کی بے بسی بالکل واضح ہے۔

دوسری چیز وجدان اور قوت قلبی ہے لیکن احکام الٰہی سے آگاہ ہونے کے لیے یہ ذرائع بھی بے بس اور عاجز ہیں۔ جیسے آئینے میں کسی چیز کا عکس دیکھنے کے لیے اس چیز کا خارج میں وجود ضروری ہوتا ہے کسی چیز کے خارجی وجود کے بغیر آپ آئینے کو جتنا بھی صاف کر لیں آپ اس چیز کا عکس نہیں دیکھ سکتے۔ ایسے ہی دل کے آئینے کو جتنا بھی صاف کر لیں۔ مانجھ لیں۔ جب تک احکام الٰہی کھلی شکل میں اس کے سامنے موجود نہ ہوں۔ آئینہ دل میں ان کا عکس نظر نہیں آ سکتا۔ وجدان اور قلبی قوت موجود احکام کے علل و اسباب بطریق احسن سمجھ سکتے ہیں۔ ان کے حسن و جمال سے لذت آشنا ہو سکتے ہیں۔ احکام الٰہی کی روشنی میں علم و حکمت کے مزید راستے بھی ان پر کشادہ ہو سکتے ہیں لیکن احکام الٰہی کو صرف انہیں ذرائع سے جاننا اتنا ہی ممکن ہے جتنا کسی چیز کے خارجی وجود کے بغیر آئینے مین اس کا عکس دیکھنا۔

تیسری چیز انسانیت کا اجتماعی غور و فکر ہے کہ گروہ انسانی مجموعی طور پر احکام الٰہی کو غور و فکر کر کے سمجھ لیں لیکن جیسے لاکھوں اندھے مل کر بھی ایک چیز کو نہیں دیکھ سکتے۔ ایسے ہی اجتماعی طور پر بھی فکر انسانی احکام الٰہی کو پانے اور سمجھنے سے قاصر و درماندہ ہے۔

انسانیت کی اسی بے بسی کے سبب اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام اپنے کچھ برگزیدہ بندوں جو ایک جہت سے عالم بشریت سے وابستہ ہیں اور دوسری جہت سے ان کا تعلق عالم غیب کے ساتھ ہے پر نازل فرمائے تاکہ وہ احکام الٰہی انسانیت تک پہنچا کر انہیں فلاح دارین کا امین بنائیں۔انہیں برگزیدہ اور ذوجہتیں افراد کو نبی اور رسول کے بابرکت القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔

انسانیت فلاح دارین پانے کے لیے درِ رسالت کی محتاج ہے۔اسی لیے جو دامن رسالت سے وابستہ ہوا وہی مرضیات الٰہی کا امین ہوا، فلاح دارین پا گیا۔

"وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا"(۱۵)

"جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ بہت بڑی کامیابی حاصل کرتا ہے۔"

"وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ" (۱۶)

"اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔"

اور جس نے دامن رسالت نہ تھاما۔اس کی زندگی بھر کی محنت رائیگاں گئی اور اس کے سارے اعمال بے ثمر رہے۔

"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ"(۱۷)

"اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال باطل نہ کرو"۔

"قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ"(۱۸)

"اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو پھر اگر وہ منہ پھیریں تو یقیناً اللہ تعالیٰ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔"

الغرض فلاح انسانیت رسالت کے بغیر ناممکن ہے۔

مقصد زندگی اور ضرورت رسالت:

اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات کو کسی مقصد کے لیے پیدا فرمایا اور وہ مقصد انسان کی خدمت ہے۔

"هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا" (۱۹)

"وہی تو ہے جس نے جو کچھ زمین میں ہے سارے کا سارا تمہارے لیے پیدا فرمایا۔"

جب انسان مخدوم کائنات ٹھہرتو سوال پیدا ہوا کہ انسان کا مقصد تخلیق کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ''(۲۰)

''میں نے جن وانس کونہیں پیدا کیا مگر اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا۔''

گویا اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا انسان کی خدمت کیلئے اور انسان کو اپنی عبادت کیلئے پیدا فرمایا۔

نہ تو زمین کے لیے ہے نہ آسماں کیلئے
جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کیلئے
رہے گا راوی و نیل فرات میں کب تک
تیرا سفینہ کہ ہے بحر بیکراں کیلئے (۲۱)

جب تخلیق انسانی کا مقصد عبادت الٰہی قرار پایا تو عبادت الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور خوشنودی کے اسباب کو سمجھے۔ انسان کا علم تو محدود ہے وہ لامحدود ذات کے متعلق علم کیسے حاصل کرتا۔ بھلا فانی، لافانی کی صفات سے آشنا کیسے، متناہی لامتناہی سے ربط کیسے قائم کرتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے رسل عظام مبعوث فرمائے۔ جنھوں نے انسانیت کو اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور خوشنودی کے اسباب بتائے۔ تاکہ انسان مقصد تخلیق پر پورا اتر سکے۔ انسانی مقصد تخلیق کی تکمیل نبوت ورسالت کے بغیر ناممکن ہے۔

سلسلہ رسالت ربوبیت الٰہی کا تقاضا:

انسان جسم و روح کا مجموعہ ہے۔ ربوبیت الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ جسم اور روح دونوں کی غذا کا سامان کیا جائے۔ جسم کی غذا سامان خورد ونوش ہے۔ پروردگار عالم نے دھرتی کے سینہ سے فصلیں اگائیں، پھل پیدا فرمائے اور ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے چشمے جاری کر دیئے اور روح کا تعلق عالم امر سے ہے جس کی غذا ذکر الٰہی ہے۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ نبوت و رسالت کے بغیر انسان ذکر الٰہی کے طریقے نہیں جان سکتا۔ تو ربوبیت الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ سلسلہ رسالت جاری فرمایا جائے۔ اس کی رحمت کا جوبن دیکھئے جب انسانیت اس کی بندگی سے سرکش ہو جاتی ہے تو وہ انہیں تباہ کرنے کی بجائے رسول مبعوث فرما دیتا ہے اگر سلسلہ نبوت و رسالت کا انکار کیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیسا رب ہے جو جسم کی بھوک اور پیاس مٹانے کا تو بندوبست کرتا ہے لیکن روح کی تشنگی مٹانے کا کوئی سامان نہیں کرتا۔ اس سے واضح ہوا جو رسالت کا منکر ہے وہ حقیقت میں ربوبیت الٰہی کا منکر ہے۔ اسی لیے سلسلہ رسالت کے انکار کو اللہ تعالیٰ کی بے قدری کہا گیا۔

''وَ مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ''(۲۲)

''انہوں نے اللہ کی کما حقہ قدر نہ پہچانی جب انہوں نے کہا کہ اللہ نے کسی آدمی پر کچھ نازل نہیں فرمایا۔''

امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں:

''واعلم ان من انکر النبوۃ و الرسالۃ فھو فی الحقیقۃ ما عرف اللّٰہ حق معرفتہ.'' (۲۳)

''جان لیجئے کہ جس نے نبوت و رسالت کا انکار کیا اور حقیقت وہ معرفت الٰہی سے بے بہرہ رہا۔''

علم یقینی اور احتیاج رسالت:

انسانی ذرائع علم سے حاصل شدہ علم میں ہمیشہ خطا کا احتمال رہتا ہے۔حواس اور عقل کوئی بھی خطا اور غلطی سے محفوظ نہیں ہیں۔مثلاً سایہ چلتا ہے لیکن قوت باصرہ اسے دیکھنے سے قاصر ہے۔چیونٹی رینگتی ہے لیکن قوت سامعہ اسے نہیں سن سکتی۔ انسان کا بچہ اس کے سامنے جوان ہوتا ہے لیکن انسان اس کا ادراک نہیں کر سکتا۔ ایسے ہی بڑے بڑے فلاسفہ اور عقلاء کا ادراک حقیقت سے کوسوں دور رہنا عقلی خطا کا بین ثبوت ہے اسی لیے ان ذرائع سے حاصل شدہ معلومات صرف ظن وتخمین کا درجہ رکھتی ہیں نہ کہ علم کا۔اسی لیے جو لوگ در رسالت سے دور ہیں ان کے متعلق فرمایا گیا کہ وہ صرف ظن وتخمین کی پیروی کرتے ہیں۔

''اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ'' (۲۴)

''وہ جس چیز کی پیروی کر رہے ہیں بجز گمان اور خواہشات نفس کے اور کچھ نہیں۔

''وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا'' (۲۵)

''اورانہیں حقیقت کا کوئی علم نہیں ہے وہ صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں اور گمان حق کی ضرورت کو قطعاً پورا نہیں کرتا۔''

''اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ'' (۲۶)

''وہ صرف گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور فقط قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔''

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو ظن وتخمین کی وادیوں سے نکال کر علم وحقیقت کی روشنیاں عطا فرمانے کے لیے سلسلہ رسالت شروع فرمایا۔یہی وجہ ہے کہ جہاں بھی کسی رسول کی رسالت کا ذکر فرمایا گیا' وہاں ''علم'' عطا فرمانے کا ذکر

بھی فرمایا گیا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَلُوْطًا اٰتَیْنٰهُ حُکْمًا وَّ عِلْمًا" (۲۷)

''اور لوط کو ہم نے حکمت اور علم عطا فرمایا۔''

"وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ اسْتَوٰٓی اٰتَیْنٰهُ حُکْمًا وَّ عِلْمًا" (۲۸)

''اور جب وہ اپنے شباب کو پہنچے اور ان کی نشو ونما مکمل ہوگئی تو ہم نے انہیں حکم اور علم عطا فرمایا۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًا" (۲۹)

''اور ہم نے داؤد وسلیمان کو علم عطا فرمایا۔''

حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا:

"فَمَنْ حَآجَّكَ فِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ" (۳۰)

''پھر جو شخص آپ کے پاس (یقینی) علم آ جانے کے بعد آپ سے جھگڑے''پس انسانیت علم یقینی کے حصول میں درِ نبوت کی محتاج ہے۔''

ذرائع علم کا دائرہ اور ضرورت رسالت:

تمام ذرائع علم کا مخصوص دائرہ ہے اس کا اس دائرہ سے باہر آ ناممکن ہے۔مثلاً آنکھ صرف دیکھ سکتی ہے اس کے لیے سننا، سمجھنا اور چکھنا ناممکن ہے کان صرف سن سکتے ہیں دیکھ یا چکھ نہیں سکتے ایسے ہی حواس صرف ظاہر کا ادراک کرتے ہیں۔عقل صرف معانی کا ادراک کرتی ہے اور غیب کا ادراک صرف نبوت و رسالت سے ہوتا ہے۔

اسی لیے اخبار غیب صرف خاصہ نبوت ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ" (۳۱)

''یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔''

"وَمَا هُوَ عَلَی الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ" (۳۲)

''اور یہ نبی غیب بتانے میں ذرا بخیل نہیں۔''

انسانیت عالم غیب سے تعارف کیلئے دررسالت کی محتاج ہے۔

مشاہدہ اور ضرورت نبوت:

انسانیت کے محتاج رسالت ہونے پر مشاہدہ انسانی بھی ایک قوی دلیل ہے کیا اس پر زمانہ شاہد نہیں کہ حق صرف انہیں کو نصیب ہوا جو دررسالت سے وابستہ ہوئے جو رسالت سے جڑ گئے وہ حق پا گئے۔ جو رسالت سے کٹے وہ حق سے کٹ گئے، دھریہ، اصنام پرست اور توہم پرست ہو گئے۔ دررسالت کے بغیر انسان کبھی بھی حق تک رسائی حاصل نہ کر سکا۔ کیا مشاہدہ انسانی ضرورت رسالت پر ایک محکم دلیل نہیں ہے؟

حاکمیت الٰہی اور نبوت:

شاہان جہاں اپنی رعایا کے پاس قانون لے کر خود نہیں آتے بلکہ اپنے قانون رعایا تک پہنچانے کے لیے اپنے نمائندے اور سفیر بھیجا کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ، احکم الحاکمین، اپنا قانون اپنے بندوں تک پہنچانے کے لیے اپنا پیامبر نہ بھیجے گا؟ کوئی رسول مبعوث نہیں فرمائے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ سلسلہ رسالت شروع نہ بھی فرماتا تب بھی وہ مجرموں کو سزا دینے پر قادر تھا کیونکہ اس نے اپنی قدرت کے دلائل انفس و آفاق میں بکھیر دیئے ہیں۔ لیکن اس کی صفت حکمت متقضی ہوئی کہ اپنی قدرت کی ان گنت نشانیوں کے باوجود اپنی معرفت اور اپنا قانون بندوں تک پہنچانے کے لیے اپنے رسول مبعوث فرمائے تاکہ حق واضح ہو جائے اور کل بروز قیامت کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہمارے پاس تمہارا پیغام نہیں پہنچا۔

''لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ'' (۳۳)

''تاکہ جسے ہلاک ہونا ہے۔ دلیل سے ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہے دلیل سے زندہ رہے۔''

اسی لیے وہ فرماتا ہے:

''يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّ نَذِيْرٌ'' (۳۳)

''اے اہل! جب رسولوں کا آنا مدتوں تک نہ ہوا پھر ہمارے یہ رسول تمہارے پاس آئے جو صاف صاف احکام الٰہی بیان کرتے ہیں اور ان کو ہم نے اس لیے بھیجا مبادا کل تم کہنے لگو کہ ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور ڈرسنانے والا نہیں آیا۔ لو اب آ گیا تمہارے پاس بشارت دینے والا

اور ڈرسنانے والا۔''

یہی سلسلہ رسالت حکمت وحاکیت الٰہی کا تقاضا ہے۔

اتمام حجت اور سلسلہ رسالت:

اگر اللہ تعالیٰ ترسیل رسل کا سلسلہ شروع نہ فرماتا بلکہ ہر آدمی تک اپنے احکامات کی کتاب بھیج دیتا تو انسان کہہ سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ان احکامات پر عمل پیرا ہونا ہے ہی ناممکن۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے رسول مبعوث فرمائے۔ جنہوں نے احکام الٰہی پر عمل پیرا ہو کر انسانیت کے سامنے اسوہ کامل پیش فرمایا اور عملی طور پر ثابت کیا کہ نہ صرف احکام الٰہی پر عمل پیرا ہونا ممکن ہے۔ بلکہ دارین کی فلاح وکامرانی ارشاد الٰہی کی تعمیل میں ہی مضمر ہے۔ سو انسانیت پر اللہ تعالیٰ نے ہر طرح سے اتمام حجت کے لیے سلسلہ رسالت جاری فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے:

"رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا" (۳۵)

''(ہم نے مبعوث فرمائے) رسول خوشخبری دینے کے لیے اور ڈرسنانے کے لیے تاکہ رسولوں کے آنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے ہاں لوگوں کے لیے کوئی حجت باقی نہ رہے اور اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔''

اسی لیے بعثت انبیاء کے بعد منکرین عذاب الٰہی کے مستحق بن جاتے ہیں۔

"وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا" (۳۶)

''ہم کوئی رسول بھیجنے سے قبل کسی پر عذاب نازل نہیں کرتے۔''

انسانیت پر ہر جہت سے اتمام حجت کے لیے سلسلہ رسالت شروع فرمایا گیا۔

یہ عقلی اور فکری دلائل اس حقیقت کا واضح ثبوت ہے کہ انسان کیلئے ضروری ہے کہ قول وعمل اور ہر کیفیت میں رسول کریم ﷺ کی اتباع کرے تاکہ وہ ناکام ونامراد نہ رہے بلکہ کامیابی اور کامرانی سے ہمکنار ہو سکے۔

مبحث چہارم
اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
اور فقہاء کی آراء

تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی اتباع اور آپ کی اطاعت کے بغیر نہ دین پر عمل پیرا ہونا ممکن ہے اور نہ ہی آخرت کو نجات مل سکتی ہے۔ تمام فقہاء بڑی تاکید اور شدومد سے اتباع نبوی کی تلقین کرتے ہیں۔ چند شواہد ملاحظہ ہوں۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں:

"اذا جاء عن النبیﷺ فعلی الرأس والعین، واذاجاء عن أصحاب رسول اللہ ﷺ نختار من قولھم و اذا جاء عن التابعین زاحمناھم۔"(۳۷)

جب نبی کریم ﷺ سے منقول کوئی چیز ہم تک پہنچے تو وہ ہمارے سر اور آنکھوں پر اور جب اصحاب رسول ﷺ سے کوئی بات ہم تک پہنچے تو ہم ان کے اقوال میں سے کسی ایک کے قول کو اختیار کریں گے اور جب تابعین کی کوئی بات ہم تک پہنچے تو ہم اس پر بحث کریں گے۔

آپ کے اس فرمان سے واضح ہو رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ہر فرمان بلا دلیل اور غیر مشروط طور پر واجب العمل ہے اور اگر کسی مسئلہ میں صحابہ کرامؓ کی آراء مختلف ہوں تو کسی ایک کے قول پر آپ عمل کرتے ہیں اور تابعین سے منقول اقوال پر آپ بحث کرتے ہیں کیونکہ آپ بھی تابعی ہیں۔

آپ نے یہ بھی فرمایا:

"اخذ بکتاب اللہ فما لم اجد فبسنۃ رسول اللہ ﷺ فإن لم اجد فی کتاب اللہ ولا سنۃ اخذت بقول الصحابۃ اخذ من شئت منھم و ادع بقول من شئت منھم ولا اخرج من قولھم الی قول غیرھم۔" (۳۸)

''میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی کتاب سے دلیل پکڑتا ہوں اگر وہاں نہ پاؤں تو رسول اللہ ﷺ کی سنت کو حجت بناتا ہوں اگر کسی چیز کا واضح حکم قرآن وسنت میں نہ ملے تو پھر اقوال صحابہؓ میں سے کسی صحابی کا قول لے لیتا ہوں، اقوال صحابہؓ میں سے جس کا قول چاہتا ہوں لے لیتا ہوں اور جس کا چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں اور صحابہ کرامؓ کے اقوال کے مقابلہ میں کسی اور کا قول نہیں لیتا۔''

اس سے واضح ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اتباع نبوی مرضیات الٰہی کو جاننے کا ایک بنیادی اور کلیدی ذریعہ ہے۔

اسی طرح امام مالک بن انس بھی اتباع نبوی کی بہت زیادہ تاکید فرماتے ہیں۔ ایک مقام پر آپ فرماتے ہیں:

" من ابتدع في الاسلام بدعة يراها حسنة فقد زعم ان محمدا خان الرسالة لان الله يقول (اليوم الكملت لكم دينكم)(۳۹) فمالم يكن يومئذ دينا فلا يكون اليوم دينا ." (۴۰)

''جس نے دین میں کوئی بدعت ایجاد کی اور پھر اسے اچھا جانا تو یقیناً اس نے یہ گمان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے رسالت میں خیانت کی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین پورا کر دیا۔ جو چیز اس دن دین نہیں تھا وہ آج بھی دین نہیں ہے۔''

آپ ایک موقع پر فرماتے ہیں:

"قبض رسول الله ﷺ وقد تم هذا الامــــرو استكمل فانما ينبغي أن نتبع آثار رسول الله ﷺ ولا نتبع امـــــر أى." (۴۱)

''رسول کریم ﷺ نے اس حال میں وصال فرمایا کہ دین تمام اور مکمل ہو گیا تھا تو ہمیں چاہیے کہ نبی کریم ﷺ کے آثار کی پیروی کریں اور اپنی رائے کی پیروی نہ کریں۔''

یعنی ایمان کی سلامتی اس چیز میں ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کی اتباع کریں آپ کی اطاعت بجالائیں اور رسول کریم ﷺ سے منقول کسی بھی چیز کے مقابلہ میں اپنی رائے کو دخل نہ دیں۔

آپ کے نزدیک اتباع رسول اللہ ﷺ کی اہمیت وافادیت کیا تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایئے۔

"جاء رجل الى مالك فسأله عـــن مسأل فقال له قال رسول الله ﷺ كذا فقال الرجل أرأيت، فقال مالك (فليحذر الذين يخالفون عـــن امـــر ان تصيبهم فتنة او يصيبهم عذاب اليم.") (۴۲)

''ایک آدمی امام مالک کے پاس آیا اور اس نے آپ سے ایک مسئلہ پوچھا آپ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے یوں فرمایا ہے اس نے کہا آپ کا کیا خیال ہے؟ تو آپ نے جواب میں یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انہیں اس چیز سے ڈرنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی آفت یا دردناک عذاب نازل نہ ہو جائے۔''

یعنی رسول کریم ﷺ کے فرمان کے مقابلہ میں اپنی رائے کو دخل دینے والا دراصل اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دے رہا ہے۔

امام مالک ہمیشہ اتباع نبوی کی تلقین فرماتے ہیں اور بدعات سے بچنے کا حکم دیتے ۔ آپ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

خـــــیر امــور الدین مـــا کان سنة

وشـــــر الامـــــور المحـــدثت البدائع (۴۳)

''دین کے بہترین کام وہ ہیں جو سنت ہیں اور بدترین کام بدعتیں ہیں۔''

امام محمد بن ادریس شافعیؒ بھی اتباع نبوی کی بہت زیادہ تاکید فرماتے تھے ۔ آپ فرماتے ہیں:

''الحجـــــة فی کتاب اللّٰه وسنة رسول ﷺ و اتفاق الائمـــة۔'' (۴۴)

''حجت اللہ تعالیٰ کی کتاب، اس کے رسول ﷺ کی سنت اور ائمہ کے اتفاق میں ہے۔''

آپ کے متعلق مروی ہے کہ ایک دن آپ نے ایک حدیث بیان فرمائی ۔ تو ایک آدمی نے کہا:

''اتـاخـذ بهـذا یا ابا عبداللّٰه؟ فقال متی ما رویت عن رسول اللّٰه ﷺ حدیثا صحیحا فلم اخذ به فاشهد کم ان عقلی قد ذهب'' (۴۵)

''اے ابوعبداللہ! کیا آپ اس حدیث پر عمل کریں گے؟ آپ نے فرمایا کہ جب بھی میں رسول اللہ ﷺ سے ایک صحیح حدیث روایت کروں اور پھر اس پر عمل نہ کروں تو میں تمہیں گواہ بنا کے کہتا ہوں کہ اس وقت میری عقل چلی گئی ہوگی۔''

آپ نے یہ بھی فرمایا:

''اذا وجدتم فی کتابی خلاف سنة رسول اللّٰه ﷺ فقولوا بسنة رسول اللّٰه ﷺ و دعوا ما قلت۔'' (۴۶)

''جب تم میری کسی کتاب میں نبی کریم ﷺ کی سنت کے خلاف کوئی چیز پاؤ تو میری بات کو چھوڑ دو اور رسول کریم ﷺ کی سنت پر عمل کرو۔''

آپ نے یہ بھی فرمایا:

'' امنت بما جاء عن اللّٰه و بما جاء عن رسول اللّٰه ﷺ علی مراد رسول اللّٰه ﷺ۔'' (۴۷)

''میں اس چیز پر ایمان لایا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی اور اس چیز پر ایمان لایا جو منشا رسول ﷺ کی توضیح میں آپ سے منقول ہوئی۔''

امام شافعیؒ مطلق اتباع نبوی کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"لیس فی سنة رسول اللّٰہ الا اتباعھا." (۴۸)

"نبی کریم ﷺ کی ہر سنت واجب الاتباع ہے۔"

امام احمد بن حنبلؒ تو اتباع نبوی کی اہمیت پر اس قدر زور دیتے ہیں کہ اس سے ذرا سا انحراف بھی ان کے نزدیک گمراہی اور لادینی کے زمرہ میں آتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"اصول السنة عندنا التمسك بما كان عليه اصحاب رسول اللّٰہ ﷺ والا قتداء بهم وترك البدع و كل بدعة هي ضلالة وترك الخصومات والجلوس مع اصحاب الاهواء و ترك المراء والجلال والخصوصات في المين...... والسنة عندنا آثار رسول اللّٰہ ﷺ والسنة تفسير القرآن هي دلائل القرآن." (۴۹)

"ہمارے نزدیک سنت کے اصول اصحاب رسول ﷺ کے عمل کو لازم پکڑنا اور ان کی پیروی کرنا ہے۔ بدعت کو چھوڑنا ہے کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ جھگڑوں کو چھوڑنا اور خواہشات کی پیروی کرنے والوں کے پاس نہ بیٹھنا ہے۔ دین میں لڑائی جھگڑا اور خصومات کو چھوڑنا ہے اور ہمارے نزدیک سنت رسول کریم ﷺ کے آثار ہیں اور سنت ہی قرآن کریم کی تفسیر اور اس کے دلائل ہیں۔"

اتباع نبوی امام احمد بن حنبل کے نزدیک کتنی ضروری تھی اور اتباع کرنے والے کو اس کا اجر کیا ملتا ہے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔ قاضی عیاض مالکی کہتے ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں:

"كنت يوما مع جماعة تجردوا و دخلوا الماء فاستعملت الحديث ومن كان يؤمن باللّٰہ واليوم الاخر فلا يدخل الحمام الا بمئزر...... ولم اتجرد فرأيت تلك الليلة قائلا لي يا احمد ابشر فان اللّٰہ قد غفرلك باستعمالك السنة و جعلك اما ما يقتدى بك، قلت من انت انت؟ قال: جبريل." (۵۰)

میں ایک مرتبہ ایک جماعت کے ساتھ تھا۔ انہوں نے اپنے کپڑے اتارے اور پانی میں داخل ہو گئے۔ میں نے اس حدیث پر عمل کیا جس میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جو اللہ اور یوم آخرت پر

ایمان رکھتا ہو تو وہ پانی میں برہنہ داخل نہ ہو۔ اس لیے میں برہنہ نہ ہوا۔ اسی رات میں نے ایک کہنے والے کو سنا اے احمد! تجھے بشارت ہو۔ بے شک سنت پر عمل پیرا ہونے کے سبب اللہ تعالیٰ نے تجھے بخش دیا ہے اور تجھے امام بنایا ہے تیری پیروی کی جائے گی۔ میں نے اس کہنے والے سے پوچھا آپ کون ہیں؟ اس نے جواب دیا۔ ''میں جبرئیل ہوں۔''

سطور بالا سے واضح ہوا کہ ائمہ اربعہ نبی کریم ﷺ کی اطاعت و اتباع کو انتہائی لازم اور ضروری قرار دیتے ہیں اور اتباع نبوی کے بغیر ان کے نزدیک نہ دنیا میں اسلام کی پیروی ممکن ہے اور نہ ہی آخرت میں نجات ہو سکتی ہے۔

فصل دوم
نصرت

مبحث اوّل

نصرت کا لغوی معنی و شرعی مفہوم

لفظ ''نصرت'' کا مادہ اصلیہ ن۔ص۔ر ہے ۔جس میں کسی کی حمایت یامدد کرنے کامفہوم پایا جا تا ہے۔علامہ ابن منظورالافریقی لکھتے ہیں:

"(نصر) النصر. اعانة المظلوم نصره على عدوه ينصره. ونصره ينصره نصرا...... في الحديث انصر اخاك ظالما او مظلوما و تفسيره ان يمنعه من الظلم و إن كان مظلوما أعانه على ظالمه والاسم النصرة"(۵۱)

''نصر،ینصر،نصراً کا معنی ہے دشمن کے خلاف مظلوم کی مدد کرنا...... حدیث میں ہے اپنے بھائی کی نصرت کرو ظالم ہو یا مظلوم ۔اس سے مراد یہ ہے ۔کہ اگر وہ ظالم ہوتو اسے ظلم سے روک اوراگر مظلوم ہوتو ظالم کے خلاف اس کی مدد کراور ''نصرت'' اس سے اسم ہے۔''

علامہ مرتضٰی الزبیدی لکھتے ہیں:

"نصر. نصر المظلوم ينصره نصرا و نصورا...... والاسم النصرة أعانه على عدوه." (۵۲)

''نصر،ینصر،نصراونصورا کا معنی ہے مظلوم کی اس کے دشمن کے خلاف مدد کرنا اور ''نصرت'' اس سے اسم ہے۔''

اس سے واضح ہوا کہ نصر کالغوی معنی کسی کی مدد یا حمایت کرنا ہے اور ''نصرت'' اس سے اسم ہے۔

یہ لفظ قرآن مجید میں متعدد مفاہیم کیلئے استعمال ہوا ہے ۔ اگر نصرت کا فاعل اللہ تعالیٰ ہو جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اِذَا جَـآءَ نَصْـــــــــرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ"(۵۳)

''جب اللہ کی مدد اور فتح آ پہنچی ۔''

یہاں نصرت سے مراد اللہ تعالیٰ کا اہل ایمان کی ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں مدد کرنا ہے اور کبھی نصرت کا فاعل بندہ ہوتا ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُــــرُوا اللّٰهَ يَنْصُــــرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْـــــــدَامَكُمْ" (۵۴)

''اے ایمان والو! اگرتم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم مضبوط کر دے گا۔''

یہاں بندے سے جس نصرت کا مطالبہ ہے اس کا مفہوم اللہ کی نصرت سے مختلف ہے۔نصرت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے امام الراغب الاصفہانی فرماتے ہیں:

"ونصرة اللّٰه للعبد ظاهرة، و نصرة العبد للّٰه هو نصرته لعباده و القيام بحفظ حدوده و رعاية عهوده واعتناق أحكامه واجتناب نهيه."(۵۵)

''اللہ تعالیٰ کا بندے کی نصرت کرنا تو واضح ہے لیکن جب بندہ اللہ کی نصرت کرے تو اس سے مراد ہے اس کے بندوں کی نصرت کرنا۔اس کی حدود کی حفاظت کرنا،اس کے وعدوں کی پاسداری کرنا۔ اس کے احکامات کی پابندی کرنا اور اس کی نواہی سے بچنا۔''

جس طرح بندے سے یہ مطالبہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کرے اور اس نصرت کا مفہوم اللہ کا بندوں کی نصرت کرنے سے مختلف ہوگا ایسے ہی اہل ایمان سے یہ بھی مطالبہ ہے کہ وہ رسول کریم ﷺ کی نصرت کریں۔

قرآن کریم میں حضور اکرم ﷺ کے جو حقوق بیان کیے گئے ہیں۔ان میں ایک حق آپ کی نصرت کرنا بھی ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ نصرت کا معنی کسی کی مدد کرنا یا کسی کی اعانت کرنا ہے۔

مبحث دوم
نصرتِ رسول ﷺ کی اہمیت
قرآن کی روشنی میں

نصرت رسول ﷺ کی اہمیت وافادیت:

حضور ﷺ کی نصرت کا مطالبہ صرف اہل ایمان سے ہی نہیں کیا گیا بلکہ گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی وساطت سے ان کی امتوں سے بھی کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام سے جو میثاق لیا اس میں ایک بات یہ بھی تھی۔

"ثُمَّ جَـــآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُـــرُنَّهٗ" (۵٦)

پھر اگر تمہارے پاس وہ رسول آ جائے جو اس کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے تو تم لازمی طور پر ان پر ایمان لاؤ گے اور ان کی نصرت کرو گے۔"

اور رسول اللہ ﷺ کی یہ نصرت دراصل اللہ تعالیٰ کی ہی نصرت ہے اور یہ انسان کو دارین میں کامیاب و کامران بنانے کا سبب ہے۔ امام طبری اس آیۃ کریمہ "اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ" (۵۷) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرو اگر تم جہاد کر کے نبی کریم ﷺ کے دشمنوں اور اہل کفر کے خلاف حضور ﷺ کی نصرت کر کے اللہ تعالیٰ کی نصرت کرو گے تا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں کامیاب و کامران فرمائے گا کیونکہ وہ اپنے دین اور دوستوں کا مددگار ہے۔" (۵۸)

علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

" ای دینـه و رسـولـه ﷺ...... فنصرته سبحانه نصـــرة رسوله و دينه اذ هو جـــل شانه وعـــلا المعين والناصـــر وغيره سبحانه المعان المنصـــور." (۵۹)

"یہاں اللہ کی نصرت سے مراد اس کے دین اور اس کے رسول ﷺ کی نصرت کرنا ہے...... اللہ تعالیٰ کی نصرت اس کے رسول ﷺ اور دین کی نصرت ہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اعانت کرنے والا اور نصرت کرنے والا ہے اور اس کے سوا سب اعانت کیے گئے اور نصرت کیے گئے ہیں۔"

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نصرت دراصل اللہ تعالیٰ کی نصرت ہے اللہ تعالیٰ نصرت رسول کو ہی اپنی نصرت قرار دیتا ہے اور یہی نصرت انسان کو دنیا و عقبیٰ میں کامیابی اور کامرانی دلانے کا سبب ہے۔

ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

" فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْ بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِىٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" (۶۰)

''پس جولوگ آپ پر ایمان لائے اور جنہوں نے آپ کی تعظیم اور نصرت کی اور اس نور کی پیروی کی جو آپ کے ساتھ اتارا گیا تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

اس آیۃ کریمہ میں حضور ﷺ کا ایک حق آپ کی ''نصرت'' بھی بیان کیا گیا ہے۔ یہاں نصرت کی وضاحت کرتے ہوئے امام طبری لکھتے ہیں:

''قوله نصروه يقول و أعانوه على اعداء اللّٰه تعالىٰ و أعدائه بجهادهم و نصب الحرب لهم." (۶۱)

''اللہ تعالیٰ کے فرمان ''نصروہ'' سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور حضور ﷺ کے دشمنوں کے خلاف جہاد کر کے اور جنگ برپا کر کے حضور ﷺ کی مدد کرو۔''

علامہ الشوکانی لکھتے ہیں:

''(ونصروه) اى قاموا بنصره على من يعادية." (۶۲)

''نصروہ سے مراد یہ ہے کہ جو بھی حضور ﷺ سے عداوت رکھے اس کے خلاف حضور اکرم ﷺ کی مدد کرنے کے لئے کمربستہ ہو جاؤ۔''

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ" (۶۳)

''تاکہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اس کی مدد کرو اور اس کی تعظیم بجالاؤ۔''

یہاں نصرت کا مفہوم واضح کرتے ہوئے علامہ خازن لکھتے ہیں:

" و تعزروه يعنى ويقووه وينصروه و التعزير: نصر مع تعظيم"(۶۴)

''تعزروہ'' سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کو تقویت دو اور آپ کی مدد کرو اور تعزیر سے مراد ایسی مدد ہے جو تعظیم کے ساتھ کی جائے۔''

اس مقام پر زمحشری لکھتے ہیں:

”و ﴿تعــــزروه﴾ و يقووه بالنصـــــرة.“ (٦٥)

یہاں تعزیر سے مراد آپ کی مدد کر کے آپ کو تقویت پہنچانا ہے۔

علامہ طبری لکھتے ہیں:

”ومعنى التعزير في هذا الموضع: التقوية بالنصرة والمعونة.“ (٦٦)

”یہاں تعزیر سے مراد حضور ﷺ کی نصرت اور معونت کر کے آپ کی تقویت کا سامان کرنا ہے۔“

مبحث سوم
نصرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
کی عملی صورتیں

نبی کریم ﷺ کی نصرت سے مراد کوئی ایسی چیز قطعاً نہیں ہے جیسے دنیا میں کوئی طاقتور کسی کمزور کی نصرت کرتا ہے اس معنی میں حضور اکرم ﷺ مخلوق میں سے کسی کی نصرت کے محتاج نہیں ہیں۔ بلکہ یہاں نصرت رسول ﷺ سے مراد آپ کی خدمت کی سعادت حاصل کرنا ہے اور حضور اکرم ﷺ کے کام میں شریک ہوکر اپنے لئے سعادتیں سمیٹنا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے وصال فرمانے سے پہلے تو نصرت رسول کے مفہوم میں بڑی وسعت تھی۔ جس نے جس طرح حضور اکرم ﷺ کی کوئی بھی خدمت کی وہ آپ کی نصرت کے شرف سے مشرف ہوا۔ مثلاً کسی غزوہ میں آپ کے ساتھ شریک ہوا۔ آپ کا کوئی پیغام لے کر کہیں گیا اور کبھی آپ کے فرمان پر لبیک کہا۔ سب کچھ آپ کی نصرت میں شامل تھا۔ جب حضور اکرم ﷺ ہجرت فرما کر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو جن لوگوں نے آپ کو اور آپ کے اصحاب کو خوش آمدید کہا اور ان کی خدمت کی انہیں تاریخ ''انصار'' کے نام سے یاد کرتی ہے یہ لفظ ''نصیر'' کی جمع ہے گویا یہ سب لوگ نصرت رسول کی سعادتیں سمیٹنے والے تھے۔

نصرت رسول ﷺ کا یہ حکم قیامت تک باقی ہے اور ہر اہل ایمان پر لازم ہے کہ وہ اس فریضہ کو سرانجام دے سوال یہ ہے کہ اس وقت کوئی انسان عملی طور پر نصرت رسول ﷺ کے فریضہ کو کیسے نباہ سکتا ہے اور اس سعادت کو کس طرح حاصل کرسکتا ہے تو اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ ہر ایسا کام جسے بجالانے سے حضور اکرم ﷺ خوش ہوجائیں جو آپ کے مقصد بعثت کے حصول کا ذریعہ بنے وہ نصرت رسول ہی ہوگا۔

اگرچہ عملی طور پر اس کی بہت سی صورتیں ہوسکتی ہیں لیکن کچھ جامع صورتیں درج ذیل ہیں:

۱۔دعوت الی اللہ میں نصرت:

نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد وحید دعوت الی اللہ تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ "(۶۷)

''اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا (جس نے لوگوں سے یہی کہا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔''

نبی کریم ﷺ کو یہ چیز سب سے بڑھ کر محبوب تھی کہ لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئیں۔ جب غزوہ خیبر کے موقع پر آپ نے حضرت علیؓ کو مرحب کا مقابلہ کرنے کیلئے بھیجا تو انہیں فرمایا: اے علیؓ! پہلے انہیں اسلام کی دعوت دینا۔ کسی ایک شخص کا ہدایت پا جانا سرخ اونٹوں کے ملنے سے بہتر ہے۔ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا یہ نصرت رسول (ﷺ) کا

سب سے بڑا مظہر ہے اور رسول کریم ﷺ کی حیات مبارکہ کا مقصد وحید دعوت الی اللہ ہی تھا اور کسی کے مقصد کے حصول میں اس کے ساتھ شریک ہو جانا اس کی نصرت کا سب سے بڑا ذریعہ ہوتا ہے۔ اگر چہ کسی بھی امتی کیلئے یہ بہت بڑی سعادت ہے کہ وہ دعوت الی اللہ کے فریضہ کا شرف حاصل کرے اور یہ اس امت کا فرض منصبی بھی ہے لیکن رسول کریم ﷺ اسے اپنی نصرت سے ہی تعبیر فرماتے تھے۔ جس وقت یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔

''یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَـــآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِـنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَـلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ''(۶۸)

''اے پیغمبر (ﷺ) جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اسے پہنچا دیجئے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے پیغام کو نہیں پہنچایا۔''

تو نبی کریم ﷺ ایک گھاٹی کے پاس کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا:

''یاایھا الناس مـــن ینصرنی علی ان ابلغ رسالات ربی ولکم الجنة۔'' (۶۹)

''اے لوگو! اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے میں کون میری نصرت کرے گا اور (ایسا کرنے پر اللہ کے ہاں) تمہارے لئے جنت ہوگی۔''

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ لوگوں کے گھر اور میلوں میں جا کر انہیں فرماتے تھے:

''مـــن یؤوینی؟ مـــن ینصرنی حتی ابلغ رسالة ربی وله الجنـــة۔'' (۷۰)

''کون مجھے پناہ دیتا ہے، کون میری اس بات میں نصرت کرتا ہے کہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچاؤں اور اس کے لئے جنت ہوگی۔''

اس وقت دنیا کا ایک بہت بڑا حصہ ایسا ہے یہاں اللہ تعالیٰ کا پیغام نہیں پہنچا۔ اگر ایمانی سماعتیں بہرہ نہ ہوئیں ہوں تو سرکار ﷺ کی صدا آج بھی سنائی دے سکتی ہے کہ کون ہے کہ جو اللہ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچانے میں میری نصرت کرے گا؟

اگر اہل علم و دانش دعوت الی اللہ کو اپنی اوّلین ترجیح سمجھنے لگیں، اصحاب مال وثروت خدا کے دیئے ہوئے رزق میں سے اس راہ میں خرچ کرنے کا وطیرہ اپنائیں۔ دیار غیر میں مقیم مسلمان علمی اور عملی حیثیت سے دین کے مبلغ بن جائیں۔ وارثان منبر ومحراب نئے زمانے میں پرانی کہانیاں چھوڑ کر اور اپنی فکر کو وسعتیں دے کر دعوت اِلی اللہ کا فریضہ سر انجام دینے لگیں تو ہم کہہ سکیں گے کہ امت نصرت رسول کی سعادتوں سے محروم نہیں ہے بصورت دیگر ہم بحیثیت امت اس فریضہ کو ادا نہ کرنے کے مجرم ہوں گے اور جو قوم حضور اکرم ﷺ کی نظر کرم سے محروم ہو جائے اسے برے انجام سے کوئی

نہیں بچا سکتا۔نصرت رسول کی سب سے پہلی صورت مقصد رسالت کے حصول میں شریک ہونا ہےاور وہ صرف اور صرف دعوت الی اللہ ہے۔

۲-مکارم اخلاق کی تکمیل میں نصرت:

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

’’انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔‘‘ (۷۱)

’’مجھے صرف اس لئے معبوث کیا گیا ہے کہ میں اخلاقی اقدار کو مکمل کردوں۔‘‘

یہ حدیث مبارکہ ان الفاظ سے بھی مروی ہے:

’’انما بعثت لاتمم صالح الأخلاق۔‘‘ (۷۲)

’’مجھے صرف اس لئے بھیجا گیا ہے کہ میں اچھے اخلاق کی تکمیل کروں۔‘‘

ان اُحادیث مبارکہ سے واضح ہے کہ مکارم اخلاق کی تکمیل حضور اکرم ﷺ کی زندگی کا اہم مقصد تھا۔ عظیم لوگ اپنی ذات سے بڑھ کر اپنے مقاصد سے محبت کرتے ہیں اسی لیے بسا اوقات وہ اپنے مقصد کے حصول کیلئے اپنی جان بھی قربان کردیتے ہیں۔حضور اکرم ﷺ نے اپنی تمام کوششیں اور مساعی جس مقصد کے حصول کیلئے صرف فرمائیں وہ مکارم اُخلاق کی تکمیل تھی۔مکارم اُخلاق کی تکمیل ’’دعوت الی اللہ‘‘ سے کوئی متضاد چیز نہیں ہے بلکہ یہ اسی چیز کا عملی مظہر ہے بلکہ اس کا دائرہ پوری انسانیت تک وسیع ہے اگر ایک شخص نے دعوت الی اللہ کو بالفرض قبول نہیں بھی کیا۔اُخلاق حسنہ کی دعوت اسے بھی دی جائے گی تاکہ وہ دوسروں انسانوں کیلئے فائدہ مند اور نفع بخش ثابت ہو اور ظن غالب یہ ہے کہ جس کے اخلاق سنور جائیں گے۔وہ حقوق اللہ کی ادائیگی کی طرف بھی مائل ہو جائے گا اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ دعوت اِلی اللہ اور مکارم اخلاق کی تکمیل ایک حقیقت کے دو رخ اور ایک ہی منزل کے دو مرحلے ہیں۔

مکارم اخلاق کی تکمیل میں نصرت رسول ﷺ کی عملی صورت سے پہلے واضح ہو جانا چاہیے کہ اُخلاق کا مفہوم کیا ہے۔اخلاق کا لفظ خلق کی جمع ہے۔امام فخر الدین رازی خلق کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

’’الخلق ملكة نفسانية يسهل على المتصف بها الإتيان با الأفعال الجميلة۔‘‘ (۷۳)

''خلق انسان کے اس ملکہ کو کہا جاتا ہے جس سے متصف انسان کیلئے اچھے کاموں کا کرنا آسان ہو جاتا ہے۔''

یعنی جس طرح انسان کوئی آواز بلا تکلف سن لیتا ہے۔ بلا تردد ایک بات کر دیتا ہے۔ ایسے ہی جب اس کی شخصیت اس طرح سنور جائے کہ وہ بلا تکلف اپنے دشمنوں کو معاف کر دے۔ ظلم کرنے والے سے بھی محبت واخوت کا برتاؤ کرے اور تعلق توڑنے والے سے تعلق جوڑنے کی کوشش کرے تو کہا جائے گا کہ یہ انسان صاحب اُخلاق ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ حضور اکرم ﷺ نے جس کام کا بیڑا اٹھایا تھا اور جس کے حصول کیلئے آپ نے اپنی پوری حیات مبارکہ وقف کر رکھی تھی وہ یہ تھا کہ لوگ اخلاق حسنہ کے اُنوار سے منور ہو جائیں۔ لوگوں کی شخصیت اتنی نکھر جائے کہ وہ دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کی بجائے ان کے خیر خواہ اور مخلص بن جائیں۔ دوسروں کو ذلیل ورسوا کرنے کی بجائے ان کی عزتوں کے محافظ اور رکھوالے بن جائیں وہ خود غرضی کے خول سے نکل کر دوسروں کے لئے جینے کے ڈھنگ سیکھیں۔ وہ اپنے ایک پاؤ گوشت کے حصول کیلئے دوسروں کی بھینس ذبح نہ کریں بلکہ ایثار کے جذبوں کے حامل بن جائیں۔ وہ مدح وذم سے بے نیاز ہو کر انسانیت کی فلاح اور بھلائی کیلئے کام کریں۔

جو بھی شخص اسی مقصد کو لے کے نکلتا ہے وہ نصرت رسول اللہ ﷺ کا شرف حاصل کر رہا ہے۔ نصرت کا یہ شرف اس وقت تک نہیں مل سکے گا جب تک انسان پہلے خود اُخلاق حسنہ سے مزین نہ ہو جائے کیونکہ اُخلاق کی تعلیم کوئی رسمی کارروائی نہیں ہے بلکہ سوز دروں کے بغیر انسان اس فریضہ سے کبھی بھی سبکدوش نہیں ہو سکتا۔

اگر آج دنیا پر نظر دوڑائی جائے تو بڑا دلدوز منظر نظر آتا ہے۔ ہوس نے نوع انسان کو ٹکڑے ٹکڑے کر رکھا ہے۔ اپنے مفاد کے حصول کیلئے خون کی ندیاں بہانے کو کمال تصور کیا جا رہا ہے۔ لوٹ مار، خود غرضی، مفاد پرستی اور ہوا وہوس نے انسانیت کا سکون چھین لیا ہے۔ طاقتور کمزور کو کھا جانے پر تلا ہوا ہے۔ اپنے گھروں کو مزید روشن کرنے کیلئے دوسروں کے گھروں کے چراغ گل کیے جا رہے ہیں۔

ان روح فرسا اور گھمبیر حالات میں گنبد خضری سے صدائے دلنواز بلند ہو رہی ہے کہ اے میرے امتیو! تکمیل مکارم اُخلاق میرا مشن ہے۔ کون ہے جو اس میں میری نصرت کرے؟ جو بھی انسان مکارم اُخلاق کو پھیلانے کا عزم لے کر نکلے گا وہ نصرت رسول ﷺ کا شرف حاصل کرنے والا ہو گا۔

ہر انسان مقدور بھر اس کا پابند ہے کہ یہاں تک اس کا اختیار ہے وہ اس مقصد میں نصرت رسول ﷺ کا فریضہ سرانجام دے۔

۳-محاسن اسلام کی تفہیم میں نصرت:

اگر چہ ہر زمانہ میں بہت سے مذاہب دنیا میں موجود رہے اور لوگ ان کی پیروی میں ہی اپنی نجات تصور کرتے رہے لیکن نبی کریمﷺ جو دین لے کر اس دنیا میں تشریف لائے اور لوگوں پر اس دین کے محاسن واضح کرنے میں آپ نے اپنی حیات مقدسہ کا لمحہ لمحہ بسر کیا آپ نے لوگوں کو یہ حقیقت سمجھائی کہ اگر تم اس دین کو اختیار کر لو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں آخرت کی عزتوں کے علاوہ دنیا کی سعادتیں اور برکتیں بھی عطا فرمائے گا۔ایک موقع پر آپ نے قریش کو دعوت دیتے ہوئے فرمایا:

''کلمة واحدة تعطونیها تملکون به العرب و تدین لکم بها العجم'' (۷۴)

''بس وہ ایک ایسا کلمہ ہے۔اسے اگر مجھ سے قبول کر لو تو اس کے ذریعے تم سارے عرب کو زیر نگیں کر لو گے اور سارا عجم تمہارے پیچھے چلے گا۔''

آپ نے حجۃ الوداع کا خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''قد ترکتکم علی البیضاء لیلها کنهارها۔'' (۷۵)

اسی دین کے محاسن وفضائل لوگوں پر واضح کرنا تا کہ وہ اس دین کو قبول کر لیں حضور اکرمﷺ کی تمام مساعی کا حاصل تھا۔دین کے محاسن لوگوں پر واضح کرنا اور اس کی ترویج واشاعت میں جدوجہد کرنا یہ بھی نصرت رسولﷺ کا ایک پہلو ہے اور خود حضور اکرمﷺ نے اس چیز کو اسی اُسلوب میں بیان فرمایا ہے۔

ابتدائے اسلام میں آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ ایک دعوت کا اہتمام کرو اور خاندان عبدالمطلب کو مدعو کرو۔ جب سب لوگ آ گئے۔کھانے کے بعد آپ نے کھڑے ہو کر فرمایا۔میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دنیا اور آخرت میں تمہاری فلاح کی کفیل ہے۔اس بارگراں کو اٹھانے میں کون میرا ساتھ دے گا؟ سب لوگ خاموش رہے۔حضرت علیؓ نے اٹھ کر کہا کو مجھے آشوب چشم ہے اگر چہ میری ٹانگیں پتلی ہیں اور کو میں سب سے چھوٹا ہوں تاہم میں آپ کا ساتھ دوں گا۔اس موقع پر آپ نے فرمایا:

''قد امرنی اللّٰہ تعالی أن أدعوکم إلیه فأیکم یوازرنی علی هذا الامر۔'' (۷۶)

''مجھے اللہ تعالیٰ نے اس چیز کا حکم دیا ہے کہ میں لوگوں کو اس کے دین کی طرف بلاؤں۔اس معاملہ میں کون میری نصرت کرتا ہے؟''

آپ کا یہ فرمان اس چیز پر دلیل ہے کہ جو بھی دین کے محاسن لوگوں پر واضح کر کے انہیں اس کی طرف راغب کرتا ہے یا کسی بھی طریقے سے لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دیتا ہے وہ بھی نصرت رسول کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

بحیثیت امت پوری امت اسلامیہ کا فریضہ ہے کہ وہ حتی المقدور لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دیں انہیں بتائیں کہ اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جو انسانی فطرت کے عین مطابق ہے یہی ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ آسان اور سادہ نظام زندگی ہے۔ اسلام ہی وہ دین ہے جو رنگ و نسل اور ذات پات کے تمام بتوں کو پاش پاش کر کے انہیں وحدت نسل انسانی کا درس دیتا ہے۔ جو امامت اور رہنمائی کو کسی مخصوص طبقہ کا حصہ نہیں سمجھتا بلکہ ہر کسی کیلئے عمل کا میدان کھلا چھوڑتا ہے جو شاہ و گدا اور آقا و غلام کو ایک صف میں کھڑا کرتا ہے اور قانون کی نظر میں سب کو برابر قرار دیتا ہے۔ جو کسی بھی گناہ کو انسان کا پیدائشی عیب نہیں کہتا بلکہ انسان کو اسی گناہ کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے جو اس نے خود کیا ہے۔

امت کا ہر فرد جس بھی مالی یا علمی حیثیت میں ہو یہاں تک اس کے لئے ممکن ہو اسلام کی صداقتوں کو عملی طور پر ثابت کرنا اس پر ضروری ہے کیونکہ یہ بھی نصرت رسول کا ایک پہلو ہے اور نصرت رسول کا فریضہ ہر مسلمان پر لازم ہے دنیا کے کتنے ہی خطے ہیں کہ یہاں اس میڈیا کے دور میں بھی اسلام کا پیغام نہیں پہنچا۔ لکھنے والے لکھ کر، بولنے والے بول کر، علم والے علم سے اور مال والے مال سے اسلام کے محاسن زمانے پر واضح کریں تا کہ سب کا شمار نصرت رسول ﷺ کا شرف حاصل کرنے والوں میں ہو کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ مجھے اللہ نے دین کی طرف بلانے کا حکم دیا ہے: "فایکم یؤازرنی علی ھذا الامر." اس معاملہ میں کون میرا ساتھ دیتا ہے؟ کون میری تقویت کا سامان کرتا ہے۔

۴۔امت کی خیر خواہی کے ذریعہ سے نصرت:

قرآن کریم میں رسول کریم ﷺ کا اپنی امت سے تعلق بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

"لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ"(۷۷)

"بے شک تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک عظیم رسول تشریف فرما ہوئے ہیں۔ تمہارا مشقت میں پڑ جانا ان پر بڑا گراں گزرتا ہے۔ وہ تم میں سے ہر ایک کے خیر خواہ اور مومنوں پر تو نہایت مہربانیاں فرمانے والے اور رحمت فرمانے والے ہیں۔"

اس آیت کریمہ سے واضح ہو رہا ہے کہ ہر وہ چیز جو انسانیت کے لئے نقصان دہ ہو وہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام پر شاق گزرتی ہے کیونکہ آپ پوری انسانیت کے خیر خواہ ہیں لیکن امت کے ساتھ آپ کی شفقتیں اور محبتیں تو بیان سے باہر

ہیں تو جو چیز امت کیلئے نقصان اور مشقت کا باعث ہوگی وہ حضور اکرم ﷺ پر نہایت ہی شاق اور گراں گزرے گی اور جو بھی انسان امت کی خیر خواہی کیلئے کوشش کرے گا وہ حضور علیہ السلام والسلام کو خوش کرنے والا اور آپ کی نصرت کا شرف پانے والا ہوگا۔ امت کی خیر خواہی متعدد طریقوں سے ہوسکتی ہے جن میں سے مرکزی اور اساسی چیزیں یہ ہیں:

۱۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دینا:

جو چیز کسی فرد یا قوم کو سب سے زیادہ تباہ و برباد کرتی ہے وہ گناہ اور سرکشی ہے اللہ تعالیٰ سے بغاوت انسان کو دنیا میں بھی خائب و خاسر کرتی ہے اور آخرت میں بھی ۔جس طرح بیٹے کا بگڑنا ماں کیلئے دکھ کا باعث ہوتا ہے۔اسی طرح امتی کا بگڑنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر گراں اور شاق گزرتا ہے حضور اکرم ﷺ نے اہل ایمان کو تاکید کی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو معروف کا حکم دیتے رہیں اور منکر سے منع کرتے رہیں اور اسی چیز کو ایمان کی نشانی اور علامت قرار دیا۔حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> "من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه فان لم يستطع فبقلبه و ذلك اضعف الايمان." (۷۸)
>
> "تم میں سے جو کسی برائی کو دیکھے اسے چاہیے کہ اسے ہاتھ سے ختم کردے اگر ایسا نہ کر سکے تو اسے زبان سے روکے اور اگر ایسا بھی نہ کر سکے تو اسے دل میں برا جانے یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔"

امت میں بہت سی برائیاں فروغ پا رہی ہیں عموماً حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پاسداری نہیں کی جاتی ۔جو بھی بندہ امت میں خیر کے فروغ اور شر کے استیصال کے لئے کھڑا ہوگا ۔نصرت رسول ﷺ کی سعادت پانے والا ہوگا ہر امتی پر لازم ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق اس فریضہ کو سرانجام دے جب تک والد اپنے بچوں کو، استاد اپنے شاگردوں کو، دوست دوستوں کو، افسر ماتحتوں اور بادشاہ رعایا کو مکمل احساس اور بھرپور رشدتوں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کریں گے نصرت رسول کے فریضہ سے سبکدوش نہیں ہوسکتے ۔

۲۔مظلوموں کی مدد:

امت میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں ۔جن پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں ۔ عالم کفر محض اپنی اجارہ داری قائم کرنے کیلئے ان کا خون پانی کی طرح بہا رہا ہے اور ان کے اموال اور ان کی املاک کو تباہ و برباد کر رہا ہے ۔اس صورت حال میں امت کو اس کربناک حالت سے نکالنا بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نصرت کا ایک پہلو ہے ۔کشمیر، فلسطین، بوسنیا، عراق اور چیچنیا میں امت مسلمہ پر وحشت و بربریت کی حد کردی گئی ہے اور نہ

جانے عالم کفر کتنے مکروہ اور خوفناک عزائم کے ساتھ عالم اسلام کی تباہی پہ تلا ہوا ہے۔ امت کا ہر دکھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر شاق گزرتا ہے۔ امت کو اس دکھ سے نکالنے میں ان کی مدد کرنا بھی دراصل نصرت رسول ہی کہلائے گا۔ ایسے حالات میں یہ آیۃ کریمہ مشعل راہ کا کام دیتی ہے۔

"وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَاوَ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُ نْكَ وَلِيًّا وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا" (۷۹)

''اور تمہیں کیا ہوگا کہ تم اللہ کی راہ میں جہاد نہیں کرتے حالانکہ مردوں، عورتوں اور بچوں میں سے بے بس اور مظلوم تڑپ تڑپ کر دعا کر رہے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ستم گر ہو گئے ہوں اور خاص اپنی طرف سے ہمارا کوئی حمایتی پیدا فرما اور ہمارے لئے اپنی طرف سے کسی کو مددگار کر دے۔''

اگر ملت اسلامیہ مظلوم افراد کی مدد کیلئے اور انہیں غیروں کے ظلم وستم سے نجات دلانے کے لئے ایک زندہ کردار ادا نہیں کرے گی تو وہ نصرت رسول کا فریضہ سرانجام دینے سے قاصر رہی گی۔

۳۔اتحاد امت کیلئے جدوجہد کرنا:

اگر اولاد آپس میں دست بگریباں ہو تو یہ چیز باپ کیلئے انتہائی تکلیف دہ اور دکھ کا باعث ہوتی ہے اور امت کا اختلاف وانتشار حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی پر گراں اور شاق گزرتا ہے۔ آپ نے متعدد اسالیب سے اپنی امت کو متحد و متفق رہنے کی تلقین فرمائی۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

"فمن رأیتموہ یرید تفرق امۃ محمد ﷺ وھم جمیع فاقتلوہ کائنا من کان من الناس." (۸۰)

''تم جس بندے کو دیکھو کہ وہ امت محمد ﷺ میں فتنہ و فساد پیدا کرنا چاہتا ہے اسے قتل کر دو وہ کوئی بھی ہو۔''

آپ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

"استنصت الناس فقال لا ترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض." (۸۱)

''لوگوں کو خاموش کرواؤ آپ نے فرمایا میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ تم میں سے بعض بعض کی گردنیں اڑانے لگیں۔''

ایک موقع پر آپ نے یہ بھی فرمایا:

"انی مکاثر بکـــم الامم فلا تقتلن بعـــدی" (۸۲)

''میں دوسری امتوں پر تمہاری وجہ سے فخر کروں گا پس تم میرے بعد قتل و غارت نہ کرنا۔''

حضور اکرم ﷺ کے ان فرامین گرامی سے واضح ہے کہ آپ کی یہ شدید خواہش تھی کہ میری امت اتحاد و اتفاق کا دامن تھامے رہے۔

اگر امت میں اختلاف و انتشار پیدا ہو جائے تو اسے ختم کرنے کی کوشش کرنا بلاشبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی منشا کے عین مطابق ہوگا اور آپ کی رضا کو پانے کا ذریعہ ہوگا۔

اس وقت امت میں اختلاف و انتشار کی خلیج وسیع سے وسیع ہوتی جا رہی ہے۔ فتنہ پرور عناصر اپنے مفادات اور خواہشات کی تکمیل کیلئے امت کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے پہ تلے ہوئے ہیں۔ جو بھی انسان ان حالات میں امت میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کیلئے میدان میں آئے گا وہ بھی نصرت رسول ﷺ کا شرف پانے والا ہوگا کیونکہ یہ عمل کار نبوت کی تکمیل میں شرکت کی سعادت کے مترادف ہوگا۔

جو بھی انسان نصرت کے اس شرف کو پانا چاہے اسے چاہیے کہ امت کو فروع کی دلدل سے نکال کر اصول کی طرف لائے۔ ظنیات کے جھگڑوں سے بچا کر قطعیات پر ان کی توجہ مبذول کروائے اور ان کے درمیان اختلافی امور کو دلیل کا اختلاف سمجھ کر نفرتیں کم کرنے کیلئے حتیٰ المقدور کوشش کرے کیونکہ یہ بھی نصرت رسول ﷺ کا ایک پہلو ہے۔

۴۔علم و دانش کو پھیلانا:

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"انمـــا بعثت معـــلما." (۸۳)

''مجھے صرف معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔''

قرآن کریم میں رسول کریم ﷺ کے فرائض منصبی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

"وَ يُعَلِّمُهُـــمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِـــكْمَةَ"(۸۴)

''اور آپ انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔''

علم ہی ایک ایسی روشنی ہے جو انسان کو توہمات کے جہاں سے نکال کر دانش وبینش کی دنیا میں لاتی ہے۔جس سے انسان کی شخصیت سنورتی ہے۔یہی نور انسان کو عظمت انسانی کی حقیقی رفعتوں پر فائز کرتا ہے۔علم ہی انسان کو فکری اور علمی وسعتیں عطا کرتا ہے۔

آج امت کے بگاڑ اور پسماندگی کا ایک اہم سبب علم سے دوری ہے۔معلم کتاب وحکمت ﷺ کی امت علم کی رفعتوں سے محروم ہو! یہ بات سب کیلئے بڑے دکھ اور کرب کا سبب ہے۔ان حالات میں جو بھی علم و دانش پھیلانے کے لئے میدان میں آئے گا۔وہ ہی کارنبوت میں شراکت کا شرف پا کے نصرت رسول کی سعادت حاصل کرنے والا ہوگا۔علم پھیلانے کے نام پر کاروبار کرنا تو اور بات ہے۔علم پھیلانے کیلئے اپنی مساعی کو صرف کرنا چیز دگر ہے اور یہی نصرت رسول ﷺ کا ایک اہم پہلو اور زاویہ ہے۔

علم سے مراد کوئی محدود سوچ کو پھیلانا نہیں بلکہ قرآن وسنت کے آفاقی علم کا پرچار کرنا ہے۔انفس وآفاق میں پھیلے ہوئے قدرت کے نمونوں کو اثبات حق پر دلیل بنانا ہے۔انسانیت کو درپیش موجودہ چیلنجز کا جواب دینا ہے۔نئے زمانے میں پرانی کہانیاں دہرانا نہیں بلکہ زمانے کی نبض پہ ہاتھ رکھ کر ان کے دکھ کا مداوا کرنا ہے۔محدود سوچ کے دائرہ سے نکال کر فکری اور علمی وسعتیں عطا کرنا ہے۔ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق آگے آئے۔اہل ثروت خداداد دولت صرف کریں اہل علم و دانش اپنی صلاحیتیں اسی کار خیر میں لگائیں اور ہر کوئی اس فریضہ کا احساس کر کے حتی المقدور اپنی خدمات پیش کرے کیونکہ یہ نصرت رسول ﷺ کا ایک پہلو ہے۔

۵-تحفظ ناموس رسالت میں نصرت:

دین کی ہر بات کا آخری اور حتمی حوالہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی ہوتی ہے۔اگر ذات پیغمبر کو ہی مشکوک کر دیا جائے تو سارے کا سارا دین مشکوک ہو جاتا ہے۔اسی لئے اسلام میں کسی بھی پیغمبر کی توہین کرنے کی سزا قتل ہے۔جو بھی بندہ حضور اکرم ﷺ یا انبیاء کرام میں کسی بھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین کا مرتکب ہوتا ہے۔اسلامی تعلیمات کے مطابق وہ واجب القتل ہے۔قاضی ابوالفضل عیاض مالکی فرماتے ہیں:

''ان جميع من سب النبي ﷺ او عابه او الحق به نقصا في نفسه او نسبه او دينه او خصلة من خصاله...... فهو ساب له والحكم فيه حكم الساب يقتل...... وهذا كلمه اجماع من العلماء و ائمة الفتوى من لدن الصحابة رضوان الله عليهم الى هلم جرا۔'' (۸۵)

''جو بھی نبی کریم ﷺ کو پر دشنام طرازی کرے،آپ کو عیب لگائے یا آپ کے دین،نسب اور کسی بھی خصلت کی طرف کوئی نقص منسوب کرے......وہ آپ کو سب وشتم کرنے والا ہوگا۔اس کا حکم یہی ہوگا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔دور صحابہ سے آج تک سب علماء اور اہل فتوی کا اسی پر اجماع ہے۔''

ذات رسالت کی توہین کرنے والے کو اس کی سزا دلوانے کیلئے جدوجہد کرنا بھی نصرت رسول ﷺ کا ایک پہلو ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

"ان رجلا من المشرکین شتم النبیﷺ فقال النبیﷺ من یکفینی عدولی؟ فقام الزبیر فقال انا فبارزہ فقتلہ." (۸۶)

"مشرکین میں سے ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ کو سب وشتم کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ دشمن سے میری حفاظت کون کرے گا؟ حضرت زبیرؓ کھڑے ہوئے عرض کی میں حاضر ہوں۔ پس انہوں نے اس شخص سے مقابلہ کیا اور اسے قتل کر دیا۔"

ایسے ہی ایک عورت یہی جرم کرتی تھی حضور اکرم ﷺ کے اسی طرح فرمانے پر حضرت خالد بن ولیدؓ نے اسے کیفر کردار تک پہنچایا۔ (۸۷) اسی طرح جب کعب بن اشرف نے نبی کریم ﷺ کو اذیت دی تو آپؐ نے فرمایا:

"مـــن لکعب بن الاشرف فانہ قـــد آذی اللّٰہ ورسولہ." (۸۸)

"کعب بن اشرف کی خبر کون لے گا کہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دی ہے؟"

آج مختلف طریقوں سے حضور اکرم ﷺ کو اذیت پہنچائی جارہی ہے کہیں آپ کی ذات اقدس کو ہدف تنقید بنایا جاتا ہے، کہیں خاکے شائع کر کے اپنے خبثِ باطن کا اظہار کیا جارہا ہے کہیں آپ کے لائے ہوئے دین کا تمسخر اڑا کے آپ کو اذیت پہنچائی جارہی ہے۔ ان دردناک حالات میں ہر کلمہ گو کا فرض ہے کہ وہ حتی الوسع توہین رسالت کے مرتکب افراد کو سزا دلوانے میں اپنی پوری طاقت صرف کرے۔ اہل قلم، قلم کے ذریعہ، اہل ثروت مال وزر قربان کر کے اور شاہان وقت حکومتی سطح پر ایسے مجرموں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچا کے نصرت رسول ﷺ کا شرف حاصل کریں۔ ایسا نہ ہو کہ ان کی ذات کی توہین کرنے والا تو سزا سے کسی صورت نہ بچ سکے بلکہ اسے جرم سے بھی بڑھ کر سزا بھگتنی پڑے لیکن ذات رسول ﷺ کی توہین کرنے والے کے معاملہ میں صرف رسمی بیان دینے پر اکتفا کیا جائے۔

عہد حاضر میں نصرت رسول ﷺ کے اس پہلو پر بہت زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے ایمان کی حدت بھی درکار ہے اور دانش وبینش کی بصیرتیں بھی، اس پس منظر میں کوئی بھی ایسا طریقہ استعمال کرنا جو مقصد کے حصول کو مزید دور کر دے غلط اور نامناسب ہوگا۔

جب ملت اسلامیہ میں نصرت رسول ﷺ کا شعور اجاگر ہو جائے گا تو پھر انہیں بہت سے طریقے بھی خود بخود سمجھ آتے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصرت رسول ﷺ کی سعادتیں سمیٹنے کا شرف نصیب فرمائے۔ (آمین)

مبحث چہارم
نصرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
اور فقہاء کی آراء

نصرت رسولﷺ دراصل ایمان بالرسول اور محبت رسولﷺ کا لازمی نتیجہ ہے کیونکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان کو جس سے بھی محبت ہوتی ہے وہ اس کی خوشنودی اور رضامندی پانے کیلئے وہ سب کچھ ضرور کرتا ہے جس کی اس میں ہمت ہوتی ہے اور جو وہ کرسکتا ہے مثلاً اگر ایک انسان اپنے بچوں سے محبت کرتا ہے تو وہ انہیں خوش رکھنے کیلئے اور ان کی بہتری کیلئے اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑتا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسے اپنی اولاد کی بہتری اور خوشنودی اس قدر مقصود ہوتی ہے کہ وہ کبھی کبھی حد سے بھی تجاوز کر جاتا ہے اور حلال وحرام کی تمیز تک چھوڑ دیتا ہے۔

یہ مثال تو مادی سطح کی ہے۔ عظیم انسان بالخصوص حضرات انبیاء ورسل علیہم السلام کو تو اپنا مشن اپنی ذات سے بھی بڑھ کے محبوب ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے مشن کیلئے اپنی ذات تک قربان کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ چونکہ حضور اکرمﷺ کو اپنا مشن اتنا محبوب تھا کہ آپ نے اس مشن کی تکمیل میں طعن وتشنیع کے تیر بھی سہے اور اپنی پوری زندگی اسی کیلئے وقف کر دی۔ رسول کریمﷺ کی رضامندی اور آپ کی خوشنودی کو پانے کا سب سے بڑا ذریعہ آپ کے مشن کی تکمیل میں اپنے آپ کو وقف کر دینا ہے۔

فقہاء میں اختلاف تو فقہی نوعیت کے مسائل میں ہوتا ہے نصرت رسولﷺ کے حقوق الرسول میں سے ایک اہم حق ہونے اور ہر امتی پر اس کے حسب استطاعت واجب ولازم ہونے پر کوئی اختلاف نہیں ہے۔ نصرت رسول کے وجوب پر اجماع امت ہے۔ جمیع فقہاء ومفسرین وہ احناف میں سے ہوں یا شوافع، مالکیہ اور حنابلہ میں سے ہوں سب اس پر متفق ہیں کہ نبی کریمﷺ کی نصرت ہر امتی پر حسب استطاعت واجب اور لازم ہے۔

فقہاء ومفسرین کے نزدیک یہ حقیقت اتنی واضح اور ناقابل تردید ہے کہ وہ ایک مسلمہ حقیقت کی طرح اس پر سے سرسری سی گفتگو کر کے گزر جاتے ہیں۔ اس کا سبب بھی یہی ہے کہ جو حقیقت بالکل واضح ہو اس پر دلائل دینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

"ای قصدوا بنصره وجه اللّٰہ تعالٰی و اعـــلاء کلمته." (۸۹)

''نصروہ'' سے مراد یہ ہے کہ نبی کریمﷺ کی نصرت کا قصد اللہ تعالیٰ کی رضا پانے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو بلند کرنے کیلئے کرو۔''

امام طبری لکھتے ہیں:

"نصروہ: یقول و أعانوہ علی أعداء اللّٰہ و اعلائه بجها دهم و نصب الحرب لهم." (۸۹)

نصروہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور حضور اکرمﷺ کے دشمنوں کے خلاف جہاد کر کے اور ان کے خلاف جنگ برپا کر کے حضور اکرمﷺ کی مدد کرو۔

علامہ شوکانی کہتے ہیں:

”(ونصروہ) أی قاموا بنصـــــرہ علی مـــــن یعادیہ۔“ (۹۱)

”یہاں نصروہ سے مراد یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے دشمنوں کے خلاف کھڑے ہو جاؤ۔“

نصرت رسول ﷺ کے متعدد مظاہر کے بارے میں جمیع فقہاء انتہائی پر زور طریقے سے ان کی ادائیگی کی تلقین کرتے ہیں۔ حضور ﷺ کے پیغام کو پھیلانا بھی نصرت کا ایک پہلو ہے امام بخاری فرماتے ہیں:

”وَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ إِلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ انْظُرْ مَا كَانَ مِنْ حَدِيثِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاكْتُبْهُ فَإِنِّي خِفْتُ دُرُوسَ الْعِلْمِ وَذَهَابَ الْعُلَمَاءِ وَلَا تَقْبَلْ إِلَّا حَدِيثَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلْتُفْشُوا (وَلْيُفْشُوا) الْعِلْمَ وَلْتَجْلِسُوا (وَلْيَجْلِسُوا) حَتَّى يَعْلَّمَ (يَعْلَمَ) مَنْ لَا يَعْلَمُ فَإِنَّ الْعِلْمَ لَا يَهْلِكُ حَتَّى يَكُونَ سِرًّا۔“ (۹۲)

حضرت عمر بن عبد العزیز نے ابو بکر حزم کو لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو لکھ لو مجھے ڈر ہے کہ کہیں علم مٹ نہ جائے اور علماء (دنیا سے) اٹھ نہ جائیں اور نبی کریم ﷺ کی احادیث کے علاوہ کوئی دوسری بات قبول نہ کرو۔ علماء کو چاہیے کہ وہ علم کو پھیلائیں، مسند علم پر بیٹھیں تا کہ جس کے پاس علم نہیں وہ علم حاصل کر سکے۔ علم وہاں سے ختم ہو جاتا ہے یہاں سے اسے پھیلایا نہ جائے۔

سطور بالا سے واضح ہو رہا ہے کہ تمام فقہاء و علماء نصرت رسول اللہ ﷺ کو آپ کا ایک اہم حق مانتے ہیں اور اس کی ادائیگی کی بڑی سختی سے تاکید کرتے ہیں۔

فصل سوم
صلوٰۃ وسلام

مبحث اوّل
صلوٰۃ وسلام کا لغوی وشرعی مفہوم

لفظ صلوٰۃ کا مادہ اصلیہ ص۔ل۔و ہے۔اس مادہ میں دوڑ میں گھوڑے کا دوسرے نمبر پر ہونا، دعا کرنا اور کسی کے لیے خیر و برکت کی تمنا کرنا وغیرہ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔لغت میں **الصّلاۃ** دم کے دائیں اور بائیں جانب کے حصے کو کہا جاتا ہے۔صلوٰۃ کا لفظ عرف میں دعا، تسبیح، رحمت اور یہودیوں کے طریقہ عبادت کیلئے استعمال ہوتا ہے۔اسلامی شریعت میں صلوٰۃ کے معنی مخصوص طریقہ عبادت ہے جسے نماز کہا جاتا ہے۔نماز پڑھنے کی جگہ کو مصلیٰ کہا جاتا ہے اور عید گاہ کو مصلی العید کہا جاتا ہے۔

لغت میں **صلی الشیٔ صلیاً** کا معنی کسی چیز کو آگ میں ڈالنا اور **صلی اللحم** کا معنی گوشت کو بھوننا ہوتا ہے۔امام راغب اصفہانی لفظ صلوۃ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قال کثیر من اهل اللغة: هی الدعاء و التبریك و التمجید. یقال صلیت علیه ای دعوت له و زکیت و قال علیه السلام اذا دعی احدکم الی طعام فلیجب و ان کان صائما فلیصل ای لیدع لاهله." (۹۳)

بہت سے اہل لغت نے کہا ہے کہ صلوٰۃ کے معنی دعا دینا، تحسین وتبریک اور تعظیم کرنا ہے جب کہا جائے صلیت علیہ تو اس کا معنی ہوتا ہے کہ میں نے اس کے لیے دعا کی اور اس کے لیے ترقی اور نشو ونما کی تمنا کی۔جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو کھانے کی طرف دعوت دی جائے تو اسے چاہیے کہ اس کی دعوت کو قبول کرے اور اگر وہ روزہ دار ہو تو اس پر صلوٰۃ بھیجے یعنی اس کے گھر والوں کے لیے دعا ہے۔"

امام راغب نے وضاحت کی ہے کہ صلی کا معنی آگ میں داخل ہونا بھی ہوتا ہے اور صلوٰۃ میں سلب ماخذ پایا جاتا ہے یعنی ایسی عبادت جس کی ادائیگی سے انسان دوزخ سے دور ہو جاتا ہے۔وہ فرماتے ہیں:

"قال بعضهم: اصل الصلوة من الصلاء، قال ومعنی صلی الرجل ای انه ازال عن نفسه بهذا العبادة الصلاء الذی هو نار الله الموقدة وبناء صلی کبناء مرض لا لا زالة المرض." (۹۴)

بعض کہتے ہیں کہ صلوٰۃ کی اصل صلاء ہے۔جس کا معنی اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے صلی الرجل کا معنی ہے کہ اس نے اس عبادت کے ذریعے اپنے آپ کو اس بھڑکائی ہوئی آگ سے محفوظ کر لیا اور صلی کا لفظ مرض کا طرح ہے جیسے یہ مرض ازالہ مرض کیلئے استعمال ہوتا ہے ایسے ہی صلی ازالہ آگ کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

سطور بالا سے واضح ہوا کہ صلوٰۃ کو لفظی ولغوی معنی دعا، بتریک یا ایسی عبادت ہے جس سے انسان آگ سے دور ہو جائے ۔اسی سے صلوٰۃ علی النبی ﷺ مشتق ہے کہ نبی کریم ﷺ کے لیے حصول رحمت و برکت کی دعا کرنا ۔الصلوٰۃ علی النبی ﷺ کا شرعی معنی بیان کرتے ہوئے علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

"الصلوٰة علی ا لنبی ﷺ من اللّٰہ تشریف و زیادۃ و تکرمۃ و علی من دون النبی رحمۃ و بھذا التقریر یظھر الفرق بین النبی ﷺ وبین سائر المؤمنین حیث قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿ان اللّٰہ وملائکتہ یصلون علی النبی﴾ (۹۵) وقال ذلک فی السورۃ المذکورۃ ﴿ھو الذی یصلی علیکم و ملائکتہ﴾ (۹۶) ومن المعلوم ان القدر الذی یلیق بالنبی ﷺ من ذلک ارفع مما یلیق بغیر والا جماع متعقد علی ان فی ھذا الایۃ من تعظیم النبی ﷺ والتنویۃ بعد مالیس فی غیرھا۔" (۹۷)

''اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور ﷺ پر صلوٰۃ بھیجنے سے مراد آپ کے شرف، عزت اور کرامت میں اضافہ ہے اور آپ کے علاوہ دوسروں پر صلوٰۃ بھیجنے سے مراد ان پر رحمت نازل کرنا ہے اور اسی سے آپ ﷺ پر صلوٰۃ اور مومنوں پر صلوٰۃ میں فرق ظاہر ہو گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہے: ''بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں'' اور اسی سورت میں اس سے پہلے فرمایا وہ وہی ہے کہ وہ خود اور اس کے فرشتے تم پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں ۔یہ بات واضح ہے کہ حضور اکرم ﷺ پر بھیجی گئی صلوٰۃ کا مرتبہ دوسروں پر بھیجی گئی صلوٰۃ سے بہت ارفع واعلیٰ ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ اس آیت میں نبی کریم ﷺ کی وہ تعظیم وتکریم مقصود جو آپ کے علاوہ کہیں متصور نہیں ۔''

اس سے واضح اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ النبی ﷺ سے مراد آپ کے شرف، عزت اور کرامت میں اضافہ ہے اور مومنین کی طرف سے اس سے مراد آپ ﷺ کے لیے برکت اور حسنات کی دعا ہے ۔

دوسرا لفظ سلام ہے جو سلم سے مشتق ہے جس کا معنی آفات سے محفوظ ہونا، بچنا، چھٹکارا پانا اور کسی عیب سے پاک وصاف ہونا ہے ۔اسی سے لفظ اسلام مشتق ہے جس کا معنی تسلیم ورضا، امن وسلامتی چین وسلامتی، امان وحفاظت اور صلح وغیرہ ہے ۔

شریعت اسلامیہ میں سلام علی النبی ﷺ سے مراد یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے لیے سلامتی اور حفاظت کی دعا کی جائے اور عملی طور پر اس سے مراد یہ ہوتی ہے ۔'' **اللھم صل وسلم علی سیدنا و مولانا محمد... الخ**'' اس طرح حضور اکرم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا ہے ۔

مبحث دوم

صلوٰۃ وسلام قرآن وسنت کی روشنی میں

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ پر اہل ایمان کو صلوٰۃ و سلام کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

''اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا''(۹۸)

''بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی (ﷺ) پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی ان پر صلوٰۃ و سلام بھیجا کرو۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے پہلے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ علامہ ابن کثیر یہاں اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی صلوٰۃ کا مفہوم واضح ہوئے لکھتے ہیں:

''قال ابو العالية، صلاة الله: ثناء عليه عند الملائكة و صلوٰة الملائكة، الدعاء، وقال ابن عباس: يصلون، يبركون.'' (۹۹)

ابو العالیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے پاس حضور ﷺ کی تعریف فرماتا ہے اور ملائکہ کی صلوٰۃ سے مراد دعا ہے اور ابن عباس کہتے ہیں کہ یصلون سے مراد یہ ہے کہ وہ برکت کی دعا کرتے ہیں۔''

اس آیۃ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حضور اکرم ﷺ پر صلوۃ و سلام بھیجنے کا حکم دیا ہے۔ یہاں اس کا مفہوم ادا کرتے ہوئے امام طبری لکھتے ہیں:

''يقول تعالى ذكره: يا ايها الذين امنوا ادعوا لنبى الله محمد ﷺ (وسلموا تسليما) وحيوه تحية الاسلام.'' (۱۰۰)

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت محمد ﷺ کے لیے دعا مانگو اور اسلامی طریقہ سے ان پر سلام بھیجو۔''

قاضی عیاض مالکی اس آیت کی توضیح میں فرماتے ہیں:

''اعلم ان الصلوة على النبى ﷺ فرض على الجملة غير محدد بوقت لأمر الله تعالى بالصلوة عليه وحمل الائمة والعلماء له على الوجوب.''(۱۰۱)

''جان لیجئے کہ نبی کریم ﷺ پر درود و سلام پڑھنا فی نفسہ بغیر کسی وقت کی قید کے فرض ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر صلوٰۃ پڑھنے کا حکم دیا ہے ائمہ اور علماء نے اسے وجوب پر محمول کیا ہے۔''

نبی کریم ﷺ نے متعدد مقامات پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

صلوٰۃ وسلام احادیث مبارکہ کی روشنی میں:

چونکہ صلوٰۃ وسلام قرب الٰہی کی منزلوں کو قریب سے قریب تر کرتا ہے، درود پاک کی کثرت ہی دلوں کی انجمن میں محبت مصطفوی ﷺ کے چراغ روشن کرتی ہے۔درود وسلام کے نذرانے ہی گناہوں کے دھبوں کو صاف کر کے حریم دل کو پاکیزہ اور شفاف بنادیتے ہیں۔ایمان میں پختگی اور یقین کو جلا بخشتے ہیں انسان کے لیے رفع درجات تکفیر سیئات اور رحمت باری تعالیٰ کے حصول کے لیے اکسیر اعظم ہیں اور وہی علام الغیوب ہی بہتر جانتا ہے کہ اس نے صلوٰۃ وسلام کے جلو میں فیوض وبرکات کے کیا خزانے سمار کھے ہیں۔

یہی وجہ ہے۔رحمتہ للعالمین حضرت محمد ﷺ نے متعدد مواقع پر درود وسلام کی عظمت وفضیلت کو بیان فرمایا تا کہ امت مصطفیٰ ﷺ اس مقدس عبادت کو ورد صبح و شام بنا کر دونوں جہانوں کو کامیابیوں اور کامرانیوں سے اپنی خالی جھولیوں کو بھر سکے۔

احادیث مبارکہ کے وسیع ذخیرے میں سے چند احادیث مبارکہ ملاحظہ ہوں:

۱۔"عن ابی بردہ بن دینار رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ ما صلی علی عبد من امتی صلوۃ صادقًا من قلبہ الا صلی اللّٰہ علیہ بھا عشر صلاۃ ورفعہ بھا عشر درجات و محا عنہ بھا عشر سیات رواہ ابن عاصم فی الصلوۃ لہ والنسائی فی الیوم واللیۃ والسنن والبیھقی فی الدعوات والطبرانی ولیس عندہ لفظ صلوۃ ورجالہ ثقات۔" (۱۰۲)

''حضرت ابو بردہ بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں سے کوئی بھی مجھ پر صدق دل سے درود پاک نہیں پڑھتا مگر اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ درود بھیجتا ہے، اس کے دس درجات بلند فرماتا ہے، اس کے نامہ اعمال میں دس نیکیاں لکھتا ہے اور اس کے دس گناہ معاف فرماتا ہے۔''

۲۔"عن ابن مسعود رضی اللّٰہ عنہ قال، قال رسول اللّٰہ ﷺ اولی الناس بی یوم القیامۃ اکثرھم علی الصلوۃ، رواۃ الترمذی۔" (۱۰۳)

''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میرے سب سے زیادہ نزدیک وہ ہوگا جس نے مجھ پر سب سے زیادہ درود پاک پڑھا ہوگا۔''

۳۔حدثنا اسحق ابن ابراھیم حدثنا یحیی ابن ادم حدثنا یونس ابن ابی اسحق حدثنی یرید ابن ابی مریم عن انس انه سمعه یقول: قال رسول اللّٰه ﷺ من صلی علی صلوۃ واحدۃ صلی اللّٰه علیه عشر صلوات وحط عنه بھا عشر سیات ورفع بھا عشر درجات۔" (۱۰۴)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود وسلام پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ درود بھیجتا ہے۔اس کے دس گناہ معاف فرماتا ہے اور اس کے دس درجات بلند فرماتا ہے۔''

۴۔ عن ابی طلحۃ رضی اللّٰه ان رسول اللّٰه ﷺ جاء ذات یوم والبشر فی وجھه فقال انه جاء نیء جبریل فقال ان ربك یقول اما یرضیك یا محمد ان لا یصلی علیك احد من امتك الّا صلیت علیه عشراً ولا یسلم علیك احد من امتك الا سلمت علیه عشراً۔" (۱۰۵)

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن حضور ﷺ تشریف لائے اور آپ کے چہرہ انور سے مسرت ہویدا تھی۔فرمایا بے شک میرے پاس جبریل آئے اور کہا کہ بے شک آپ کا پروردگار فرماتا ہے،اے محمد (ﷺ) کیا آپ اس پر راضی نہیں کہ آپ کا جو امتی بھی آپ پر ایک مرتبہ درود پڑھے تو میں اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرماؤں اور آپ کا جو امتی آپ پر ایک مرتبہ سلام بھیجے میں اس پر دس مرتبہ سلام بھیجوں۔''

۵۔ "قال احمد فی مسنده حدثنا محمد ابن جعفر حدثنا شعبة عن عاصم بن عبید اللّٰه قال عامر ربیعة حدث عن ابیه قال سمعت رسول اللّٰه ﷺ یخطب ویقول من صلی علی صلوۃ لم تزل الملائکة تصلی علیه ما صلی علی فلیقل عبد من ذلک او لیکثر۔" (۱۰۶)

''حضرت عامر ابن ربیعہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی مکرم ﷺ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا حضور ﷺ فرمارہے تھے جو شخص بھی مجھ پر درود پاک پڑھتا ہے جب تک وہ مجھ پر درود پاک پڑھتا رہتا ہے،فرشتے اس کے لیے رحمتوں کی دعائیں کرتے رہتے ہیں۔پس آدمی کی مرضی ہے کہ وہ مجھ پر زیادہ درود پاک پڑھے یا کم۔

۶۔ "عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰه عنه رفعه من صلی علی عشراً صلی اللّٰه علیه مائة ومن صلی علی مائة صل اللّٰه علیه الفا ومن زاد صبابة وشوقا کنت له شفیعا وشھیدا یوم القیامة۔" (۱۰۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مجھ پر دس مرتبہ درود پاک پڑھے اللہ تعالیٰ اس پر سو مرتبہ درود بھیجتا ہے اور جو مجھ پر سو مرتبہ درود پاک پڑھے اللہ تعالیٰ پر ہزار مرتبہ درود بھیجتا ہے اور جو محبت اور شوق سے مجھ پر اس سے بھی زیادہ درود پاک پڑھے میں قیامت کے دن اس کے ایمان کی گواہی دوں گا اور اس کی شفاعت کروں گا۔

۷- "عن رويفع ابن ثابت الانصاری قال، قال رسول الله ﷺ من قال اللّٰهم صل علی محمد وانزله المقعد المقرب عندك يوم القيامة وجبت له شفاعتی." (۱۰۸)

''حضرت رویفع ابن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص مجھ پر اس طرح درود پاک پڑھے اللهم صل علی محمد الخ''اے اللہ! حضرت محمد ﷺ پر درود بھیج اور قیامت کے دن انہیں ایسا مقام عطا فرما جو تیرے نزدیک مقرب ہو۔''تو میری شفاعت اس کے لیے واجب ہوگئی۔

۸- عن عائشة قالت قال رسول اللّٰه عليه وسلم من سره ان يلقی اللّٰه راضيا فليكثر الصلوة علی. اخرجه الديلمی فی مسند الفردوس.''(۱۰۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص کے لیے یہ بات باعث مسرت ہو کہ جب بہ دربار الٰہی میں حاضر ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر راضی ہو اسے چاہئے کہ وہ مجھ پر کثرت سے درود پاک پڑھے۔''

۹- "روی ابن وهب ان النبی ﷺ قال من صلی علی عشرا فكانما اعتق رقبة وفی بعض الاثار ليردن علی اقوام ما عرفهم الا بكثرة صلواتهم وفی اخر ان انجاكم يوم القيامة من اهوالها ومواطنها اكثركم علی صلوٰة." (۱۱۰)

''ابن وھب سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس نے مجھ پر دس مرتبہ درود پاک پڑھا تو اسے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا اور ایک روایت میں ہے (قیامت کے دن) میرے پاس بعض لوگ ایسے بھی آئیں گے، جنہیں میں صرف درود و سلام کثرت سے پڑھنے کی وجہ سے پہچانوں گا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں قیامت کی ہولناکیوں سے سب سے زیادہ نجات پانے والا وہ ہوگا جو تم میں سے مجھ پر سب سے زیادہ درود و سلام پڑھتا ہے۔

۱۰- "روی ابن بشكوال من طريق ابی المطرف عبدالرحمن ابن عيسی قال: قال النبی صلی اللّٰه عليه وسلم: من صلی علی فی يوم خمسين مرة صافحته يوما القيامة." (۱۱۱)

''ابن بشکوال نے ابو المطرف عبدالرحمٰن ابن عیسیٰ کے طریق سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا جو مجھ پر روزانہ پچاس مرتبہ درود پاک پڑھے گا میں قیامت کے دن اس سے مصافحہ کروں گا۔''

۱۱– عن علی ابن ابی طالب رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ من صلی علی یوم الجمعۃ مائۃ مرۃ جاء یوم القیامۃ ومعہ نور لو قسم ذلک النور بین الخلائق کلھم لو سعھم۔'' (۱۱۲)

''حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس نے جمعہ کے دن مجھ پر سو مرتبہ درود بھیجا وہ روز قیامت آئے گا اور اس کے ساتھ نور ہو گا۔ اگر اس کی روشنی ساری مخلوق پر تقسیم کی جائے تو سب کو کافی ہو۔''

۱۲– عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ ان رسول اللّٰہ ﷺ قال للمصلی علی نور علی الصراط ومن کان علی الصراط من اھل النور لم یکن من اھل النار۔'' (۱۱۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ پر درود وسلام پڑھنے والے کے لیے پل صراط پر نور ہو گا اور جو پل صراط پر اہل نور سے ہوگا وہ دوزخیوں سے نہیں ہوگا۔''

۱۳– ''عن طفیل بن ابی کعب عن ابیہ قال کان رسول اللّٰہ ﷺ اذا ذھب ثلثا اللیل قام و قال ایھا الناس اذکروا اللّٰہ اذکروا اللّٰہ جاء ت الراجفۃ تتبعھا الرادفۃ جاء الموت بما فیہ جاء الموت بما فیہ قال ابی قلت یا رسول اللّٰہ انی اکثر الصلوٰۃ علیک فکم اجعل لک من صلوتی؟ قال ما شئت قلت الربع قال ما شئت وان زدت فھو خیر لک، قلت فالنصف قال ماشئت وان زدت فھو خیر لک قلت فالثلثین قال ماشئت وان زدت فھو خیر لک قلت اجعل لک صلوتی کلھا قال اذا تکفی ھمک ویغفر لک ذنبک۔'' (۱۱۴)

''حضرت طفیل اپنے والد ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رات کے دو حصے گزر جاتے تو حضور ﷺ اٹھ کھڑے ہوتے اور فرماتے اے لوگو! اللہ تعالیٰ کو یاد کرو، تھرا دینے والی آ گئی۔ اس کے پیچھے اور آنے والی ہے۔ موت اپنی تلخیوں کے ساتھ آ پہنچی میرے باپ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں بکثرت آپ پر درود پڑھتا ہوں۔ ارشاد فرمایئے کہ میں کس قدر پڑھا کروں تو

حضور ﷺ نے فرمایا جتنا تیرا جی چاہے میں نے عرض کیا کیا وقت کا چوتھا حصہ فرمایا جتنا تیرا جی چاہے اور اگر اس سے زیادہ پڑھے تو تیرے لیے بہتر ہے۔ عرض کیا نصف فرمایا جتنا چاہے اور اگر زیادہ پڑھے تو تیرے لیے بہتر ہے میں نے عرض کیا کہ میں (وظائف کا) سارا وقت حضور ﷺ پر درود شریف پڑھتا رہوں گا فرمایا تب یہ درود وسلام تیرے رنج والم کو دور کرنے کے لیے کافی ہے اور تیرے سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔''

۱۴ – "قال عليه السلام من صلى على في كتاب لم تزل الملائكة تستغفر له ما دام اسمي في ذالك الكتاب." (۱۱۵)

''حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ کوئی کسی کتاب پر درود پاک لکھتا ہے جب تک میرا اسم گرامی اس کتاب میں رہتا ہے فرشتے اس کے لیے مغفرت کی دعائیں کرتے رہتے ہیں۔''

۱۵ – "عن ابى درداء قال، قال رسول الله ﷺ من صلى علي حين يصبح عشرا وحين يمسي عشرا ادركته شفاعتي." (۱۱۶)

''حضرت ابو دردا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو مجھ پر صبح کے وقت دس مرتبہ درود پاک پڑھے اور شام کے وقت بھی دس مرتبہ درود پاک پڑھے (بروز حشر) اسے میری شفاعت نصیب ہوگی۔''

۱۶ – سمع عبد الله عمر يقول من صلى علي رسول الله ﷺ صلوة صلى الله عليه وملآئكته بها سبعين صلوة فليقل من ذلك أو ليكثر." (۱۱۷)

''حضرت عبداللہ ابن عمر و رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے ہوتے سنا گیا جو بھی رسول اللہ ﷺ پر ایک مرتبہ درود شریف پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس پر ستر مرتبہ درود پڑھتے ہیں پس چاہے کوئی کم درود پاک پڑھے یا زیادہ۔

۱۷ – "عن ابن وهب ان كعبا دخل على عائشة رضي الله عنها فذكروا رسول الله ﷺ فقال كعب ما من فجر يطلع الا نزل سبعون الفا من الملآئكة حتى يحفوا بالقبر يضربون باجنحتهم القبر ويصلون على النبي ﷺ حتى اذا امسوا عرجوا وهبط سبعون الفا حتى يحفوا بالقبر يضربون باجنحتهم فيصلون على النبي ﷺ سبعون الفا بالليل وسبعون الفا بالنهار حتى اذا انشقت عنه الارض خرج في سبعين الفا من الملآئكة يزقون." (۱۱۸)

ابن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس حاضر ہوئے وہاں حضور ﷺ کا ذکر خیر ہوا تو حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہر صبح ستر ہزار فرشتے (آسمان سے) اترتے ہیں وہ روضہ رسول اللہ ﷺ پر پھیل جاتے ہیں اپنے پروں سے مرقد رسول ﷺ پر جھاڑو دیتے ہیں اور حضور ﷺ پر درود پاک پڑھتے ہیں۔ یہاں تک کہ شام کے وقت وہ واپس چلے جاتے ہیں اور ستر ہزار مزید اترتے ہیں (وہ بھی) روضہ رسول ﷺ پر پھیل جاتے ہیں اپنے پروں سے جھاڑو دیتے ہیں اور حضور نبی مکرم ﷺ پر درود پڑھتے ہیں۔ ستر ہزار دن کو اور ستر ہزار رات کو۔ یہاں تک کہ (بوقت قیامت) زمین پھٹ جائے گی اور حضور ﷺ پر درود و سلام پیش کرنے والے ستر ہزار فرشتوں کے جھرمٹ میں مرقد منور سے نکلیں گے۔

۱۸- "عن علی رضی اللّٰہ تعالی عنہ قال قال رسول اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم البخیل من ذکرت عندہ فلم یصل علی رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح۔" (۱۱۹)

''حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بخیل وہ ہے جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود پاک نہ پڑھے۔''

مبحث سوم
فلسفۂ درود و سلام

درو دوسلام پڑھنے میں بے پناہ حکمتیں موجود ہیں۔ایک اجمالی جائزہ ملاحظہ ہو:

درود سلام......ردشرک کا اعلان:

درو دوسلام توحید خالص کا اعلان اور شرک کا ببانگ دہل رد کرتا ہے کیونکہ حضورﷺ کے ان گنت معجزات اور بے پناہ تصرفات کو دیکھ کر ممکن تھا کوئی کم فہم حضورﷺ کو خدا ہی سمجھ بیٹھتا یا مستغنی عن اللہ (اللہ کی ذات سے بھی بے نیاز) سمجھ بیٹھتا۔اللہ تعالٰی نے درو دوسلام کا حکم دے کر یہ بات سمجھا دی کہ خدا کی ذات وہی ہے کہ وجہ تخلیق کائناتﷺ بھی جس کی رحمتوں کے محتاج ہیں اور جو کسی کی رحمتوں کا محتاج ہو وہ خدا نہیں ہوتا۔خدا وہ ہے کہ تاجدار کونینﷺ بھی جس کی رحمتوں سے مستغنی نہیں ہیں۔

درود وسلام مقام مصطفیٰﷺ کی نزاکتوں کا بیان:

مقام مصطفیٰﷺ کی عظمتوں کے سمجھنے میں ذرا سے نقص کا تصور بھی غارت گر ایمان ہے۔درو دوسلام کا حکم دے کر اللہ تعالٰی نے انہیں عظمتوں اور رفعتوں کی جانب اشارہ کیا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے اہل ایمان کو اپنی ذات سے سب سے زیادہ محبت کرنے کا حکم دیا ہے۔

"وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ" (۱۴۰)

''اور ایمان والوں کو اللہ کے برابر کسی کی محبت نہیں۔''

بظاہر ایک محبت میں دوسرے کی جانب التفات آداب محبت کے منافی ہوتا ہے۔اللہ تعالٰی نے اپنی شدید ترین محبت کا حکم دینے کے باوجود حضورﷺ کی ذات گرامی پر درو دوسلام کا حکم دیا جس میں لازمی طور پر التفات حضورﷺ کی طرف ہوتا ہے۔

تو اللہ تعالٰی نے درو دوسلام کا حکم دے کر یہ نکتہ سمجھا دیا کہ حضورؐ کی ذات گرامی کی طرف التفات میری ذات اقدس سے اعراض نہیں بلکہ حضورﷺ کی ذات بابرکات کی جانب التفات میری جانب ہی التفات ہے اگر ادھر ملتفت نہ ہو گے تو میری بارگاہ تک رسائی ہی ناممکن ہے۔

تو درو دوسلام سے حضورﷺ کی محبت کو ذات الٰہی کی محبت اور سرکارﷺ کی جانب التفات کو ذات الٰہی کی جانب التفات کا نکتہ سمجھایا گیا ہے۔

''منقول ہے کہ ابوسعید خذری کو خواب میں حضور ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی تو عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! مجھ کو معذور رکھیے کہ خدا کی محبت مجھ کو آپ کی محبت میں مشغول نہیں ہونے دیتی۔ آپ نے فرمایا اے مبارک جو شخص حق تعالیٰ سے محبت کرتا ہے۔ وہ مجھی سے محبت کرتا ہے۔''(۱۲۱)

رحمت الٰہی کو حاصل کرنے کا ذریعہ:

اللہ کی رحمت انسان کی خطاؤں کو معاف فرما کے اسے جنت کا حقدار بنانا چاہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی غلطیوں کو بخشنے کے کئی طریقے انسان سکھائے ہیں۔ ان میں سے ایک ذریعہ عظیم الشان درود و سلام ہے۔ بندہ محبت سے درود و سلام پڑھتا ہے تو اس سے وہ حضور ﷺ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا رہا ہوتا بلکہ رحمت الٰہی اس بندے کو گھیر لیتی ہے۔ اندازہ لگائیے، اگر ایک مرتبہ درود پاک پڑھنے سے ایک دس گناہ معاف ہوں، دس درجے بلند ہوں دس نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھی جائیں اور اللہ تعالیٰ کی دس رحمتیں نازل ہوں۔ تو پھر اتنے عظیم البرکات عمل کا حکم رحمٰن و رحیم پروردگار آخر اپنے بندوں کو کیوں نہ دیتا۔

محبت مصطفیٰ ﷺ کے حصول کا سبب:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب ایمان نہ لاؤ اور تمہارا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک آپس میں محبت نہ کرو، اور کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتا دوں جس کے کرنے کے بعد تم آپس میں محبت کرنے لگو؟ آپس میں ایک دوسرے کو سلام کیا کرو۔ (۱۲۲)

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ سلام محبت کے فروغ کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ مشاہدہ ہے کہ جب کسی کو سلام کیا جائے تو سنگدل سے سنگدل آدمی کا دل بھی موم ہو جاتا ہے اور اس کے دل میں بھی سلام کرنے والے کی محبت کے سمندر موجزن ہو جاتے ہیں۔ تو تصور تو کیجئے کہ جب نبی رؤوف الرحیم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں محبت و عقیدت کے ساتھ درود و سلام کا نذرانہ پیش کیا جائے گا تو فیضان نبوت ﷺ کی برکھا کس زور سے برسے گی اور آقا مدنی کریم ﷺ کس محبت سے اپنے امتی پر نگاہ لطف و کرم فرماتے ہوں گے؟ اور درود و سلام ذکر مصطفیٰ ﷺ ہے اور کثرت ذکر بھی محبت کا سبب بن جاتی ہے، جبھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْ تَسْلِیْمًا"۔

شکر الٰہی بجالانے کا سبب:

درود و سلام اپنے ضمن میں بالواسطہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانے کا مفہوم بھی رکھتا ہے۔ کیونکہ حدیث پاک میں ہے:

''لایشکر اللہ مـــن لا یشکر الناس''

جو لوگوں کا شکر ادا نہ کرے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتا جب ایک آدمی درود پاک پڑھتا ہے تو

جہاں وہ حضور ﷺ کے ان گنت احسانات کا شکر ادا کر رہا ہوتا ہے۔ وہاں وہ اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کا فریضہ بھی سرانجام دے رہا ہوتا ہے۔

درود وسلام محبت مصطفیٰ ﷺ کا تقاضا:

حضور شفیع المذنبین ﷺ کو اپنی امت سے جس قدر شدید محبت ہے۔ اس کا تصور کرنا بھی ناممکن ہے۔ زندگی بھر امت کی بخشش کے لیے دعائیں فرماتے رہے۔ امت کے گناہوں کو یاد کر کے نبی مکرم کی چشمہائے مقدس اشکبار رہیں۔ غاروں کی خلوتوں میں امت کی مغفرت کا ہی سوال کرتے رہے۔ شب معراج مقام قاب قوسین وادنیٰ کی رفعتوں کی زینت بخش کر بھی امت کی بخشش کی ہی دعا فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ میدان محشر میں جب خودغرضی اور نفسانفسی اپنے لفظ عروج کو پہنچ چکی ہوگی وہاں بھی غمگسار بیکساں کو اپنی امت کی فکر اور منظر کچھ یوں ہوگا۔

کہیں وہ گرتوں کو تھام لیں گے کہیں پیاسوں کو جام دیں گے
صراط ومیزان وحوض کوثر یہیں وہ عالی مقام ہوگا

وہ کریم آقا ﷺ جو اپنے امتیوں سے اس بلا کی محبت فرماتے ہیں۔ سرکار دوعالم ﷺ کی بے پناہ محبت اور ذرہ نوازیوں کا بدلہ دینا ناممکن تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی دستگیری فرماتے ہوئے درود وسلام کا حکم دیا کہ تم بارگاہ خواجہ کونین ﷺ میں صلوٰۃ وسلام کے نذرانے پیش کر کے اپنی محبتوں اور عقیدتوں کے ارمغان پیش کرو تا کہ تمہارا نام بھی محبوب کریم ﷺ کے وفاشعاروں میں شامل ہو جائے۔ مولانا الشاہ احمد خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

جو نہ بھولا ہم غریبوں کو رضا — یاد اس کی اپنی عادت کیجئے

درود وسلام تحفظ ذات کا ذریعہ:

جو بھی کوئی حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں درود وسلام کا نذرانہ پیش کرتا ہے تو حضور اکرم ﷺ نہایت ہی کرم فرماتے ہوئے اس کا جواب مرحمت فرماتے ہیں۔ اس حقیقت کو متعدد احادیث مبارکہ میں بیان فرمایا گیا ہے۔ تو جب امتی بارگاہ بیکس پناہ ﷺ میں صلوٰۃ وسلام کے گجرے پیش کرے گا اور اللہ تعالیٰ سے حضور ﷺ کے لیے رحمتوں اور سلامتیوں کے نزول کی استدعا کرے گا تو جواب میں خود نبی کریم ﷺ بھی فرماتے ہوئے امتی کے لیے رحمت اور سلامتی کی دعا فرمائیں گے، تو اس وقت امتی کا مقدر کس اوج پر ہوگا؟ جب محبوب خدا ﷺ اسے دعاؤں سے نواز رہے ہوں گے۔ اسی لیے میرا عقیدہ ہے کہ اگر ایقان اور عقیدت سے بحضور خواجہ کونین ﷺ درود وسلام کے تحفے پیش کیے جائیں تو ہر مشکل ٹل جاتی ہے،

مصائب و آلام کی گھنگھور گھٹائیں چھٹ جاتی ہیں، دکھوں اور مصیبتوں کی ظلمتیں کافور ہو جاتی ہیں۔ اس لیے درود وسلام تحفظ ذات کا امین ہے۔

درود وسلام باعث تقویت روح:

درود وسلام کا حکم دینے میں ایک حکمت روح کی تقویت بھی مضمر ہے کہ وظیفہ سے انسان اپنی روح کو مضبوط سے مضبوط تر کرتا چلا جائے تاکہ بارگاہ صمدیت سے اس کا تعلق بڑھتا ہی چلا جائے۔

کیونکہ انسان کی روح کمزور ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق قائم کر سکتی اور انوار ربانی کو جذب بھی نہیں کر سکتی۔ لیکن جو درود وسلام کے ذریعہ اس کا تعلق برزخ کبریٰ ﷺ کے روح پرفتوح سے قائم ہو جاتا ہے پھر روح محمد ﷺ پر برسنے والے انوار منعکس ہو کر اس کی روح پر پڑتے ہیں اور درود وسلام پڑھنے والے کی روح بھی انوار الٰہیہ کی امین بن جاتی ہے۔

انہیں حکمتوں کے سبب اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو درود وسلام پڑھنے کا حکم دیا۔

مبحث چہارم

صلوٰۃ وسلام اور فقہاء کی آراء

درود وسلام کی فضیلت اور اہمیت پر تو سب فقہاء اور علماء متفق ہیں البتہ عملی طور پر اس کی ادائیگی میں کچھ اختلافات ہیں جن کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

''کہا گیا ہے کہ کلمہ توحید کی طرح زندگی میں ایک مرتبہ درود وسلام پڑھنا واجب ہے کیونکہ مطلق امر تکرار کا تقاضا نہیں کرتا درود وسلام پڑھنا واجب ہے اور یہ واجب زندگی میں ایک مرتبہ درود وسلام پڑھنے سے ادا ہو جاتا ہے اور یہ جمہور امت کا موقف ہے اور یہی موقف امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ہر نماز میں پڑھنا واجب ہے اور صرف حنابلہ دعائے افتتاح میں بھی اسے پڑھنے کا کہتے ہیں۔''

ایک قول یہ ہے کہ درود وسلام کثرت کے ساتھ بغیر کسی حد بندی کے پڑھنا واجب ہے اور یہ قاضی ابوبکر بن بکیر کا موقف ہے کہ جب بھی حضور اکرم ﷺ کا ذکر کیا جائے آپ پر درود وسلام پڑھنا واجب ہے اور احناف میں سے بھی کئی لوگوں کا موقف ہے جن میں امام طحاوی بھی شامل ہیں اور یہی موقف شوافع میں سے بھی کثیر احباب کا ہے۔ جن میں امام حلیمی، استاذ ابواسحق الاسفرائینی اور شیخ ابوحامد الأسفرائینی کا ہے اور مالکیہ میں سے بھی کثیر اصحاب کا یہی موقف ہے جن میں طوشی، ابن العربی اور فاکھانی شامل ہیں اور حنابلہ میں سے بھی بعض کا یہی موقف ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ موقف اصول میں ایک ضعیف دلیل پر قائم ہے کہ امر مطلق تکرار کا فائدہ دیتا ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ موقف دیگر دلائل پر مبنی ہے جیسے درود پاک سن کر درود وسلام نہ پڑھنے والے کی ناک خاک آلود ہونے، اس کے بدبخت ہونے رحمت سے دور ہونے، اس کے بخیل اور بے وفا ہونے کی وعید ہے اکثر احباب کے نزدیک یہ شواہد آپ کا ذکر سن کر ہر مرتبہ درود پاک پڑھنے کے واجب ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔''(۱۲۳)

درود وسلام کے متعلق فقہاء کی آراء پر قاضی عیاض مالکی نے بہت تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے:

ابوعبداللہ محمد سعید کہتے ہیں کہ امام ملکؒ اور ان کے رفقاء کا موقف یہ ہے کہ ایمان کے بعد ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ پر درود وسلام پڑھنا فرض ہے اور اس میں نماز کی تخصیص نہیں اگر کسی نے تمام عمر میں ایک مرتبہ بھی درود پاک پڑھ لیا تو اس سے فرض ساقط ہو گیا۔

امام شافعیؒ کے پیروکاروں کا موقف یہ ہے کہ جس درود کے پڑھنے کا حکم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے دیا ہے۔ وہ صرف نماز میں فرض ہے اور اس کے علاوہ واجب نہیں ہے۔

امام ابوجعفر طبری، امام طحاوی اور ان کے علاوہ امت کے متقدمین و متاخرین علماء نے اس پر اجماع کیا ہے کہ تشہد میں درود پاک پڑھنا واجب نہیں ہے۔ لیکن امام شافعیؒ کا کہنا یہ ہے کہ تشہد میں اسلام سے پہلے اگر درود پاک نہیں پڑھا تو نماز نہیں ہوگی اگرچہ اس سے پہلے اس نمازی نے درود پاک پڑھ ہی کیوں نہ لیا ہو لیکن امام شافعی کے اس قول کے تائید نہ تو سلف کے اقوال سے ملتی ہے اور نہ ہی خلف کے اقوال سے۔ علاوہ ازیں علماء کی ایک جماعت نے اس بارے میں ان کا سخت تعاقب کیا ہے۔ ان میں امام طبری اور قشیری شامل ہیں۔

حضرت ابوبکر بن منذر فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ کوئی شخص ایسی نماز نہ پڑھے جس کے قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد درود نہ ہو۔ اگر کسی نے اسے ترک کر دیا تو امام مالک، سفیان ثوری اور دیگر علمائے مدینہ کی تحقیق کے مطابق اس کی نماز جائز ہوگی۔ دیگر متعدد اہل علم نے بھی اس کی تائید کی ہے لیکن امام مالک اور سفیان ثوری نے کہا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ نماز کے قعدہ اخیر میں تشہد کے بعد درود پاک پڑھا جائے اور اس کا قصداً ترک کرنے والا ملامت کا مستحق ہے۔

امام شافعیؒ نے اس مسئلہ میں اپنی تحقیق کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ قصداً قعدہ اخیرہ میں درود نہ پڑھنے سے نماز واجب الاعادہ ہوگی۔ ابن قصار اور عبدالوہاب فرماتے ہیں کہ محمد بن مواز نماز میں درود شریف پڑھنے کی فرضیت کے قائل تھے اور یہی مسلک امام شافعی کا بھی ہے۔ (۱۲۳)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ پوری عمر میں صرف ایک بار نبی کریم ﷺ پر درود پاک پڑھنا فرض ہے اگرچہ اہل ایمان کو حضور اکرم ﷺ پر درود و سلام پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن امر کسی کام کو بار بار کرنے کا تقاضا نہیں کرتا۔

امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ تشہد اخیر میں نبی کریم ﷺ پر درود پاک پڑھنا واجب ہے۔ امام احمد کے دو قول ہیں ایک قول امام ابوحنیفہ کی مثل اور دوسرا امام شافعی کی مثل ہے۔ امام طحاوی کا مسلک یہ ہے کہ جب بھی نبی کریم ﷺ کا ذکر کیا جائے آپ پر درود پاک پڑھنا واجب ہے اور اکثر کا قول یہ ہے کہ ایک مجلس میں اگر آپ کا ذکر متعدد بار کیا جائے تو ایک مرتبہ درود پڑھنا واجب اور ہر بار پڑھنا مستحب ہے۔

فصل چہارم
تحفظِ ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

مبحث اوّل
تحفّظِ ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم
کا مفہوم

نبی کریم ﷺ کے عملی حقوق میں سے ایک اہم حق آپ کی عزت وناموس کا تحفظ ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ انسان آپ کی ذات اقدس پر کیے گئے ہر حملے کے سامنے سینہ تان کے کھڑے ہو جائے۔دراصل یہ ایمان کا لازمی ثمرہ ہے کیونکہ انسان ہر اس ذات کی ذات پر کوئی بھی اعتراض برداشت نہیں کرسکتا جس کا احترام اس کے دل میں باقی ہو اور جب تک نبی کریم ﷺ کا احترام اور آپ کی محبت ہر چیز سے بڑھ کر نہ ہو اس وقت تک انسان ایمان کی حلاوتوں سے محروم رہتا ہے۔

تحفظ ناموس رسالت سے مراد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی پر بالواسطہ یا بلاواسطہ جیسے بھی کوئی حملہ کیا جائے انسان آپ کے تحفظ اور دفاع کیلئے سر دھڑ کی بازی لگا دے۔اگر آپ کے لائے ہوئے دین پر طعن کرے تو علمی اور عملی طور پر اس کا جواب دے اور اگر کوئی آپ کی ذات اقدس پر طعن وتشنیع کرے تو اسے اس کے منطقی انجام تک پہنچانے میں ذرا برابر سستی اور کاہلی کا مظاہرہ نہ کرے چونکہ اسلامی تعلیمات کے مطابق نبی کریم ﷺ یا حضرت انبیاء علیہم السلام میں سے کسی کی بھی توہین کرنے کی سزا قتل ہے۔اس لیے شتم وتوہین کے مرتکب شخص کو تختہ دار پہ لٹکانے تک وہ آرام سے نہ بیٹھے۔

تاریخ شاہد ہے کہ اہل اسلام کو نبی کریم ﷺ سے اس قدر والہانہ محبت اور عقیدت ہے کہ کسی بھی حال میں نبی کریم ﷺ کی ذراسی بھی توہین وتنقیص برداشت نہیں کرتے۔وہ زندگی میں بہت سے معاملات پر سمجھوتہ کر سکتے ہیں لیکن تحفظ ناموس رسالت پہ کسی قسم کا سمجھوتہ وہ اپنے ایمان کی موت سمجھتے ہیں۔توہین رسالت کے مرتکب افراد کی سزا اسلام میں صرف اور صرف قتل ہے اور یہ سزا کسی جذباتی سوچ کا نتیجہ نہیں بلکہ ایمان اور اسلام کو شعوری طور پر سمجھنے کا نتیجہ ہے کیونکہ پورے کا پورا دین سمٹ کر ذات مصطفوی ﷺ میں مرتکز ہو جاتا ہے۔اسلام میں ہر چیز کا آخری اور حتمی حوالہ حضور ﷺ کی ذات گرامی ہی ہے۔ذات باری تعالیٰ، وجود ملائکہ اور حقانیت آخرت سب پر ایمان حضور رسید عالم ﷺ کی ذات اقدس پر ہی منحصر ہے۔

امام المرسلین ﷺ کی ذات ہمایوں کا تمام دین کا منبع، مرکز اور محور ہونا اس حقیقت کو واشگاف الفاظ میں بیان کر رہا ہے کہ حضور ﷺ کی ذات اقدس کی توہین وتنقیص صرف فرد واحد کی توہین نہیں بلکہ یہ ذات باری تعالیٰ کے نمائندوں اور سفیر ہیں اور اس ذات احد کے سب سے پیارے محبوب بھی سرکار ﷺ کی توہین تمام اہل ایمان کی بھی توہین ہے کیونکہ حضور ﷺ کی عزت وآبرو انہیں اپنی جانوں اور اپنی عزت وآبرو سے کہیں بڑھ کر محبوب ہے اور یہی ایمان کی نشانی ہے۔

اگر حضور سید عالم ﷺ کی ذات اقدس کی توہین وتنقیص کی جائے تو بلا واسطہ یہ اللہ تعالیٰ، ملائکہ، دین اسلام اور جمیع مومنین کی توہین تصور ہوگی۔

یہی وجہ ہے کہ اس جرم کی سزا بڑی سخت اور کڑی رکھی گئی ہے قرآن وسنت اور اجماع امت کی روشنی میں یہ متفق علیہ فیصلہ ہے کہ حضور ﷺ کی شان اقدس میں ادنیٰ سی گستاخی کرنے والا بھی واجب القتل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر نبی اور رسول علیہ السلام ہی اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کا نمائندہ اور سفیر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا محبوب بھی۔ اس لیے اسلامی نقطہ نظر کے مطابق ہر نبی و رسول علیہ السلام کی توہین وتنقیص کرنے والا واجب القتل ہے۔

صرف اسلام ہی نہیں بلکہ دنیا کا ہر مذہب اپنے مقتدا ور ربانی مذہب کی گستاخی کی سزا قتل ہی تجویز کرتا ہے۔ پوری اسلامی تاریخ میں جہاں بھی اسلامی حکومت قائم ہوئی وہاں اس جرم کی یہی سزا تھی۔ کیونکہ قرآن وسنت اور اجماع امت کا یہی فیصلہ ہے کہ توہین رسالت کا مرتکب بطور حد واجب القتل ہوگا اور توبہ کر لینے سے بھی اس کی سزا معاف نہیں ہوگی کیونکہ حدود توبہ سے معاف نہیں ہوتیں۔

توہین رسالت کی سزا کسی جذباتی بنیاد پر نہیں رکھی گئی بلکہ یہ اسلامی تہذیب وتمدن اور عقائد اسلامیہ کی نشر و اشاعت کی منطقی پکار ہے۔ ہر مسلمان کائنات کے دیگر معاملات میں مصالحانہ رویہ اختیار کر سکتا ہے۔ لیکن ناموس رسالت کے منافی کسی ادنیٰ حرکت کو برداشت کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا یہی وجہ ہے ہماری تاریخ ایسی سنہری مثالوں سے روشن ومنور ہے کہ یہاں قانون اور آئین تحفظ ناموس رسالت ﷺ میں ناکام ہو گئے وہاں غلامان مصطفیٰ **علیہ التحیة و الثناء** نے ایسے لادین قانون کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے خود اس گستاخ رسول ﷺ کو واصل جہنم کیا اور پھر ہنستے مسکراتے پھانسی کے پھندے کو چوم کر ایک نئی تاریخ رقم کر گئے غازی علم الدین شہید، غازی عبدالقیوم شہید، غازی محمد صدیق شہید، غازی مرید حسین شہید اور دیگر شہدائے ناموس رسالت کی داستانیں ہمیشہ مشعل راہ بن کے جگمگاتی رہیں گی اور اہل ایمان کے دلوں میں عشق رسول ﷺ کی چنگاری کو تیز تر کرتی رہیں گے اور امت مسلمہ کے سر ان باوفاؤں کی وجہ سے ہمیشہ بلند رہیں گے۔

مبحث دوم

توہین رسالت ﷺ کی سزا

قرآن وسنت کی روشنی میں

گستاخ رسول ﷺ واجب القتل ہے:

قرآن حکیم نے توہین رسالت کے مرتکب افراد کی یہ سزا بھی بیان فرمائی کہ وہ ہر حال میں واجب القتل ہوں گے۔توہین رسالت کے مرتکب افراد کے واجب القتل ہونے پر قرآن مجید سے چند آیات طیبات ملاحظہ ہوں:

پہلی آیہ طیبہ:

" اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًاo وَ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ بِغَیْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا......مَّلْعُوْنِیْنَ اَیْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِیْلًاo" (۱۲۵)

''جولوگ اللہ اوراس کے رسول کوایذاء دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی لعنت ہے اوران کے لیے نہایت رسوا کن مذاہب ہے۔جولوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کوایذا دیں بغیر کسی جرم کے جوانہوں نے کیا وہ بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھانے والے ہیں۔ان پر پھٹکار برسائی گئی۔جہاں بھی مل جائیں پکڑے جائیں اور خوب ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔''

ان آیات طیبات سے حضور سید عالم ﷺ کوایذا دینے والے کے قتل پر متعدد وجوہ سے استدلال ہوسکتا ہے۔

چند وجوہ ملاحظہ ہوں۔

۱- پہلی وجہ علامہ ابن تیمیہ کے الفاظ میں سنئے:

"انہ قرن اذاہ باذاہ کما قرن طاعتہ بطاعتہ ومن اذاہ فقدا ذی اللّٰہ وقد جاء ذ لک منصوص عنہ ومن آذی فھو کافر حلال الدم." (۱۲۶)

''ان آیات میں اللہ تعالی نے حضو ﷺ کی اذیت کو اپنی اذیت قرار دیا جس طرح اس نے حضو ﷺ کی اطاعت کہا ہے اور یہ چیز نص سے ثابت ہے کہ جو اللہ تعالی کی اذیت کا مرتکب ہو وہ کافر اور مباح الدم ہوتا ہے''۔

علامہ خفاجی کا استدلال ملاحظہ ہو:

"قرانہ تعالی اذاہ باذاہ ولا خلاف فی قتل من سب اللّٰہ و انما اللعن یستوجبہ من ھو کافر و حکم الکافر القتل لانہ غیر معصوم الدم...... ومن کفر بسببہ اشد من الکافر الاصلی." (۱۲۷)

''ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی اذیت کو اپنی اذیت کہا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کو گالی دے اس کو قتل کرنے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں اور دنیا اور آخرت میں لعنت اس کے کفر کو مستلزم ہے اور کافر کا حکم قتل ہی ہے کیونکہ اس کا خون محفوظ نہیں ہوتا اور جو حضور ﷺ کی توہین کے سبب کافر ہو وہ اصلی کافر سے بھی بڑا کافر ہے۔''

۲۔ ان آیات میں حضور ﷺ کی اذیت اور مومنین کو اذیت پہنچانے کی سزا مختلف بتائی گئی ہے مومنین کو اذیت پہنچانے والے کے متعلق فرمایا۔'' فقد احتملوا بهتانا و اثما مبينا "(انہوں نے بہتان اور کھلا گناہ اپنے سر لے لیا) اور حضور ﷺ کو اذیت پہنچانے والے کے متعلق فرمایا۔'' لعنهم الله في الدنيا والاخرة واعد لهم عذابا مهينا "(ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے)۔

اس فرق سے واضح ہوا کہ مومنین کو اذیت پہنچانا گناہ کبیرہ ہے جس کی سزا کوڑے ہے تو حضور ﷺ کو اذیت رسائی کی سزا کوڑوں سے بڑھ کر ہی ہونی چاہیے جو قتل ہی ہوسکتی ہے کیونکہ ''ملعون في الدنيا والا خرة محفوظ الدم'' نہیں ہوتا۔ قاضی عیاض اندلسی فرماتے ہیں:

"فرق بين اذاهما و اذى المؤمنين وفي اذى المومنين مادون القتل من الغرب والنكال فكان حكم موذى الله و نبيه اشد من ذلك وهو القتل۔"[۱۲۸]

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اذیت اور مومنوں کی اذیت میں فرق کیا گیا۔ مومنوں کو اذیت پہنچانے کی سزا قتل سے کم ہے جیسے درے مارنا اور جلاوطن کرنا وغیرہ۔ پس اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی ﷺ کو اذیت دینے کی سزا اشد یدہونی چاہیے جو قتل ہی ہے''۔

علامہ خفاجی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

"(وهو قتل) راجع لحكم الاشد و حاصله الاستدلال على ان من سب النبي ﷺ يقتل۔"[۱۲۹]

''اس سے کوئی زیادہ شدید سزا ہی مراد ہوسکتی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو بھی نبی ﷺ کی توہین کرے گا اسے قتل کر دیا جائے گا۔''

الوجہ الثالث:

اس مفہوم کی موید یہ حدیث پاک ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"مــــن لكعب بن الاشرف فانه قـــــد اذى الله ورسوله." (۱۳۰)

''کعب بن اشرف کی خبر کون لے گا اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دی ہے''۔

حالانکہ وہ معاہد تھا لیکن حضور ﷺ کو اذیت دینے سے اس کا عہد ٹوٹ گیا اور حضور ﷺ نے یہ فرمایا تو صحابہ کرامؓ نے جا کر اسے قتل کر دیا اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کو اذیت پہنچانے کی سزا قتل ہی ہے۔

علامہ خفاجی اس حدیث پاک کی شرح میں لکھتے ہیں:

"فدلت هذه القصة على ان من سب النبي ﷺ واذاه من الكفار يقتل." (۱۳۱)

''یہ واقعہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کفار میں سے جب بھی حضور ﷺ کی توہین کرے یا آپ کو اذیت دے اسے قتل کر دیا جائے گا۔''

۴۔ اس سلسلہ کلام میں پھر واضح طور پر حضور ﷺ کو اذیت پہنچانے والے کی سزا بیان فرمائی:

" ملعونين اينما ثقفوا اخـــــذوا و قتلوا تقتـــــيلا."

''پھٹکارے ہوئے جہاں کہیں بھی ملیں پکڑے جائیں اور گن گن کر قتل کیے جائیں۔''

علامہ آلوسی اس آیہ طیبہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"وفي البحر الظاهر ان المنافقين يعني جميع من ذكر في الآية انتهوا عما كانوا يؤذون به الـرسـول ﷺ والـمـومـنـين وتستتـر جـمـيـعـهم كفوا خوفا ان يقع بهم ماوقع القسم هو الاغراء والجلاء والقتل." (۱۳۲)

''اور البحر المحیط میں ہے یعنی وہ تمام لوگ جن کا ذکر اس آیہ کریمہ میں آیا ہے وہ حضور ﷺ اور مومنین کی ایذاء رسانی سے باز آ گئے وہ سب لوگ چھپ گئے اس سے خوف کھاتے ہوئے کہ کہیں وہ چیز واقع نہ ہو جائے جس کا اللہ تعالیٰ نے تاکیداً ذکر کیا یعنی حضور ﷺ کو ان پر غلبہ دینا ان کو جلاوطن کرنا اور قتل کیا جانا۔''

امام رازی اسی مقام پر فرماتے ہیں:

"مـلـعـومـنـين مطرو دين مـــن باب الله وبا بك اذا خـــــرجوا لاينفكون عن المذلة ولا يجدون ملجابل اينما يكونون يطلبون ويوخذون ويقتلون." (۱۳۳)

''لعنت کیے گیے اور دھتکارے ہوئے اللہ کے در سے اور آپ کے در سے اور جب نکل پائیں گے تو ذلت سے نہ بچ سکیں گے اور نہیں پائیں گے کوئی ٹھکانہ۔ جہاں بھی ہوں گے طلب کیے جائیں، اور پکڑے جائیں اور قتل کیے جائیں۔''

علامہ شامی انہیں آیات کے تحت لکھتے ہیں:

"هــذه الآيات تدل على كفــره و قتله." (۱۳۴)

یہ آیات شاتم رسول کے کفر اور قتل پر دلالت کرتی ہیں۔

اور علامہ خفاجی اس آیہ طیبہ کے متعلق لکھتے ہیں:

"والاية تـدل على ان معنى لعنة الدنيا هي القتل فتدل على قتل من اذاه لان الله تعالى لعنه في الدنيا والاخرة." (۱۳۵)

یہ آیت اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ (اللہ و رسول کو اذیت دینے والے پر) دنیا میں لعنت سے مراد قتل ہے اور اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ جو حضور ﷺ کو اذیت دے اسے قتل کر دیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرمائی ہے''۔

مذکورہ گفتگو سے بالکل واضح ہو رہا ہے کہ حضور ﷺ کو اذیت پہنچانے والا واجب القتل ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ منافقین جب تک صرف منافقین تھے ان کے قتل کرنے کا حکم نہیں آیا تھا لیکن جب ان کا نفاق ذات رسالت ﷺ کی توہین و تنقیص تک پہنچا تو حکم آیا:

" اينما ثقفوا اخــــذوا وقتلوا اتقــيتلا."

''جہاں بھی ملیں پکڑے جائیں اور گن گن کے قتل کیے جائیں۔

دوسری آیہ طیبہ:

" يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ"(۱۳۶)

''اے ایمان والو ''راعنا'' نہ کہو بلکہ ''انظرنا'' کہا کرو اور غور سے سنا کرو اور یہ کافر تو دردناک عذاب کے مستحق ہیں''۔

یہ آیہ طیبہ پہلے بھی گزری ہے۔ یہ اس وقت نازل ہوئی جب بعض یہودیوں نے ''راعنا'' کا مشترک اور ذو معنی لفظ بول کر گستاخی کی نیت سے حضور ﷺ کے بارگاہ ناز میں بولنا شروع کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ ذومعنی لفظ کا استعمال ہی حرام فرما

دیا۔اس کی جگہ انظرنا کا لفظ استعمال کرنے کا حکم دیا جس میں گستاخی کا شائبہ تک بھی موجود نہ تھا۔

اس آیہ کریمہ سے شاتم رسول ﷺ کے واجب القتل ہونے پر دلیل حضرت ابن عباس کا یہ قول ہے کہ آیہ کریمہ کے نزول کے بعد مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہوگیا تھا کہ اگر کوئی شخص ایسا لفظ استعمال کرے جس میں توہین رسالت کا احتمال ہو تو وہ واجب القتل ہے۔

علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

"اخرج ابو نعیم فی الدلائل عنه انه قال المومنون بعد هذه الایة من سمعتها یقولها فاضربوه عنقه." (۱۳۷)

"حافظ ابونعیم نے دلائل النبوہ میں ذکر کیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد اہل ایمان کا یہ عقیدہ ہو گیا تھا کہ جسے بھی حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں توہین آمیز کلمہ بولتے ہوئے سنو اس کو قتل کر دو"۔

اس قول کی تائید حضرت سعدؓ بن معاذ کے اس فرمان سے ہوئی ہے:

"روی ان سعد ابن معاذ سمع الیهود یقولو نها لرسول ﷺ فقال یا اعداء الله علیکم لعنة الله لئن سمعتها من رجل یقولها الرسول ﷺ لاضربن عنقه." (۱۳۸)

"اور مروی ہے کہ حضرت سعدؓ بن معاذ نے یہود کو جب یہ لفظ (راعنا) حضور ﷺ کو کہتے ہوئے سنا تو فرمایا۔ اے اللہ کے دشمنو! تم پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اگر میں نے دوبارہ تمہیں حضور ﷺ کو یہ لفظ کہتے ہوئے سنا تو میں تمہاری گردن اڑا دوں گا"۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سعد بن معاذ کا عقیدہ تھا کہ جو بھی حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں کسی نازیبا کلمہ کا استعمال کرے اس کی گردن اڑا دینی چاہیے۔

تیسری آیہ طیبہ:

"اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَ هَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَ هُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ" (۱۳۹)

"کیا تم ان لوگوں سے نہ لڑو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑیں اور رسول کے نکالنے کا قصد کیا حالانکہ پہل انہیں نے کی ہے۔کیا تم ان سے ڈرتے ہو اور اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔"

وجہ استدلال یہ ہے کہ جن لوگوں نے اخراج رسول ﷺ (رسول ﷺ کو نکالنے) کا قصد کیا ان سے جنگ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور جن سے مقابلہ کرنے کا حکم دیا جائے قدرت پانے پر انہیں قتل کرنا واجب ہوتا ہے۔مفہوم یہ بنتا

ہے کہ جن لوگوں نے اخراج رسول ﷺ کا قصد کیا انہیں قتل کرو اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ حضور ﷺ کو سب وشتم کرنا اخراج رسول ﷺ کے قصد سے کہیں بڑا جرم ہے۔

کیا تاریخ کے اوراق اس پر شاہد نہیں جن لوگوں کی وجہ سے حضور ﷺ نے ہجرت فرمائی تھی انہیں تو اقرار جرم پر معاف کر دیا گیا اور انہیں **لا تثریب علیکم الیوم** کا مژدہ جانفزا سنایا گیا۔لیکن جن دریدہ دہن لوگوں نے حضور ﷺ کی شان اقدس میں گستاخیاں کیں جیسے ابن خطل اور حضور ﷺ کی مذمت میں اشعار کہیں جیسے ابن خطل اور حضور ﷺ کی مذمت میں اشعار گانے والی لونڈیاں انہیں چن چن کر قتل کیا گیا۔

اس سے واضح ہوا کہ توہین رسالت کے مرتکب کی سزا قرآن مجید کی روشنی میں قتل ہے۔

توہین رسالت کی سزا احادیث مبارکہ کی روشنی میں:

چند احادیث مبارکہ ملاحظہ ہوں:

پہلی حدیث مبارکہ:

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

"عن عکرمة عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما ان اعمی کانت له ام ولد تشتم النبی ﷺ و تقع فیها فینهاها فلا تنتهی و یزجرها فلا تنزجر فلما کان ذات لیلة جعلت تقع فی النبی ﷺ و تشتمه فاخذ المغول فوضعه فی بطنها و اتکأ علیها فقتلها فلما اصبح ذکر ذالك للنبی ﷺ فجمع الناس فقال انشد رجلا فعل ما فعل لی علیه حق الاقام فقام الاعمی یتخطی الناس و هو یتدلدل حتی قعد بین یدی النبی ﷺ فقال یا رسول اللّٰہ انا صاحبها کانت تشتمك و تقع فیك فانهاها فلا تنتهی و ازجرها فلا تنزجر ولی منها ابنان مثل اللؤلؤ و کانت بی رفیقة فلما کان البارحة جعلت تشتمك وتقع فیك فاخذت المغول فوضعته فی بطنها واتکات علیها حتی قتلتها فقال النبی ﷺ اشهدان دمها هدر." (۱۳۰)

حضرت عکرمہؓ حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ ایک نابینا صحابی کی ایک ام ولد تھی جو رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی اور آپ کی عیب جوئی کیا کرتی تھی۔وہ صحابی اسے روکتے مگر وہ باز نہ آتی وہ اسے ڈانٹتے مگر وہ نہ رکتی۔ایک رات اس نے حضور ﷺ کو گالیاں دینا شروع کیں تو اس نابینا صحابی نے ایک بھالا لے کر اس کے پیٹ میں پیوست کر دیا اور اسے قتل کر دیا صبح کو اس کا تذکرہ رسول کریم ﷺ سے کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا:"میں اس آدمی کو

قسم دیتا ہوں کہ جس نے جو کچھ کیا میرا اس پر حق ہے کہ وہ کھڑا ہو جائے'' یہ سن کر وہ نابینا صحابی کھڑے ہو گئے وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آپ کے پاس آیا اور بیٹھ گیا وہ کانپ رہا تھا۔اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اسے میں نے قتل کیا ہے۔وہ آپ کو گالیاں دیا کرتی تھی میں اسے روکتا مگر وہ باز نہ آتی تھی میں اسے ڈانٹ ڈپٹ کرتا مگر وہ پرواہ نہ کرتی اس کے بطن سے میرے دو ہیروں جیسے بیٹے ہیں۔وہ میری رفیقہ حیات تھی گزشتہ شب جب وہ آپ کو گالیاں دینے لگی تو میں نے بھالا لے کر اس کے پیٹ میں گاڑ دیا اور اسے زور سے دبایا۔یہاں تک کہ میں نے اسے قتل کر دیا رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''گواہ رہو۔ اس کا خون رائیگاں گیا''یعنی وہ مباح الدم تھی اس لیے کوئی قصاص وغیرہ نہیں ہے۔''

رسول کریم ﷺ کا اس کے خون کو رائیگاں اور حدر قرار دینا اس چیز کو بخوبی واضح کر رہا ہے کہ توہین رسالت کے ارتکاب کے سبب وہ مباح الدم تھی۔اس کے ناپاک وجود سے دھرتی کا سینہ پاک کرنا ہی تقاضا ایمان تھا۔

صاحب عون المعبود لکھتے ہیں:

''فيه دليل على ان الذمى اذا لم يكف لسانه عن الله ورسوله فلا ذمة له فيحل قتله قاله السدى۔'' (۱۴۱)

''اس میں دلیل ہے کہ ذمی اگر اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کی توہین سے باز نہ آئے تو اس کا عہد ٹوٹ جاتا ہے اور اس کا قتل جائز ہو جاتا ہے یہ سدی کا قول ہے۔''

دوسری حدیث مبارکہ:

''عن علی ان یهودیة کانت تشتم النبی ﷺ و تقع فیه فخنقها رجل حتی ماتت فابطل النبی ﷺ دمها۔'' (۱۴۲)

''حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ ایک یہودی عورت حضور ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی۔ایک آدمی نے اس کا گلہ گھونٹ کر اسے قتل کر دیا حضور ﷺ نے اس کے خون کو رائیگاں قرار دیا'' اس کے ورثاء کو قصاص کا حق دار نہ ٹھہرانا اس کے واجب القتل ہونے پر واضح دلیل ہے''۔

تیسری حدیث مبارکہ:

''عن حسین ابن علی عن ابیه ان رسول الله کو قال من سب نبیا فاقتلوه ومن سب اصحابه فاضربوه۔'' (۱۴۳)

''حضرت امام حسینؓ اپنے والد گرامی حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضورﷺ نے فرمایا کہ جو کسی نبی کو گالی دے اسے قتل کردو اور جو میرے کسی صحابی کو گالی اسے کوڑے مارو''۔

چوتھی حدیث مبارکہ:

''حدثنا یحی ابن قزعة حدثنا مالك عن ابن شهاب عن انس ابن مالك رضی الله عنه عند ان النبیﷺ دخل مكة یوم الفتح وعلی راسه المغفر فلما نزعه جاء رجل فقال ابن خطل متعلق باستار الكعبة فقال اقتله.'' (۱۴۴)

''ابن شہاب نے حضرت مالک بن انس سے روایت کی ہے کہ فتح مکہ کے دن حضورﷺ مکۃ المکرّمہ میں داخل ہوئے۔ تو آپ کے سر اقدس پر خود تھا جب آپ نے خود اتارا تو ایک شخص نے آکر عرض کیا کہ ابن خطل کعبہ کے پردوں سے چمٹا ہوا ہے۔ آپﷺ نے فرمایا اسے قتل کردو''۔

اس روایت سے واضح ہوا کہ ابن خطل کو نبی کریمﷺ کے حکم سے قتل کیا گیا۔ ابن خطل کہاں اور کیسے قتل ہوا اس کے متعلق کنزالعمال کی یہ روایت ملاحظہ ہو:

''(من سند سائب ابن یزید) رایت النبیﷺ قتل عبد الله ابن خطلل یوم الفتح واخر جوه من استار الكعبة فضرب عنقه بین زمزم والمقام.'' (۱۴۵)

''سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول کریمﷺ (کے حکم سے) عبداللہ ابن خطل کو فتح مکہ کے دن قتل کیا گیا اس کو کعبہ کے پردوں کے نیچے سے نکالا گیا پھر اس کو زمزم اور مقام ابراہیم کے درمیان قتل کیا گیا''۔

فتح مکہ کے دن جب ہر سو عفو عام کا اعلان گونج رہا تھا اور خون کے پیاسوں کو بھی ''لاتثریب علیكم الیوم و انتم الطلقاء'' ''آج تم پر کوئی گرفت نہیں تم سب آزاد ہو'' کا مژدہ جانفزا سنایا گیا۔ تو آخر ابن خطل کا وہ کون سا جرم تھا کہ اسے زمزم اور مقام ابراہیم کے درمیان قتل کیا گیا۔

قاضی عیاض اندلسی کے جواب میں فرماتے ہیں:

''وكذا امره یوم الفتح بقتل ابن خطل و جاریتیه اللتین كانتا تغنیان بسبهﷺ'' (۱۴۶)

''ایسے ہی فتح مکہ کے دن ابن خطل اور اس کی دو لونڈیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا جو ایسے اشعار گاتی تھیں جن میں نبی کریمﷺ کو گالیاں دیتی تھیں''۔

علامہ خفاجی فرماتے ہیں:

"فانہ ﷺ لما فتح مکۃ امن الناس الا اربعۃ رجال و امراتین امر بقتلھم ولو دخلوا تحت استار الکعبۃ مستجیرین بھا لا نھم کانوا اظھروا عداوتہ و اکثروا من ذمہ و ھجوہ ﷺ کان لابن خطل تنیتان یغنیان بھجوہ۔" (۱۲۷)

"بیشک حضور ﷺ نے فتح مکہ کے دن سب لوگوں کو امن دے دیا مگر چار مردوں اور دو عورتوں کو امن نہ دیا ان کے متعلق فرمایا۔ اگر چہ وہ پناہ ڈھونڈتے ہوئے کعبہ کے پردوں کے نیچے چھپے ہوئے ہوں تب بھی انہیں قتل کرو۔ کیونکہ وہ حضور ﷺ کی عداوت کا علانیہ اظہار کرتے تھے حضور ﷺ کی اکثر ہجو اور مذمت کرتے تھے اور ابن خطل کی دو لونڈیاں تھیں جو حضور ﷺ کے متعلق ہجو یہ اشعار گایا کرتی تھیں"۔

اس سے واضح ہوا کہ ابن خطل اور اس کی لونڈیوں کو قتل کرنے کا حکم اس لیے دیا گیا کہ وہ حضور ﷺ کی شان ہمایوں میں توہین آمیز کلمات استعمال کیا کرتی تھیں۔

پس سطور بالا سے واضح ہوا کہ قرآن وسنت کی روشنی میں نبی کریم ﷺ کی توہین کرنے والے کی سزا صرف قتل ہی ہے۔

مبحث سوم
توہین رسالت ﷺ کی سزا میں
فقہاء کی آراء کا جائزہ

آئمہ اربعہ کے نزدیک اگر ذمی کافر حضور سید عالم ﷺ کی شان اقدس میں سب وشتم کرے تو اسے قتل کر دیا جائے گا، یا د رہے کہ حربی کافر تو ویسے ہی مباح الدم ہوتا ہے اس جرم سے وہ تو بدرجہ اولی واجب القتل ہو جائے گا اس لیے یہاں صرف ذمی کافر پر بحث کی جائے گی۔ ائمہ فقہ کا موقف ملاحظہ ہو:

فقہائے احناف کے نزدیک ذمی شاتم رسول ﷺ کا حکم:

امام علاؤالدین حصکفی الحنفی لکھتے ہیں:

”و یؤدب الذمی و یعاقب علی سب دین الاسلام او القرآن او النبی ﷺ قال العینی و اختیاری فی السب القتل و تبعه ابن همام و به افتی شیخنا الخیر رملی وهو قول الشافعی...... والحق انه یقتل عندنا اذا اعلن بشتمه علیه السلام و صرح به فی سیر الذخیره حیث قال و استدل محمد لبیان قتل المرأة اذا اعلنت بشتم الرسول بما روی ان عمران بن عدی لما سمع عصماء بنت عمران تو ذی رسول الله ﷺ فقلتها لیلا و ملحة ﷺ علی ذلك.“ (۱۴۸)

”ذمی اگر سلام یا قرآن یا نبی ﷺ کو گالی دے تو اسے سزا دی جائے گی اور زدو کوب کیا جائے گا......علامہ عینی نے فرمایا سب وشتم کی صورت میں میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ اس ذمی کو قتل کر دیا جائے گا۔امام ابن ہمام کا بھی نقطہ نظر ہے میں (صاحب درمختار) کہتا ہوں کہ ہمارے شیخ الرملی نے بھی یہی فتوی دیا ہے اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے......اور ہمارے نزدیک حق یہ ہے کہ اس ذمی کو قتل کیا جائے گا جبکہ وہ علی الاعلان حضور ﷺ کو سب وشتم کرتا ہو سیر الذخیرہ میں بھی اس کی تصریح ہے جس طرح کہ امام محمد نے اس عورت کے بارے میں فرمایا جو حضور ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی انہوں نے اس روایت سے استدلال کیا کہ جب حضرت عمرؓ بن عدی نے عصماء بنت مروان کے متعلق سنا کہ وہ حضور ﷺ (کی توہین کر کے آپ) کو اذیت پہنچاتی ہے تو انہوں نے اسے رات کو قتل کر دیا تو حضور ﷺ نے اس فعل پر حضرت عمرؓ بن عدی کی تعریف فرمائی“۔

علامہ ابن عابد شامی لکھتے ہیں:

”و ذکره (الامام محمد) فی السیر الکبیر فیدل علی جواز قتل الذمی المنهی عنه عن قتله بعقد الذمه اذا اعلن بالشتم ایضا واستدل بذالك فی شرح السیر الکبیر بعدة احادیث منها حدیث ابی اسحق الهمدانی قال جاء رجل الی رسول الله ﷺ وقال

سمعت امرءة من یهود وهي تشتمك واللّٰه یا رسول اللّٰه انها لمحسنة الی فقتلتها فاهدٰر النبی ﷺ دمها۔" (۱۴۹)

''امام محمد نے السیر الکبیر میں لکھا ہے کہ اس میں اس پر دلالت ہے کہ ذمی کو بوجہ عہد ذمہ قتل سے امان مل چکی ہے مگر جب علانیہ حضور ﷺ کی شان اقدس میں سب وشتم بکے تو اس کا قتل کرنا جائز ہے اور شرح السیر الکبیر میں اس کے قتل کے جواز پر بہت سی احادیث سے استدلال کیا گیا ہے ان میں ایک ابو اسحٰق الھمدانی کی (بیان کردہ) حدیث ہے کہ ایک آدمی جب حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو ااور اسنے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے ایک یہودی عورت کو آپ کو گالیاں دیتے ہوئے سنا خدا کی قسم وہ مجھ پر بہت احسان کرنے والی تھی (اس کے باوجود بھی) میں نے اسے قتل کر دیا پس حضور ﷺ نے اس کے خون کو ھدر قرار دے دیا''۔

یعنی اس کے قاتل پر کوئی قصاص وغیرہ نہیں ہے کیونکہ وہ توہین رسالت کے ارتکاب کے سبب مباح الدم ہو چکی تھی ۔علامہ شامی ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

"فلو اعلن بشتمه او اعتاده قتل ولو امراة و به یفتی الیوم۔" (۱۵۰)

''جب ذمی علانیہ (کیونکہ شریعت کا حکم ظاہر پر جاری ہوتا ہے۔) حضور ﷺ کو گالی دے یا اس چیز کا عادی ہو تو اسے قتل کر دیا جائے گا اگر چہ وہ عورت ہی کیوں نہ ہو آج کل اسی پر فتوی دیا جاتا ہے۔''

قاضی ثناءاللہ المظہری الحنفی فرماتے ہیں:

"وفی الفتاوی من مذهب ابی حنیفة ان من سب النبی ﷺ یقتل ولا تقبل توبته سواء کان مؤمنا او کافر بهذا انه ینتقض عهده ویؤیده ماروی ابو یوسف عن حفص ابن عبداللّٰه ابن عمر ان رجلا قال له سمعت راهبا سب النبی ﷺ فقال له لو سمعته لقتلته انالم نعطهم العهود علی هذا۔" (۱۵۱)

''فتاویٰ میں امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس نے بھی نبی کریم ﷺ کو گالی دی وہ قتل کر دیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی برابر ہے کہ وہ مومن ہو یا کافر اس سے واضح ہوا کہ حضور ﷺ کو سب وشتم کرنے سے ذمی کا عہد ٹوٹ جاتا ہے اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس کو امام ابو یوسفؒ نے حفص بن عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے ان سے کہا کہ

میں نے ایک راہب کو حضور ﷺ کو گالی دیتے ہوئے سنا آپ نے فرمایا کہ اگر میں اسے حضور ﷺ کو گالیاں دیتے ہوئے سن لیتا تو میں اسے یقیناً قتل کر دیتا ہم نے انہیں (ذمیوں کو) اس لیے تو نہیں دی کہ وہ شان رسالت میں توہین کرتے رہیں''۔

علامہ ابن تیمیہ ایک مقام پر امام ابو حنیفہؒ کا موقف یوں بیان کرتے ہیں:

''ان الذمی اذا سبه لا یستتاب بلا تردد فانه یقتل لکفره الاصلی کما یقتل الاسیر الحربی.'' (۱۵۲)

''امام ابو حنیفہ'' یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی ذمی رسول کریم ﷺ کو گالی دے تو اس سے توبہ کا مطالبہ کیے بغیر اسے قتل کر دیا جائے گا کیونکہ اسے اس کے کفر اصلی کے سبب قتل کیا جائے گا جیسا کہ کافر حربی کو قتل جاتا ہے''۔

امام ابن ہمام فرماتے ہیں:

''والذی عندی ان سبه علیه السلام او نسبته الی مالا ینبغی الی اللّٰه ان کان مما لا یعتقدونه کنسبة الولد الی اللّٰه تعالٰی الذی یعتقده النصاریٰ والیهود اذا اظهر یقتل به وینتقض عهده.'' (۱۵۳)

''میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ ذمی نے اگر حضور ﷺ کو گالی دی یا غیر مناسب چیز اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کی اگر وہ ان کے معتقدات سے خارج ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف بیٹے کی نسبت کرنا جو یہود و نصاریٰ کا عقیدہ ہے جب وہ ان چیزوں کا اظہار کرے گا تو اس کا عہد ٹوٹ جائے گا اور اسے قتل کر دیا جائے گا''۔

ایک اور حنفی فقیہہ مولانا گل محمد لکھتے ہیں:

''ومن سب نبیا او اهل شریعة او اهان الکلام المجید او عاب او الحق نقصا فی دینه او نسبه او خصلة من خصاله سواء کان الشاتم من امة محمد ﷺ او من غیره سواء کان من اهل الکتاب او غیره فقد کفر واستحق القتل وعلیه الفتوی.'' (۱۵۴)

''جس نے نبی مکرم ﷺ یا صاحب شریعت کو گالی دی یا قرآن مجید کی توہین کی یا حضور ﷺ کے دین، آپ ﷺ کے نسب یا آپ ﷺ کی کسی عادت میں نکالا یا تنقیص کی برابر ہے وہ آپ ﷺ کا امتی ہو یا نہ ہو اہل کتاب میں سے ہو یا نہ ہو وہ کافر ہو جائے گا اور قتل کا مستحق ہو گا اسی پر فتویٰ ہے''۔

فقہائے مالکیہ کے نزدیک ذمی شاتم رسول ﷺ کا حکم:

قاضی عیاض اندلسی مالکی نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف لطیف "الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ" میں اس کی وضاحت فرمائی کہ نبی کریم ﷺ کی توہین کرنے والا مسلمان ہو یا کافر واجب القتل ہے جیسا کہ کچھ حوالے پہلے گزر چکے ہیں جنہیں دہرانے سے طوالت کا خطرہ ہے قاضی عیاض امام مالک کا مسلک بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ومن رواية ابی المصعب و ابن ابی اویس سمعنا مالکا یقول من سب رسول اللّٰہ او شتمه او عابه او تنقصه قتل مسلما کان او کافرا ولا یستتاب وفی کتاب محمد اخبرنا اصحاب مالک انه قال من سب النبی ﷺ او غیره من النبیین من مسلم او کافر قتل ولم یستتب." (۱۵۵)

ابی مصعب اور ابن ابی اویس سے منقول ہے کہ ہم نے امام مالک کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو بھی حضور ﷺ کو سب وشتم کرے یا آپ کی طرف کوئی عیب منسوب کرے یا کسی بھی طرح آپ ﷺ کی تنقیص کرے وہ مسلمان ہو یا کافر اسے قتل کر دیا جائے گا۔ امام محمد نے اپنی کتاب میں امام مالک کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جو بھی حضور ﷺ یا دیگر انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی نبی ﷺ کی توہین کرے وہ مسلمان ہو یا کافر اسے قتل کر دیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی"۔

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

"روی بعض المالکیة اجماع العلماء علی ان من دعا علی نبی من الانبیاء بالویل او بشیء من المکروه انه یقتل بلا استتابة." (۱۵۶)

"بعض مالکیہ نے اس پر علماء کا اجماع روایت کیا ہے کہ جو بھی انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی علیہ السلام کے لیے تباہی یا کسی ناپسندیدہ چیز کی دعا مانگے اسے توبہ کا مطالبہ کیے بغیر قتل کر دیا جائے گا۔"

فقہائے حنابلہ کے نزدیک ذمی شاتم رسول ﷺ کا حکم:

علامہ ابن تیمیہ حنبلی امام احمد بن حنبل کا موقف ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں:

"قال الامام احمد فی روایة حنبل کل من شتم النبی ﷺ او تنقصه مسلما کان او کافر فعلیه القتل واری ان یقتل ولا یستتا." (۱۵۷)

"حنبل کی روایت کے مطابق امام احمد نے فرمایا کہ جو شخص بھی رسول کریم ﷺ کو گالی دے یا آپ ﷺ کی شان میں تنقیص کرے وہ مسلمان ہو یا کافر اسے قتل کر دیا جائے گا۔ میری رائے میں اسے توبہ کا مطالبہ کیے بغیر قتل کیا جائے گا۔"

مزید لکھتے ہیں:

"و فی روایۃ ابی طالب سئل احمد عمن شتم النبی ﷺ قال یقتل قد نقض لھد." (۱۵۸)

''ابی طالب سے مروی ہے کہ امام احمد سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو حضور ﷺ کو گالی دے تو آپ نے فرمایا اسے قتل کر دیا جائے گا کیونکہ اس کا عہد ٹوٹ چکا ہے''۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

"قال ابو الصفر اسالت ابا عبداللّٰہ عن رجل من اھل الذمۃ شتم النبی ﷺ ماذا علیہ قال اذا قامت البینہ علیہ یقتل من شتم النبی ﷺ مسلما کان او کافرا." (۱۵۹)

ابو الصفرا کہتے ہیں میں نے ابوعبداللہ (امام احمد) سے ایک ذمی شخص کے بارے میں پوچھا جس نے نبی کریم ﷺ کی توہین کی تھی کہ اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ جب ایسے شخص کے خلاف شہادت مل جائے تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ وہ مسلمان ہو یا کافر۔

فقہائے شوافع کے نزدیک ذمی رسول ﷺ کا حکم:

امام شافعی اور ان کے اصحاب کا بھی یہی موقف ہے کہ اگر کوئی ذمی حضور ﷺ کی شان اقدس میں توہین کرے تو اس کا عہد ٹوٹ جائے گا اور وہ واجب القتل ہوگا۔

علامہ علاؤالدین حصکفی امام شافعی کا موقف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ویؤدب الذمی ویعاقب علی سبہ دین الاسلام او القرآن او النبی ﷺ...... وقال العینی و اختیاری فی السب ان یقتل و تبعہ ابن الھمام قلت وبہ فتی شیخنا الخیر الرملی وھو قول الشافعی." (۱۶۰)

''ذمی کو ادب سکھایا جائے گا اور اسے سزا دی جائے گی جب وہ دین اسلام یا قرآن یا نبی کریم ﷺ کو سب وشتم کرے...... علامہ عینی کہتے ہیں کہ اس بارے میں میرا موقف یہ ہے کہ وہ جب بھی اس توہین کا ارتکاب کرے اسے قتل کر دیا جائے گا۔ امام ابن ہمام کا بھی یہی قول ہے ہمارے شیخ رملی کا بھی یہی فتویٰ ہے اور امام شافعی کا بھی یہی موقف ہے''۔

قاضی عیاض اندلسی لکھتے ہیں:

"قال ابو بکر ابن المنذر اجمع عوام اهل العم علی ان من سب النبی ﷺ یقتل وممن قال ذالك مالك ابن انس واللیث واحمد واسحاق وھو مذھب الشافعی۔" (۱۶۱)

''ابو بکر ابن منذر فرماتے ہیں کہ اس پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ جو بھی حضور نبی کریم ﷺ کو گالی دے (وہ مسلمان ہو یا کافر) اسے قتل کر دیا جائے گا امام مالک بن انس لیث، احمد اور اسحاق کا یہی موقف ہے اور امام شافعی کا مذہب بھی یہی ہے''۔

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

"وقد حکی ابوبکر الفارسی من اصحاب الشافعی اجماع المسلمین علی ان حد من سب النبی ﷺ القتل کما ان حد من سب غیرہ الجلد۔"(۱۶۲)

''اصحاب شافعی میں ابو بکر فارسی نے کہا ہے کہ اس پر تمام امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ حضور ﷺ کو گالی دینے کی سزا یہ ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے جائے گا جیسا کہ آپ ﷺ کے علاوہ کسی کو گالی دینے والے کی سزا کوڑے مارنا ہے۔''

علامہ ابن تیمیہ ہی امام شافعی کا موقف یوں بیان فرماتے ہیں:

"امام الشافعی فالنصوص عنه نفسه ان عهده ینتقض بسب النبی ﷺ وانه یقتل وقد حکاہ ابن المنذر والخطابی وغیرھما۔" (۱۶۳)

''امام شافعیؒ سے صراحۃً منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ کو گالی دینے والے کا عہد ٹوٹ جاتا ہے اور ایسے شخص کو قتل کر دیا جائے گا، ابن المنذر، خطابی، اور دیگر علماء نے اسی طرح نقل کیا ہے''۔

علامہ مذکور اس بحث کے آخر میں نتیجتاً امام شافعی کا موقف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان من سب النبی ﷺ ینتقض العهد ویوجب القتل کما ذکرناہ عن شافعی نفسه۔"

''نبی کریم ﷺ کو گالی دینے والے کا عہد ٹوٹ جاتا ہے اور ایسے کرنا واجب ہے جیسا کہ ہم خود امام شافعی سے نقل کیا ہے''۔

مذکورہ بحث سے یہ بات بالکل واضح ہو رہی ہے کہ سب ائمہ کے نزدیک اگر کوئی ذمی توہین رسالت کا ارتکاب کرے گا اس کا عہد ٹوٹ جائے گا اور وہ واجب القتل ہو گا۔

مسلمان شاتم رسول ﷺ کے متعلق ائمہ اربعہ کا موقف:

ذمی کے بعد اس بحث کے دوسرے پہلو کا جائزہ لیا جاتا ہے کہ اگر کوئی کلمہ جو موقف اسلام کا مدعی بھی ہو حضور ﷺ کی توہین وتنقیص کرے تو اس کے متعلق ائمہ اربعہ کا کیا موقف ہے؟

اس پر بھی تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ توہین رسالت کا مرتکب شخص مرتد ہو جائے گا اگر چہ عام ارتداد میں توبہ سے اس کا قتل تو معاف نہیں ہوگا البتہ اس کی میت سے مسلمان میت والا سلوک کیا جائے۔

اس مسئلہ میں فقہائے امت کا نقطہ نظر ملاحظہ ہو:

مسلمان شاتم رسول ﷺ کے متعلق فقہائے احناف کا نقطہ نظر:

امام ابو بکر احمد بن علی الرازی فرماتے ہیں:

"(وان نکثوا ایمانهم الخ) وقال اللیث فی المسلم بسب النبی ﷺ انه لا یناظر ولا یتستاب ویقتل مکانه وکذالك الیهودی والنصاری." (۱۶۴)

"اور لیث نے ایسے مسلمان کے بارے میں جو نبی کریم ﷺ کو گالی دیتا ہو۔ فرمایا بے شک اس سے مناظرہ نہیں کیا جائے گا، نہ اسے مہلت دی جائے گی اور نہ ہی اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا بلکہ اسے اس جگہ پر قتل کر دیا جائے گا اور ایسے ہی (توہین رسالت کے مرتکب) یہودی اور عیسائی کا بھی حکم ہے"۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

"ولا خلاف بین المسلمین ان من قصد النبی ﷺ فهو من ینتحل الاسلام انه مرتد یستحق القتل." (۱۶۵)

"اس مسئلہ میں کسی مسلمان کو بھی اختلاف نہیں کہ جس شخص نے بھی حضور ﷺ کی توہین کی اور آپ کی اذیت کا قصد کیا اگر چہ وہ مسلمان کہلاتا ہو۔ وہ مرتد ہے مستحق قتل ہے"۔

قاضی عیاض اندلسی امام سرخسی الحنفی کی کتاب المبسوط للسرخسی سے نقل کرتے ہیں:

"وفی المبسوط عن عثمان ابن کنانة من شتم النبی ﷺ من المسلمین قتل او صلب حیا ولهم یستتب والامام مخیر فی صلبة او قتله." (۱۶۶)

''مبسوط میں عثمان بن کنانہ سے مروی ہے کہ مسلمانوں میں سے جو بھی حضور ﷺ کو گالی دے اسے قتل کر دیا جائے گا یا اسے زندہ سولی پر لٹکا یا دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے امام کو اختیار ہے کہ وہ اسے زندہ سولی پر لٹکائے یا قتل کرے''۔

امام ابن ہمام الحنفی فرماتے ہیں:

''کل من ابغض رسول اللّٰہ ﷺ کان مرتدا فالساب بطریق الاولی ثم یقتل حدا عندنا۔'' (۱۶۷)

''جو بھی شخص رسول کریم ﷺ سے دل میں بغض رکھے وہ مرتد ہے تو آپ ﷺ کو گالی دینے والا تو بطریق اولیٰ مرتد ہوگا پھر ہمارے نزدیک اسے بطور حد کے قتل کیا جائے گا۔''

مسلمان شاتم رسول ﷺ کے متعلق فقہائے مالکیہ کا نقطۂ نظر:

قاضی عیاض مالکی لکھتے ہیں:

''حکماہ مطرف عن مالک فی کتاب ابن حبیب من سبب النبی ﷺ من المسلمین قتل ولم یستتب۔'' (۱۶۸)

''کتاب ابن حبیب میں مطرف نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ جو مسلمان بھی نبی کریم ﷺ کو سب وشتم کرے اسے قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے''

محمد ابن سحنون مالکی فرماتے ہیں:

''اس پر تمام علماء کا اجماع ہے کہ حضور ﷺ کو گالی دینے والا کافر ہو جائے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وعید ہے۔ اور پوری امت کے نزدیک اس کا حکم قتل ہے اور جو اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ خود کافر ہے''۔(۱۶۹)

اور یہ روایت بھی امام مالک کے نقطۂ نظر کو واشگاف الفاظ میں واضح کرتی ہے:

''سأل الرشید مالکا فی رجل شتم النبی ﷺ وذکر لها ن فقهاء العراق افتوه بجلده فغضب مالکا وقال یا امیر المؤمنین مابقاء الامة بعد شتم نبیها من شتم الانبیاء قتل ومن شتم اصحاب النبی جلد۔'' (۱۷۰)

''خلیفہ ہارون الرشید نے امام مالک سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا جو حضور ﷺ کو گالی دے۔ ہارون نے لکھا تھا کہ عراق کے فقہاء نے شاتم رسول ﷺ کے لیے کوڑوں کی سزا تجویز کی ہے۔ تو امام مالک نے غضب ناک ہو کر فرمایا امت کیسے زندہ رہے گی جو نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں سب وشتم پر خاموش رہے۔ جو کسی بھی نبی کو گالی دے اسے قتل کر دیا جائے اور جو صحابہ کو گالی دے اسے کوڑے مارے جائیں''۔

اس کے بعد قاضی عیاض فرماتے ہیں:

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام عراقی فقہاء نے شاتم رسول ﷺ کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ خلیفہ ہارون الرشید نے کن فقہاء کا ذکر کیا ہے شاید کسی غیر معروف مفتی نے یہ کہا ہو یا کسی نے خواہش نفس کے تحت ایسا فتویٰ دے دیا ہو۔ بہر کیف فقہاء عراق کے نزدیک شاتم رسول ﷺ واجب القتل ہی ہے۔

مسلمان شاتم رسول ﷺ کے متعلق امام شافعی کا نقطہ نظر:

علامہ شامی فرماتے ہیں:

''قال ابن المنذر اجمع عوام اهل العلم علی ان من سب النبی ﷺ یقتل ومن قال ذالك مال ابن انس واللیث واحمد واسحاق وهو مذهب الشافعی.'' (۷۱)

''ابن منذر کہتے ہیں کہ اس تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ جو بھی (مسلمان ہو یا کافر) حضور ﷺ کو گالی دے اسے قتل کر دیا جائے گا مالک بن انس، اللیثؒ، احمد اور اسحاق کا یہی موقف ہے اور امام شافعیؒ کا بھی یہی نقطہ نظر ہے''۔

مسلمان شاتم رسول ﷺ کے متعلق فقہائے حنابلہ کا موقف:

امام احمد بن حنبل اور ان کے اصحاب کا موقف اس بارے میں وہی ہے کہ توہین رسالت کا ارتکاب کرنے والا ہر حال میں واجب القتل ہے علامہ ابن تیمیہ حنبلی کی کتاب " الصارم المسلول " اس دعویٰ کی منہ بولتی دلیل ہے انہوں نے متعدد مقامات پر امام احمد کا یہی موقف بیان ہے ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''قال الامام احمد کل مـــن شتم النبی ﷺ او تنقصه مسلما کان او کافرا فعلیه واری ان یقتل ولا یستتاب.''

امام احمد فرماتے ہیں کہ جو بھی حضورﷺ کو گالی دے وہ مسلمان ہو یا کافر اسے قتل کر دیا جائے گا میری رائے میں اسے توبہ کا مطالبہ کیے بغیر قتل کیا جائے گا۔''

پھر وہ اسی مقام پر فرماتے ہیں:

"وقال اصحابنا التعریض بسب اللّٰہ ورسولہ ﷺ ردۃ وھو موجب للقتل کالتصریح۔"

''ہمارے اصحاب (حنابلہ) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اشارۃً گالی دینے والا مرتد ہے اور وہ صراحۃً گالی دینے والے کی طرح واجب القتل ہے۔

مزید فرماتے ہیں:

"قال مالك واحمد کل من شتم النبی ﷺ او تنقصہ مسلما کان او کافرا فانہ یقتل ولا یستتاب۔" (۱۷۲)

امام مالک اور امام احمد فرماتے ہیں کہ جو بھی حضورﷺ کو گالی دے یا آپ ﷺ کی تنقیص کرے وہ مسلمان ہو یا کافر اسے بغیر توبہ کا مطالبہ کیے قتل کر دیا جائے گا''۔

واضح ہوا کہ ائمہ اربعہ ہر حال میں شاتم رسول ﷺ کے واجب القتل ہونے پر متفق ہیں۔

(خلاصۂ باب)

اس باب کی مباحث کا خلاصہ درج ذیل نکات سے واضح ہے:

۱- اتباع کا لغوی معنی تو کسی کے پیچھے پیچھے چلنا یا اس کی پیروی کرنا ہے اور شریعت میں نبی کریم ﷺ کی محبت کے سبب ہر صورت میں آپ کی پیروی کرنا ہے۔

۲- قرآن وسنت میں اتباع نبوی کی پیروی کی بہت تاکید کی گئی ہے۔

۳- چونکہ انسان حقیقت مطلقہ کا ادراک نہیں کر سکتا اس لیے اسے نجات اور فلاح کیلئے وحی کی پیروی کرنا لازمی ہے جس کی عملی شکل اتباع نبوی ہی ہے۔

۴- اتباع نبوی کے وجوب پر تمام فقہاء متفق ہیں۔

۵- نصرت کا لفظی معنی مدد کرنا ہے اور شریعت میں نبی کریم ﷺ کی خدمت کرنے کی سعادت حاصل کرنا ہے قرآن وسنت میں اس کی بہت تاکید کی گئی ہے۔

۶- نصرت کی مختلف شکلیں ہیں جیسے آپ کے مقصد بعثت اور مکارم الاخلاق کو پھیلانا یا آپ کے لائے ہوئے دین کی نشر واشاعت کرنا۔

۷- نصرت رسول ﷺ کے لازم ہونے اور اس کے وجوب پر سب فقہاء کا اتفاق ہے۔

۸- صلوٰۃ کے لغوی معنی دعا کرنا اور اسلام کے معنی سلامتی چاہنا ہے اور شریعت میں اس سے مراد مخصوص الفاظ سے نبی کریم ﷺ کے لیے رحمت اور سلامتی مانگنا ہے۔

۹- درود وسلام نبی کریم ﷺ کے بے پناہ احسانات کا شکر اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کو سمیٹنے کا ذریعہ ہے۔

۱۰- درود وسلام کے شرف اور اس کی اہمیت پر تو سب فقہاء متفق ہیں لیکن مخصوص اوقات میں پڑھنے میں کچھ اختلاف ہے۔

۱۱- تحفظ ناموس رسالت سے مراد نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی کا تحفظ کرنا اور آپ کے دفاع کرنے کی سعادت حاصل کرنا ہے۔

۱۲- قرآن وسنت کی روشنی میں توہین رسالت کی سزا اس کے مرتکب کو قتل کرنا ہے۔

۱۳- تمام فقہاء توہین رسالت کی سزا قتل ہی مانتے ہیں اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

(حوالہ جات)

۱- لسان العرب، فصل التاء من باب العین

۲- تاج العروس، فصل التاء من باب العین

۳- الامدی، ابوالحسن، امام، الاحکام فی اصول الاحکام، دار الکتب العلمیة، بیروت، ج:۱، ص:۸۹

۴- لسان العرب، فصل الطاء من باب العین

۵- الاحکام فی اصول الاحکام: ۱/ ۹۱

۶- سورۃ آل عمران ۳: ۳۱-۳۲

۷- ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج:۲، ص:۳۲

۸- سورۃ الحشر ۵۹: ۷

۹ قرطبی، ابوعبداللہ محمد بن أحمد ابوبکر، الجامع لأحکام القرآن، دار عالم الکتب، الریاض، المملکة العربیة السعودیة، ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۳ء، ج:۱۸، ص:۱۷

۱۰- سورۃ النساء ۴: ۸۰

۱۱- البغوی، محی السنة، ابومحمد الحسین بن مسعود، معالم التنزیل، دار طیبه للنشر والتوزیع الطبعة الرابعة، ۱۴۱۷/ ۱۹۹۷ء: ج:۲، ص:۲۵۲

۱۲- ترمذی، سنن الترمذی، باب ماجاء فی الاخذ بالسنة واجتناب البدع، رقم الحدیث: ۲۶۷۶

۱۳- احمد بن حنبل، امام، مسند الامام احمد بن حنبل، مسند جابر بن عبداللہ، رقم الحدیث: ۱۴۶۳۱

۱۴- بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ، رقم الحدیث ۷۲۸۰،

۱۵- سورۃ الاحزاب ۳۳: ۷۱

۱۶- سورۃ آل عمران ۳: ۱۳۲

۱۷- سورۃ محمد ۴۷: ۳۳

۱۸- سورۃ آل عمران ۳: ۳۲

۱۹- سورۃ البقرہ ۲: ۲۹

۲۰- سورۃ الذاریت ۵۱: ۵۶

۲۱- اقبال، علامہ، کلیات اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، لاہور (۱۹۸۲ء)، ص: ۳۴۱

۲۲- سورۃ الانعام ۶:۹۱

۲۳- التفسیر الکبیر:۱۳/۷۳

۲۴- سورۃ النجم ۵۳:۲۳

۲۵- سورۃ النجم ۵۳:۲۸

۲۶- سورۃ یونس ۱۰:۶۶

۲۷- سورۃ الانبیاء ۲۱:۷

۲۸- سورۃ القصص ۲۸:۱۴

۲۹- سورۃ النمل ۲۷:۱۵

۳۰- سورۃ ال عمران ۳:۶۱

۳۱- سورۃ ال عمران ۳:۴۴

۳۲- سورۃ التکویر ۸۱:۴۴

۳۳- سورۃ الانفال ۸:۴۲

۳۴- سورۃ المائدہ ۵:۱۹

۳۵- سورۃ النساء ۴:۱۶۵

۳۶- سورۃ بنی اسرائیل ۱۷:۱۵

۳۷- البیہقی، ابوبکر احمد بن حسین، المدخل الی السنن الکبری، ص:۱۱۱، دار الخلفاء للکتاب الاسلامی ۔

۳۸- ن ۔م، ص:۲۰۴

۳۹- سورۃ المائدہ ۵:۳

۴۰- الشاطبی، ابو اسحٰق ابراہیم بن موسیٰ، الاعتصام:۱/۴۹، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان (۱۴۰۲ھ)

۴۱- ن ۔م:۱/۱۰۵

۴۲- سورۃ النور ۲۴:۶۳

۴۳- المدخل الی السنن الکبریٰ، ص:۲۰۱

۴۴- الاعتصام:۱/۸۵

۴۵- ابن قیم، شمس الدین ابو عبید اللہ محمد بن ابوبکر، رسالۃ التقلید، ص:۸۳، الکتب الاسلامی، بیروت، الطبعۃ الثانیۃ

(۱۴۰۳ھ)

۴۶- المدخل الی السنن الکبری،ص:۲۰۵

۴۷- ن۔م،ص:۲۰۵

۴۸- ابن تیمیہ،مجموع الفتاویٰ:۲/۴،دارالعربیۃ، بیروت

۴۹- قاضی عیاض،ابوالفضل،الشفاء:۲/۱۵، دارالفکر، بیروت (۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء)

۵۰- الشیبانی،الحافظ ابو بکر عمرو بن عاصم،السنۃ،ج:۱،ص:۵۶،المکتب الاسلامی،الطبعۃ الاولی (۱۴۰۵ھ)

۵۱- لسان العرب،حرف الراء

۵۲- تاج العروس،باب الراء

۵۳- سورۃ النصر:۱

۵۴- سورۃ محمد:۷

۵۵- الاصفہانی،علامہ راغب،مفردات الفاظ القرآن، مادہ نصر۔

۵۶- سورۃ آل عمران۳:۱۵۷

۵۷- سورۃ محمد۴۷:۷

۵۸- طبری،امام محمد بن جریر،جامع البیان فی تأویل القرآن،مؤسسۃ الرسالۃ،۱۴۲۰ھ/۲۰۰۰ء،:ج:۱۳،ص:۱۶۱

۵۹- آلوسی،ابوالفضل محمود،روح المعانی،دار احیاء التراث العربی، بیروت،ج:۲۶،ص:۴۳

۶۰- سورۃ الاعراف ۷:۱۵۷

۶۱- طبری،جامع البیان فی تأویل القرآن،ج:۱۳،ص:۱۶۱

۶۲- الشوکانی،علامہ محمد بن،فتح القدیر،ج:۳،ص:۱۰۲،

۶۳- سورۃ الفتح ۴۸:۹

۶۴- أبوالحسن علی بن محمد خازن،لباب التأویل فی معانی التنزیل،،دارالکتب العلمیۃ، پشاور (س۔ن)،ج:۵، ص:۴۳۳

۶۵- زمخشری،الکشاف،ج:۶،ص:۳۴۲،

۶۶- جامع البیان فی تأویل القرآن،ج:۲۲،ص:۲۰۸

۶۷- سورۃ النحل ۱۶:۳۶

۶۸- سورۃ المائدہ ۵:۶۷

۶۹- فتح القدیر، ج:۲،ص:۸۷

۷۰- آلوسی، روح المعانی، ج:۱۹،ص:۱۰۷

۷۱- السنن الکبری، ج:۱۰،ص:۱۹۲،

۷۲- امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری ، مستدرک علی الصحیحین، ،دارالمعرفۃ ،بیروت (۱۴۱۸ھ)

۷۳- إمام فخر الدین رازی، التفسیر الکبیر (مفاتیح الغیب)، مکتب الأعلام الإسلامی (۱۴۱۱ھ)، ج:۱٦،ص:۸۱

۷۴- ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، دارالمعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان، ج:۲،ص:۱۲۴

۷۵- کنزالعمال، ج:۱،ص:۸۲

۷٦- الکامل فی التاریخ، ج:۱،ص:۲۵۹

۷۷- سورۃ التوبہ ۹:۱۲۸

۷۸- سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوٰۃ، باب ماجاء فی صلاۃ العیدین، رقم الحدیث:۱۲٦۵

۷۹- سورۃ النساء ۴:۷۵

۸۰- سنن النسائی، امام احمد بن شعیب النسائی، (کتاب المحاربہ) قدیمی کتب خانہ، کراچی، ج:۲،ص:۱٦۵

۸۱- سنن ابن ماجہ، امام، ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، قدیمی کتب خانہ کراچی (س۔ن)،ص:۲۸۲

۸۲- ن۔م،ص:۲۸۳

۸۳- الجصاص، أحکام القرآن، ،ج:۸،ص:۲۹۴

۸۴- سورۃ آل عمران ۴:۱٦۴

۸۵- الشفاء، ج:۲،ص:۲۱۴

۸٦- کنزالعمال، ج:۱۳،ص:۲۰٦

۸۷- تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو۔ صنعانی، عبدالرزاق، مصنف عبدالرزاق، ج:۵،ص:۳۰۷

۸۸- صحیح بخاری، باب قتل کعب بن اشرف، رقم الحدیث:۳۷۳۱

۸۹- آلوسی، روح المعانی، ج:۹،ص:۸۲

۹۰- طبری، جامع البیان فی تأویل القرآن، ج:۱۳،ص:۱٦۹

۹۱- الاشقر، محمد سلیمان عبداللہ، زبدۃ التفسیر من فتح القدیر، الطبعۃ الاولی، وزارۃ الاوقاف والشئون اسلامیہ، الکویت،ص:۲۱۸،

۹۲- بخاری، صحیح البخاری، کتاب العلم باب کیف یقبض العلم، ۔

۹۳- مفردات الفاظ القرآن، مادہ، صلا (ص ۲۹۳)

۹۴- ن ۔م، مادہ صلا

۹۵- سورۃ الاحزاب ۳۳:۵۶

۹۶- سورۃ الاحزاب ۳۳:۴۳

۹۷- عسقلانی محمد بن علی ابن حجر، فتح الباری، مکتبہ مصطفی البابی الحلبی الطبعۃ الثانیۃ، ۱۳۸۳ھ، ج:۱۱، ص:۱۵۶

۹۸- سورۃ الاحزاب ۳۳:۵۶

۹۹- ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم: ۶/ ۴۵۷

۱۰۰- طبری، جامع البیان فی تاویل القرآن، ج:۲۰، ص:۳۲۰

۱۰۱- الشفاء، ج:۲، ص:۶۱

۱۰۲- السخاوی، علامہ محمد بن ابوبکر، القول البدیع، ص:۱۰۸، لاثانی کتب خانہ سیالکوٹ

۱۰۳- ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج:۶، ص:۴۶۴

۱۰۴- ابن قیم، شمس الدین محمد بن ابوبکر، جلاالافہام، المکتبۃ النوریۃ الرضویہ، فیصل آباد، ص:۲۵

۱۰۵- النسائی، ابوعبدالرحمٰن، احمد بن شعیب، باب فضل التسلیم علی النبی ﷺ، ج ۳، ص:۴۴

۱۰۶- جلاءالافہام، ص:۳۱

۱۰۷- فاسی، الشیخ الامام محمد مہدی، مطالع المسرات، المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ، لائلپور، ص:۵۱

۱۰۸- الترغیب والترہیب، ص:۵۰۴

۱۰۹- الشفاء، ج:۲، ص:۱۳۸

۱۱۰- القول البدیع، ص:۱۳۶

۱۱۱- دلائل الخیرات، ص:۲۱

۱۱۲- ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج:۶، ص:۴۶۵

۱۱۳- الشفاء، ج:۲، ص:۱۱۸

۱۱۴- جلاءالافہام، ص:۳۶

۱۱۵- ن ۔م، ص:۶۲

۱۱۶- ابن کثیر،تفسیر القرآن العظیم،ج:٦،ص:٤٧٩

۱۱۷- ابن حبان،محمد، ابوحاتم، صحیح ابن حبان، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء ج:۳، ص:۱۸۹

۱۱۸- ابن کثیر،تفسیر القرآن العظیم ج:۳،ص:۵۳۱

۱۱۹- ریاض الصالحین،ج ۱ :ص ۵۳۱

۱۲۰- سورۃ البقرہ۲:۱٦۵

۱۲۱- تھانوی،اشرف علی،علامہ،نشر الطیب ،ص:۴۰

۱۲۲- ریاض الصالحین ج:۱،ص:۳۴۳

۱۲۳- آلوسی،روح المعانی،ج:۲۲،ص:۸۱

۱۲۴- الشفاء،ج:۲،ص:٦۲-٦۳

۱۲۵- سورۃ الاحزاب۳۳:۵۷-۵۸

۱۲٦- ابن تیمیہ،الصارم المسلول،المکتبۃ العصریۃ ،بیروت،۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰،ص:۴۰

۱۲۷- خفاجی،علامہ احمد شہاب الدین،نسیم الریاض،دارالفکر، بیروت ،ج:۴،ص:۳۸۴

۱۲۸- الشفا،ج:۲،ص:۲۲۰

۱۲۹- نسیم الریاض،ج:۴،ص:۳۸۵

۱۳۰- صحیح بخاری،کتاب المغازی،باب قتل کعب ابن اشرف،رقم الحدیث

۱۳۱- نسیم الریاض،ج:۴،ص:۱۹۰

۱۳۲- روح المعانی،ج:۲۲،ص:۹۲

۱۳۳- رازی،امام فخر الدین تفسیر کبیر،مکتب الاعلام الاسلامیہ،ج:۲۵،ص:۲۲۹

۱۳۴- شامی،علامہ ابن عابدین،رسائل شامی،ص:۳۱۷،سہیل اکیڈمی،لاہور

۱۳۵- نسیم الریاض:۴/۳۸۴

۱۳٦- سورۃ البقرہ۲:۳۸۴

۱۳۷- شوکانی،فتح القدیر،ج:۱،ص:۱۲۵،

۱۳۸- قرطبی، الجامع لاحکام القرآن،ج:۱،ص:۵٦

۱۳۹- سورۃ التوبہ۹:۱۳

۱۴۰ سنن ابی داؤد، باب الحکم فمن سب النبی ﷺ، رقم الحدیث ۴۳۶۳

۱۴۱- عظیم آبادی، شمس الحق، محمد، عون المعبود، دار الکتب العلمیہ، بیروت (۱۴۱۵ھ)، ج:۱۲،ص:۱۱

۱۴۲- سنن ابی داؤد، باب الحکم فمن سب النبی ﷺ، رقم الحدیث:۴۳۶۴

۱۴۳- الشفاء، ج:۲،ص:۱۴۲

۱۴۴- صحیح بخاری، باب دخول الحرم ومکۃ بغیر احرام، رقم الحدیث:۱۸۶۴

۱۴۵- کنزالعمال: ج ۱۰،ص:۵۰۳،

۱۴۶- الشفاء، ج:۲،ص:۳۲۱

۱۴۷- نسیم الریاض، ج ۴،ص:۳۹۲

۱۴۸- حصکفی، علاؤالدین، الامام، درمختار، دار الفکر، بیروت (۱۳۸۶ھ)، ج:۴،ص:۲۱۵

۱۴۹- شامی، ابن عابدین، حاشیہ ردالمحتار علی الدر المختار، دارالفکر للطباعۃ للنشر ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء، ج:۴،ص:۲۱۶

۱۵۰- ن ـم، ج:۴،ص:۲۱۳

۱۵۱- مظہری، محمد ثناءاللہ العثمانی تفسیر مظہری، دار احیاء التراث العربی، بیروت (۱۴۱۲ھ)، ج:۱،ص:۱۶۱۱،

۱۵۲- الصارم المسلول:۳۳۱

۱۵۳- حاشیۃ ردالمحتار، ج:۴،ص:۲۱۶

۱۵۴- گل محمد، مولانا، فتاویٰ نورالہدیٰ، ص:۱۳۱، المکتبۃ الاسلامیۃ، کوئٹہ

۱۵۵- الشفاء، ج:۲،ص:۲۱۷

۱۵۶- الصارم المسلول:۵۲۹

۱۵۷- ن ـم،ص:۲۹۶

۱۵۸- ن ـم،ص:۵-۶

۱۵۹- ن ـم،ص:۸

۱۶۰- درمختار:۴/۲۱۵

۱۶۱- الشفاء:۲/۲۱۵

۱۶۲- الصارم المسلول،ص:۴

۱۶۳- ن ـم،ص:۹

۱۶۴- جصاص،ابوبکراحمد بن علی،امام،احکام القرآن،ج:۳،ص:۱۰۵

۱۶۵- ن ـم:ج:۳،ص:۱۰۶

۱۶۶- الشفاء،ج:۲،ص:۲۱۶

۱۶۷- ابن ہمام،الامام،فتح القدیر،ج:۳،ص:۴۰۷

۱۶۸- الشفاء،ج:۲،ص:۲۱۶

۱۶۹- الصارم المسلول،ص:۹

۱۷۰- الشفاء،ج:۲،ص:۲۲۳

۱۷۱- حاشیۃ ردالمختار،ج:۴،ص:۲۱۶

۱۷۲- تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو،الصارم المسلول،ص:۲۷

باب پنجم
عصر حاضر میں حقوق الرسول صلی اللہ علیہ وسلم
کی عملی صورتیں

فصل اوّل

مقصدِ بعثت کی ترویج و اشاعت

مبحث اوّل
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کا مقصدِ بعثت

نبی کریم ﷺ کے امت پر جو حقوق ہیں ان میں سے جن حقوق کی ادائیگی عملی طور پر ایک خاص اہمیت وافادیت کی حامل ہے۔ وہ کسی بھی امت کا اپنے آپ کو اس مقصد ومدعا کیلئے وقف کردینا ہے جو نبی کریم ﷺ کا مقصد بعثت تھا اور آپ کی تشریف آوری کا مقصد اوّلین تھا۔ سوال یہ ہے کہ وہ مقصد تھا کیا جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ قرآن کریم میں اس مقصد کو متعدد زاویوں اور مختلف اسالیب سے بیان کیا گیا۔

نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری کا مقصد اسی غرض ومدعا کو نقطۂ عروج پر پہنچانا تھا جس مقصد کیلئے دیگر انبیاء کرام اور رسل عظام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔ قرآن کریم انبیاء کرام کی مقصد بعثت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

"مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ" (۱)

''کسی انسان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ اللہ تعالیٰ اسے کتاب وحکمت اور نبوت عطا فرمائے اور پھر وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میری عبادت کرو لیکن (وہ تو یہی کہے گا کہ اے لوگو) تم رب والے بن جاؤ۔''

اس سے واضح ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا مقصد بعثت نہ مال ودولت سمیٹنا ہوتا ہے اور نہ ہی کسی دنیوی جاہ ومنصب کا حصول بلکہ ان کا مقصد بعثت صرف لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے ملانا اور انہیں رب والے بنانا ہوتا ہے یعنی انبیاء کرام لوگوں کا اللہ تعالیٰ سے ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑنے اور انہیں درگاہ الٰہی میں جھکانے کے لیے آتے ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ"(۲)

''اور ہم نے ہر جماعت میں رسول بھیجے تاکہ وہ (لوگوں سے کہیں کہ) صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اور بتوں (کی پرستش) سے اجتناب کرو۔ تو ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ جنہیں خدا نے ہدایت دی اور بعض ایسے ہی جن پر گمراہی ثابت ہوگئی۔ پس تم زمین پر چلو پھرو تاکہ تم دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔''

ان آیات طیبات سے واضح ہو رہا ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا مقصد بعثت لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کا درس دینا انہیں طاغوت اور شیطان کی پرستش سے بچانا اور انہیں بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہونے کی تلقین کرنا ہے۔ نبی

کریم ﷺ کی تشریف آوری کا مقصد اسی مقصد کو نقطہ ارتقاء تک پہنچانا اور اس مشن کو تکمیل تک پہنچانا ہے، قرآن کریم میں رسول کریم ﷺ کے مقصد بعثت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

"قُلْ هٰـذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِيْ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ" (۳)

''پھر فرما دیجئے یہ میرا راستہ ہے کہ میں پوری بصیرت سے اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں بھی اور میرے پیرو بھی، اور اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔''

یہ آیہ کریمہ آپ کے مقصد بعثت کو بیان کر رہی ہے۔ اسی حقیقت کو دوسرے مقام پر ایک اور اسلوب سے بیان کرتے ہوئے فرمایا:

" يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۝ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا"(۴)

''اے نبی (مکرم ﷺ) ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ اور اہل ایمان کو خوشخبری سنا دو کہ ان کے لیے خدا کی طرف سے بڑا فضل ہے۔''

شاہد، مبشر، نذیر اور داعی اللہ کی حیثیت سے آپ کو بھیجا جانا دراصل اسی مقصد بعثت کے مختلف پہلو ہیں۔ شاہد سے مراد یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور وحدانیت کے گواہ بن جائیں اور لوگوں پر توحید کی گواہی دیں۔ جو مان جائے اسے انعامات الٰہی کی بشارت سنائیں جو انکار کرے۔ اسے اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈرائیں کہ اگر تم نے صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کی تو تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آجائے گا۔ آپ کی سیرت کا ہر گوشہ اور آپ کے ہر عمل کا ارتکاز تو صرف اور صرف دعوت الی اللہ ہے اور ہم نے آپ کو سراج منیر بنایا کہ گمراہی و لادینی کے اندھیرے کافور ہو جائیں کفر و شرک کی تاریکیاں مٹ جائیں اور ہر سو توحید اور حقانیت کا نور پھیل جائے اور اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کی جناب سے بہت بڑے فضل کی بشارت دیجئے تاکہ سعادت مند لوگ فضل الٰہی کے متلاشی بن کر آپ کی طرف بھاگتے چلے آئیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ"(۵)

''وہی تو ہے جس نے امی لوگوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا۔ جو ان کے سامنے آیات الٰہی کی تلاوت کرتے ہیں۔ ان کا تزکیہ کرتے ہیں اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں اور اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں مبتلا تھے اور دوسروں کی طرف بھی جو ابھی ان سے نہیں ملے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تکمیل کعبہ کے بعد جو دعا مانگی تھی اس میں نبی کریمﷺ کی بعثت کے یہی مقاصد بیان کیے گئے تھے۔ آپ نے دعا مانگی:

''رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ''(٦)

''اے ہمارے رب! ان میں انہیں میں سے ایک پیغمبر مبعوث فرما جو ان پر تیری آیات تلاوت کرے، انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔ بے شک تو بہت غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔''

ان آیات طیبات سے واضح ہے کہ نبی کریمﷺ کی بعثت کا مقصد اولین دعوت الی اللہ ہے۔ تعلیم کتاب وحکمت اسی کا راستہ اور تزکیہ اسی کا ثمرہ ہے۔

جب عبادت الٰہی کی دعوت مقصد نبوت ہے تو ظاہر ہے کہ عبادت صرف نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ تک محدود نہیں ہے بلکہ عبادت تو پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے حصول میں بسر کرنے کا نام ہے۔ یعنی ایک انسان اگر تاجر ہو تو تجارت امانتداری اور خدائی احکامات کے مطابق کرے۔ اگر وہ سیاستدان ہے تو سیاست خدمت خلق کے سچے جذبوں اور ریاست کو فلاحی بنانے کی ترجیحات کے مدنظر کرے۔ اگر وہ کہیں ملازم ہو تو اپنی پوری ذمہ داریاں یہ سوچ کر سرانجام دے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور مجھے قیامت کے دن اس کا حساب دینا ہے۔ وہ معاشرت، معیشت، اخلاقیات غرض ہر شعبہ زندگی میں اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری کے تصور سے خدمات سرانجام دے۔ تو اس کی پوری زندگی عبادت کی ایک زندہ تصویر بن جائے گی۔ اس سے واضح ہو رہا ہے کہ نبی کریمﷺ کا مقصد بعثت ایک انسان کو ایسا کامل انسان بنانا تھا کہ وہ اندر اور باہر سے مکمل طور پر تبدیل ہو جائے۔ اس کا ظاہر بھی سنور جائے اور باطن بھی۔ اس کے معاملات بھی تقویٰ وتدین کا مظہر ہوں، اس کی سیاست بھی خوف خدا کی نشانی ہو، اس کی تجارت بھی امانت و دیانت کا اظہار کرنے والی ہو اور اس کی پوری زندگی یہ بتا رہی ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کے حضور جھکنے والا اور عاجزی کرنے والا ہے۔ اسی مقصد بعثت کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے آپ نے اپنی پوری زندگی بسر کی اور شب و روز اسی مقصد حیات کو پایہ تکمیل تک پہنچانے

کیلئے بسر کیے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے مثال کامیابیوں سے ہمکنار فرمایا اور اس مقصد کو حاصل کرنے میں آپ اس طرح کامیاب و کامران ہوئے کہ پوری تاریخ انسانی میں اس کی مثال نہیں ملتی اور زمانہ ان کامیابیوں کا معترف ہے۔ سید سلیمان ندوی اسی پس منظر میں لکھتے ہیں:

> ''آنحضرت ﷺ جس عظیم الشان پیغام کو لے کر آئے تھے اور جس مہتم بالشان کام کو انجام دینے کیلئے بھیجے گئے تھے۔ نیک دل اور حقیقت شناس لوگ تو سننے اور دیکھنے کے ساتھ اس کے قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے لیکن جن کے دل کے آئینے رنگ آلود تھے، پیغام کی سچائی، وحی کی تاثیر، پیغمبر کی پر اثر دعوت، اعجاز معصومیت اور اخلاق کے پرتو سے صاف و شفاف ہوتے گئے اور عوائق، موانع، شبہات اور شکوک کی توبر تو ظلمتیں اور تاریکیاں رفتہ رفتہ چھٹتی چلی گئیں اور اسلام کا نور روز بروز زیادہ صفائی اور چمک کے ساتھ عرب کے افق پر درخشاں اور تاباں ہوتا گیا یہاں تک کہ تئیس برس کی مدت میں ایک متحدہ قومیت، ایک متحدہ سلطنت، ایک متحدہ اخلاقی نظام، ایک کامل قانون، ایک مکمل شریعت، ایک ابدی مذہب اور عملی جماعت، خدا پرستی، اخلاق، ایثار، تدین، تقویٰ، ایمانداری، اخلاق اور سچائی کا ایک مجسم عہد یعنی ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان پیدا ہو گیا گویا یہی حقیقت تھی جس کی طرف آپ نے اپنی امت کے سب سے بڑے مجمع (حجۃ الوداع) میں اپنی وفات سے تقریباً دو ماہ پیشتر یہ ارشاد فرمایا:
>
> ''ان الزمان قد استدار کھیئۃ یوم خلق اللّٰہ السموات والارض'' (۷)
>
> ''ہاں اپنا زمانے کا دور اپنی اسی حالت پر آ گیا جس حالت پر اس دن تھا جس دن خدا نے آسمان و زمین کو بنایا۔'' (۸)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا مقصد بعثت لوگوں کو عبادت الٰہی کا درس دینا تھا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اپنی پوری زندگی اسی رنگ میں رنگ لو۔

مبحث دوم
مقصدِ بعثت کی ترغیب واشاعت
کی اہمیت

نبی کریمﷺ کے حقوق میں سے آپ کے مقصد بعثت کی نشر و اشاعت میں مگن ہو جانا ایک اہم حق ہے کیونکہ عظیم لوگوں کو اپنے مقاصد کسی بھی دوسری چیز سے عظیم ہوتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ اپنا سب کچھ یہاں تک کہ اپنی جان تک اسی کے حصول میں قربان کر دیتے ہیں اور نبی کریمﷺ سے سچی محبت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جس مشن کی تکمیل کیلئے آپ نے اپنی پوری حیات مبارکہ وقف فرمائی تھی۔اگر کوئی بندہ حضور اکرمﷺ سے محبت کا دعویٰ تو بہت کرتا ہے لیکن آپ کے مقصد بعثت کی ترغیب و اشاعت میں اپنے آپ کو وقف نہیں کرتا اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی انسان کسی عظیم انسان کی تعریف و توصیف کے پل باندھ دے لیکن اگر وہ عظیم انسان اسے کہے کہ یہ راستے میں پتھر پڑا ہوا ہے یہ گزرنے والوں کو تکلیف دیتا ہے آؤ مل کر اسے راستے سے ہٹا دیں تو وہ کہنے لگے کہ آپ بڑے عظیم ہیں۔آپ خدمت خلق کے رسیا ہیں۔لیکن اگر میں یہ پتھر اٹھاتا ہوں تو میرے ہاتھ میلے ہو جائیں گے اسے لیے میں یہ کام کرنے سے معذرت خواہ ہوں۔ کسی بھی حقیقت پسند انسان کیلئے جس طرح اس شخص کا دعویٰ محبت محض الفاظ کا ہیر پھیر ہے ایسے ہی جو شخص نبی کریمﷺ سے محبت کے دعوے تو بہت کرتا ہے لیکن آپ کے مقصد بعثت کی نشر و اشاعت میں کوئی خدمات سرانجام نہیں دیتا۔اس کا دعویٰ محبت بھی حقیقی محبت کی حلاوتوں سے محروم ہے۔

نبی کریمﷺ کے مقصد بعثت کی اہمیت و افادیت اس چیز سے بھی واضح ہے کہ انسانیت کی فلاح اور دنیا کا امن وسکون اسی مقصد سے وابستہ ہونے میں ہی مخفی ہے۔آج دنیا میں جس قدر بے چینی، قلق واضطراب اور قتل و غارت ہے اس کا سبب دراصل نبی کریمﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات اور آپ کے مقصد بعثت سے انحراف ہے۔اللہ کی طرف رجوع تمام شر کا خاتمہ کرنے کا دوسرا نام ہے۔آج قتل و غارت گری اس حد تک پہنچی ہوئی ہے کہ نہ مرنے والے کو پتہ ہے کہ مجھے کیوں مارا جا رہا ہے نہ مارنے والے کو علم ہے کہ میں اسے کیوں مار رہا ہوں۔لیکن حضور اکرمﷺ کے پیغام کا ایک اہم مقصد تکریم انسانیت کا شعور تھا آپ نے ہر انسان کو بحیثیت انسان محترم قرار دیا۔رنگ ونسل اور زبان مذہب غرض کوئی بھی چیز احترام انسانیت کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنی چاہیے۔آپ نے ہم تک اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام پہنچایا۔

''وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا''(۹)

''بے شک ہم نے بنی آدم کو عزت عطا کی ہے انہیں خشکی اور تری میں سواری دی ہے اور انہیں بہترین چیزوں کا رزق دیا ہے اور انہیں اپنی بہت سے مخلوقات پر بزرگی عطا کی ہے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو عزتیں عطا کی ہیں وہ بحیثیت انسان کے ہیں۔اس میں کوئی تفریق اور امتیاز نہیں کیا گیا۔ہر انسان ایک ہی معزز طریقے سے زمین پر چلتا ہے روزی کھاتا ہے۔اگر نبی کریمﷺ کے لائے ہوئے اس پیغام کو سمجھ لیا جائے تو یہاں نفرتوں اور کدورتوں کی جگہ محبت والفت اور امن وآشتی کا دور دورہ ہو جائے گا۔حضور

اکرم ﷺ کے مقصد بعثت کی نشر واشاعت ہی انسانی حرمتوں کی پاسبان ہے۔آپ دوسروں کے درد بانٹنے اور انہیں اپنا درد سمجھنے کی تلقین کرتے ہیں۔آپ لوگوں پر یہ چیز واضح فرماتے ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ سے جیسے سلوک کی توقع کرتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اللہ کے بندوں سے ایسا ہی سلوک کرے۔آپ ﷺ فرماتے ہیں:

"من نفس عن مسلم كربة من كرب الدنيا نفس الله عنه كربة من كربات يوم القيامة ومن يسر على معسر يسر الله عليه في الدنيا والاخرة والله في عون العبد ما كان العبد في عون اخيه." (۱۰)

''جس نے کسی مسلمان کے دنیا دکھوں میں سے کسی دکھ کو دور کیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دکھوں میں سے اس کے دکھ دور کرے گا اور جس نے دنیا میں کسی تنگ دست پر آسانی کی۔اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس پر آسانی فرمائے گا۔جس نے دنیا میں کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔اللہ تعالیٰ اس وقت تک کسی بندے کی مدد فرماتا رہتا ہے جب تک وہ بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے۔''

حضور اکرم ﷺ جس پیغام کو لے کر تشریف لائے تھے۔جس کا اعلان آپ نے کبھی صفا کی چوٹی پر فرمایا اور کبھی طائف کے بازاروں میں اسی کی تکمیل کیلئے آپ کبھی معرکہ بدر میں جلوہ فرما ہوئے اور کبھی حنین وخندق میں۔وہی پیغام انسانیت کی فلاح کا ضامن ہے اور رہتی نوع انسان کی جان، مال اور عزت کا محافظ ہے۔خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے فرمایا:

"اى يوم هذا قالوا يوم الحج الاكبر قال ان دماء كم و امواكم و اعراضكم بينكم حرام كحرمة يومكم هذا في بلدكم هذا." (۱۱)

''یہ کون سا دن ہے۔لوگوں نے عرض کیا یہ حج اکبر کا دن ہے آپ نے فرمایا: بے شک تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تمہارے درمیان ایسے ہی قابل احترام ہیں جیسے اس شہر میں یہ دن محترم ہے۔''

آپ نے لوگوں کو امانت اور دیانت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

"ما ظهر الغلول في قوم الا القى الله في قلوبهم الرعب ولا فشا الزنا في قوم الاكثر فيهم الحدث ولا نقص قوم المكيال والميزان الا قطع الله عنهم الرزق ولا حكم قوم بغير حق الافشا فيهم الدم ولاختر قوم بالعهد الا سلّط عليهم العدو." (۱۲)

''جب بھی کسی قوم میں بددیانتی ظاہر ہوتی ہے تو اس قوم کے دلوں میں رعب ڈال دیا جاتا ہے۔ جب بھی کسی قوم میں بدکاری عام ہو جائے تو اس میں کثرت سے اموات واقع ہوتی ہیں۔ جب کوئی قوم ناپ اور تول میں کمی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا رزق بند کر دیتا ہے۔ جب کوئی قوم ناحق فیصلے کرتی ہے تو اس میں خونریزی عام ہو جاتی ہے اور جب کوئی قوم وعدہ خلافی کرتی ہے تو اس پر دشمن کو مسلط کر دیا جاتا ہے۔''

ذخیرہ اندوزی کی مذمت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

''من احتکر من المسلمین طعاما ضرب اللّٰہ بالجزام والافلاس۔''(۱۳)

''جو بھی مسلمانوں سے ذخیرہ اندوزی والا معاملہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے کوڑ اور افلاس میں مبتلا کر دے گا۔''

الغرض نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری کا مقصد لوگوں کو ہر قسم کی تاریکیوں اور اندھیروں سے نکال کر ہدایت اور امن و آشتی کے نور کی طرف لانا تھا۔ جس طرح انسانی بدن اپنے قلب کے تابع ہے کہ اگر انسان کا قلب درست ہو جائے تو اس کا پورا بدن درست ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع انسان کو ہر قسم کی گمراہی اور ضلالت سے بچالیتا ہے اور نبی کریم ﷺ کا مقصد بعثت لوگوں کو صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کا درس دینا ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص آپ ﷺ کے مقصد بعثت کی نشر و اشاعت میں مشغول ہو گیا گویا وہ مقصد نبوت کی تکمیل میں مصروف ہو گیا۔ مقصد بعثت کی نشر و اشاعت کی اہمیت و افادیت اس چیز سے بھی واضح ہے کہ نبی کریم ﷺ کو ہر چیز سے بڑھ کر یہی چیز محبوب تھی کہ اللہ کے بندے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ آئیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب کفار نے آپ ﷺ پر ظلم و ستم کی انتہا بھی کر دی تو آپ نے ان کی تباہی کی دعا نہیں فرمائی بلکہ ہمیشہ ان کی ہدایت کی ہی دعا فرمائی۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں:

''ایک روز ہمارے نبی ﷺ کوہ صفا پر بیٹھے ہوئے تھے ابوجہل وہاں پہنچ گیا اس نے نبی ﷺ کو گالیاں دیں اور جب نبی ﷺ گالیاں سن کر چپ رہے تو اس نے ایک پتھر حضور ﷺ کے سر پر پھینک مارا جس سے خون چلنے لگا نبی ﷺ کے چچا حمزہؓ کو خبر ہوئی وہ ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے قرابت کے جوش میں ابوجہل کے پاس پہنچے اور اس کے سر پر کمان کھینچ ماری کہ وہ زخمی ہو گیا۔ حمزہؓ پھر نبی ﷺ کے پاس گئے اور کہا ''بھتیجے! تم یہ سن کر خوش ہو گے کہ میں نے ابوجہل سے تمہارا بدلہ لے لیا'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''چچا میں ایسی باتوں سے خوش نہیں ہوا کرتا۔ ہاں! تم مسلمان ہو جاؤ تو مجھے بڑی خوشی ہو گی۔ حمزہؓ اسی وقت مسلمان ہو گئے۔''(۱۴)

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اپنے مقصد بعثت کی نشر و اشاعت کس قدر محبوب ہے۔ جب حضور اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ کو مرحب کا مقالہ کرنے کیلئے بھیجا تو انہیں فرمایا کہ اے علیؓ! انہیں پہلے اسلام کی دعوت دینا کیونکہ:

"فواللّٰہ لأن یھدی بك رجلا واحدا خیر لك من ان یکون لك حمر النعم۔"(۱۵)

''ان کی قسم! تیسری وجہ سے کسی ایک شخص کو ہدایت کا مل جانا سرخ اونٹوں کے ملنے سے بہتر ہے۔''

ان شواہد سے واضح ہو رہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اپنے مقصد بعثت کی نشر و اشاعت کس قدر محبوب تھی اور اسی چیز یں میں مشغول ہو جانا حضور اکرم ﷺ کے حقوق میں سے ایک اہم حق ہے۔''

مبحث سوم
مقصدِ بعثت کی ترغیب واشاعت
کے مختلف ذرائع

سابقہ مباحث سے واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ کا مقصد بعثت لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا ہے۔ جب کوئی انسان اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ آیا تو گویا وہ نیکی اور خیر کا پیکر بن گیا اور یہی مقصد حضور اکرم ﷺ کو دوسری کسی بھی چیز سے عزیز نہ تھا یہاں تک کہ اگر آپ کی حیات مبارکہ میں ترجیحات کا تعین کیا جائے تو اوّلین ترجیح اس مقصد کو حاصل تھی۔ امت پر رسول کریم ﷺ کا حق ہے کہ وہ اس مقصد کی نشر و اشاعت میں مشغول ہو اور ہر ممکن طریقے سے اس مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔ اس مقصد بعثت کا پایۂ تکمیل تک پہنچنا خدائی منصوبہ ہے اور کوئی چیز خدائی منصوبہ کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ جیسے سورج کو طلوع ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا ایسے ہی نبی کریم ﷺ جس مقصد کو لے کر تشریف لائے اس مقصد کی تکمیل کو بھی کوئی نہیں روک سکتا۔ حضرت خبابؓ بن الارت فرماتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ بیت اللہ کے سائے میں چادر سر کے نیچے رکھے آرام فرمارہے تھے۔ ہم آپ کے پاس شکایت لے کر حاضر ہوئے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ ہمارے لیے خدا سے مدد کیوں نہیں طلب فرماتے، آپ اس ظلم کے خاتمہ کی دعا کیوں نہیں فرماتے۔ نبی کریم ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: تم سے پہلے ایسے لوگ ہو گزرے ہیں کہ ان میں سے بعض کیلئے گڑھا کھودا جاتا۔ پھر اس کو گڑھے میں کھڑا کر دیا جاتا، پھر آرا لایا جاتا اور اس کے جسم کو چیر دیا جاتا۔ یہاں تک کہ اس کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے، پھر بھی وہ اپنے دین سے نہ پھرتا اور اس کے بدن پر لوہے کے کنگھے چبھوئے جاتے جو گوشت کو چیرتے ہوئے ہڈیوں اور پٹھوں تک پہنچ جاتے۔ مگر وہ خدا کا بندہ اپنے دین سے نہ پھرتا، خدا کی قسم! یہ دین غالب ہو کر رہے گا یہاں تک کہ ایک سوار صنعاء سے لے کر حضر موت تک سفر کرے گا اور راستے میں اسے خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔ البتہ چرواہوں کو صرف بھیڑیوں کا خوف رہے گا کہ کہیں بکری اٹھا کر نہ لے جائیں مگر افسوس ہے کہ تم جلدی کر رہے ہو۔''(۱۶)

حضرت مقداد بن اسودؓ سے مروی یہی مفہوم ان زوردار الفاظ میں بیان کیا گیا:

"لا یبقی علی ظهر الارض بیت مــدر ولا وبر الاّ ادخله اللّٰه کلمــة الاسلام" (۱۷)

''سینہ دھرتی پر کوئی کچا یا پکا گھر ایسا نہیں بچے گا مگر اللہ تعالیٰ اس میں کلمہ اسلام کو داخل فرمادے گا۔''

مقصد بعثت کا تکمیل کا پہنچنا تو خدائی منصوبہ ہے اور خدائی منصوبہ ہر حال میں پورا ہوتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ ہم اس میں کہاں تک شرکت کرتے ہیں اور اپنے فرائض کہاں ادا کرتے ہیں۔ مقصد بعثت کی نشر و اشاعت کسی مخصوص گروہ یا

فرد کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ یہ ہر امتی کا فرض ہے کہ وہ امکانی حد تک اس فریضہ کو سرانجام دے۔ اسلام میں ذمہ داریوں کا تعین اختیارات سے کیا گیا ہے۔ کسی بھی کام میں ہر بندے پر اتنی ہی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہے جتنی اس میں استطاعت ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی بھی انسان کو اس کی استطاعت کی بڑھ کر حکم نہیں دیتا۔ ہر انسان اپنی استطاعت کی حد تک ہی جواب دہ ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

”کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته فالإمام راع وهو مسٔول عن رعیته والرجل في أهله راع وهو مسئول عن رعیته والمرأة في بیت زوجها راعیة وهي مسٔولة عن رعیتها والخادم في مال سیده راع وهو مسئول عن رعیته.“(۱۸)

”تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ حاکم سے اس کی رعایا کے متعلق سوال ہوگا۔ آدمی اپنے گھر میں بادشاہ ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ عورت اپنے خاوند کے گھر میں بادشاہ ہے اور اس سے اس کی رعایا کے متعلق سوال ہوگا۔ خادم اپنے آقا کے مال میں نگہبان ہے اور اس سے اس کے متعلق سوال ہوگا۔“

یعنی ہر شخص اتنا ہی ذمہ دار ہے جتنا اس کے پاس اختیار ہے۔ نبی کریم ﷺ کے مقصد بعثت کی نشر و اشاعت نہ کسی مخصوص گروہ کی ذمہ داری ہے اور نہ ہی کسی خاص فرد کی بلکہ یہ حضور اکرم ﷺ کے ہر امتی کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق اسے سرانجام دے۔

یہ حقیقت نا قابل انکار ہے کہ کوئی بھی مقصد اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب پوری قوم اور مکمل معاشرہ اسے حاصل کرنے میں گم ہو جائے۔ یہ مقصد بھی اسی وقت حاصل ہوگا جب اساتذہ اپنی جگہ پر جدو جہد کریں اور طلبہ اپنی حیثیت سے والدین کو بھی اس کا احساس ہو اور اولاد بھی اس کے شعور سے واقف آقا و غلام، چھوٹا بڑا، امیر و غریب الغرض ملت اسلامیہ کے ہر فرد کو اس کا احساس آخری حد تک ہو کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے مقصد بعثت کو ہر اس انسان تک پہنچانا ہے جس تک یہ نہیں پہنچا۔ آج تک دنیا کا ایک بہت بڑا حصہ ایسا ہے جو نہیں جانتا کہ اسلام کیا ہے؟ اور قرآن کریم کی تعلیمات کیا ہیں۔

اس مقصد کی نشر و اشاعت کا کوئی ایک ذریعہ نہیں۔ اور نہ ہی یہ کسی ایک گروہ کی ذمہ داری ہے۔ اس کیلئے رسول کریم ﷺ کی امت کے ہر فرد کو مبلغ بننا ہوگا اور نبی کریم ﷺ کے پیغام ہر اس جگہ تک پہنچانا ہوگا یہاں تک یہ نہیں پہنچا جیسا کہ رسول کریم ﷺ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا:

”فلیبلغ الشاهد الغائب.“(۱۹)

”کہ جو یہاں موجود ہے وہ میرا پیغام ہر اس شخص تک پہنچا دے جس تک یہ پیغام نہیں پہنچا۔“

اس ذمہ داری کو نبھانے اور اس فریضہ کو سرانجام دینے کیلئے ہر شخص کو ایک زندہ رول ادا کرنا ہوگا والدین سے لے کر تعلیمی اداروں تک اور ملکی سطح سے لے کر عالمی سطح تک ہر شخص اس فریضہ کو نبھانے کا مکلّف ہے ورنہ ملت اسلامیہ کبھی بھی اس سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتی۔

یہ سوچ قابل مذمت بھی ہے اور باعث اصلاح بھی کہ اگر وارثان منبر ومحراب سارا زور کلامی مباحث پہ لگا دیں اور مذہب کے نام پر منعقد ہونے والے پروگرام کسی خاص مکتبہ فکر کی سوچ کو پھیلانے کا فریضہ تو سرانجام دیں لیکن وہ اصل پیغام جسے نبی کریم ﷺ لے کر تشریف لائے تھے اس کی نشر واشاعت کا احساس تک نہ ہو۔ اگر امراء عیاشی میں ڈوب جائیں اور علماء فروعی مباحث میں الجھ جائیں تو یہی نشانی کسی زوال پذیر قوم کی علامت ہوتی ہے۔ اس پیغام کی حیثیت انسانیت کیلئے وہی ہے جو روح کی بدن کیلئے ہوتی ہے ہم جب اس اصل پیغام کو چھوڑ دیں گے تو ہمارا وجود ایک مردہ وجود ہوگا۔

اس پیغام کو ہر مقام پر اور ہر فرد تک پہنچانے کے جتنے مواقع آج میسر ہیں ماضی میں شاید ان کا تصور بھی محال تھا ۔آج الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا اس قدر ترقی کر گیا ہے کہ جس پیغام کو پہچانے کیلئے بہت لمبے سفر کر کے بھی شاید وہاں نہیں پہنچا جاسکتا تھا یہاں آج ایک انٹرنیٹ کے ذریعہ پہنچا جاسکتا ہے سائنس کی جدید سہولیات اور تمام ایجادات اسلام کے راستے میں رکاوٹ نہیں بلکہ نبی کریم ﷺ کے لائے ہوئے پیغام کو پہچانے کے لیے مددومعاون ثابت ہوسکتی ہیں بشرطیکہ ملت اسلامیہ اپنی ذمہ داری کا احساس کرے۔

انٹرنیٹ عصر حاضر کی ایک ایسی ایجاد ہے جس نے انسان کے لیے ناقابل تصور حد تک آسانیاں پیدا کی ہیں پہلے ایک کتاب ڈھونڈنے کیلئے نہ جانے ایک انسان کو کہاں کہاں جانا پڑتا تھا اور کتنی صعوبتیں اور کلفتیں اٹھانی پڑتی تھیں جبکہ اب ہر چیز آپ کو کمپیوٹر اور انٹرنیٹ پر بڑی آسانی سے دستیاب ہے۔ اسلام دشمن قوتیں انہیں ذرائع سے اپنی فکر مسموم پھیلانے میں ہمہ تن مشغول ہیں اور ہماری جدید نسل کے اذہان وقلوب پر تابڑتوڑ حملے کر کے انہیں دین سے برگشتہ کرنے میں مصروف عمل ہیں، نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی اور آپ کے لائے ہوئے پیغام کے متعلق شکوک وشبہات پیدا کرنا اور دنیا کو اسلام کی وہ تصویر دکھانا جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جو کام پہلے کتابی شکل میں کیا جاتا تھا اب کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے ذریعہ سے بڑی محنت اور جانفشانی سے سرانجام دیا جارہا ہے۔

اس کے مقابلہ میں کیا ملت اسلامیہ نے ان جدید ذرائع ابلاغ کو نبی کریم ﷺ کے پیغام کی نشر واشاعت کا ذریعہ بنایا یا صورت حال اس کے برعکس ہے۔ استثنائی صورتوں کو چھوڑ کر اہل اسلام نے انٹرنیٹ کو جس مقصد کیلئے استعمال

کیا وہ چند مضحکہ مناظرے اور چند تمسخر آمیز تقاریر ہیں جن کا نہ کوئی علم سے تعلق ہے اور نہ ہی نبی کریم ﷺ کے لائے ہوئے پیغام کی نشر و اشاعت سے ۔ کیا ملت اسلامیہ اسی ڈگر پر چلتی رہے گی؟ کیا کبھی بھی انہیں اپنی ذمہ داری کا احساس نہیں ہو گا؟ ہمیں اپنی اس روش کو بدل کر ان جدید ذرائع ابلاغ سے پیغام نبوی ﷺ کی نشر و اشاعت کے لیے استعمال کرنا ہو گا۔ مناظرانہ سوچ سے اٹھ کر داعیانہ سوچ اور کردار اپنانا ہو گا۔ باہمی جنگ وجدل کے معرکے گرم کرنے کی بجائے ہمیں نبی کریم ﷺ کے لائے ہوئے پیغام کو پھیلانے کی فکر کرنی ہو گی۔ اگر ہم میں یہ سوچ اور فکر پروان نہ چڑھی تو ہم نبی کریم ﷺ کے حقوق کی ادائیگی کا فریضہ سرانجام دینے سے قاصر رہیں گے۔ ہماری تحریر وتقریر کسی کو گمراہ لادین اور کافر ومشرک ثابت کرنے کیلئے نہیں ہونی چاہیے بلکہ اس مقصد کی نشر و اشاعت کے لیے ہوئی جو نبی کریم ﷺ کا مقصد بعثت تھا ورنہ ہم اس حق کی ادائیگی سے محروم رہیں گے جو نبی کریم ﷺ کا ہم پر لازم ہوتا ہے۔

فصل دوم
ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر کیئے گئے
اعتراضات کا محاکمہ

نبی کریم ﷺ کے امت پر حقوق کی جو عملی صورتیں ہیں ان میں سے ایک اہم چیز ان اعتراضات کا رد کرنا ہے جو ذات رسالتمآب ﷺ پر بالواسطہ یا بلاواسطہ کیے جاتے ہیں۔ اس میں نبی کریم ﷺ کا حق ہونے یا امت کا فرض ہونے میں تو کوئی اشکال نہیں بلکہ اس کی اہمیت وافادیت اس حقیقت سے بھی واضح ہوتی ہے کہ دلیل بذات خود ایک بہت بڑی طاقت ہے اور دلیل کی قوت بڑے سے بڑے سرکش انسان کو بھی گھائل کر دیتی ہے اور دلیل کا جواب گولی نہیں ہوتی اور نہ ہی کوئی اور مادی چیز مخبتق ہے بلکہ دلیل کا جواب صرف اور صرف دلیل ہی ہوتی ہے اور اگر نبی ﷺ کی ذات گرامی پر کسی نے کوئی اعتراض کیا ہے تو جب تک اس اعتراض کا علمی اور تحقیقی محاکمہ نہ کیا جائے تو انسانی ذہن کبھی بھی صاف نہیں ہوسکتا۔

گروہ صحابہؓ میں یہ شرف خصوصی طور پر حضرت حسان بن ثابتؓ کو حاصل ہے کہ وہ ان اعتراضات کا جواب اپنے اشعار سے دیتے تھے جو کفار کی طرف سے نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس واطہر پر کیے جاتے تھے اور مابعد ادوار میں بھی ملت اسلامیہ یہ فریضہ سرانجام دیتی آئی ہے۔ آج پھر اس فریضہ کو بڑی جدوجہد اور شدت سے ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ قرآن کریم میں خود اللہ تعالیٰ نے قریش کے ان متعدد سوالات واعتراضات کے جوابات دیئے جو انہوں نے نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی پر کیے تھے۔ اس پس منظر میں یہ بات بالکل واضح ہورہی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے امت پر جو عملی حقوق ہیں ان میں یہ پہلو بھی ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ آخر ان اعتراضات کے اسباب کیا ہیں کہ اس ذات اقدس کو محل طعن بنالیا گیا جن کے عظمت کردار میں اس وقت کے کافر بھی کوئی انگلی نہ اٹھا سکتے تھے۔ آئندہ سطور میں اسی سوال کا جائزہ لیا گیا ہے۔

مبحث اوّل
ذاتِ رسالت مآب ﷺ پر کئے گئے
اعتراضات کے اسباب

نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی اس قدر اعلیٰ وارفع اوصاف وکمالات کی حامل ہے کہ آپ کی جان کے دشمن اور آپ کے مقابلہ میں جنگیں کرنے والے اور آپ کی جان کے پیاسے بھی آپ کے ذاتی کردار اور شخصیت پر کوئی انگلی نہ اٹھا سکے۔ اعلان نبوت سے قبل بھی آپ کی ذات اس اقدس واطہر اور بلند ترین اوصاف وکمالات کی حامل تھی کہ جب آپ نے نبوت کا اعلان فرمایا تو اپنی ذات اقدس کو دلیل نبوت کی صداقت کے طور پر پیش فرمایا:

"قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَ لَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ"(۲۰)

"آپ کہہ دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو میں تمہیں یہ کتاب پڑھ کر نہ سناتا اور نہ وہ تمہیں اس سے واقف کرتا۔ یقیناً اس سے پہلے میں تم میں ایک عمر بسر کر چکا ہوں تو کیا تم نہیں سمجھتے۔"

یعنی اے لوگو! میں تم تک جو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا رہا ہوں اس سے میری غرض کوئی شہرت وناموری کا حصول یا کسی مادی مقصد کو پالینا نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور میں اس کی تعمیل کر رہا ہوں۔ اگر تمہیں میری صداقت پر یقین نہ آئے تو میری سابقہ زندگی میں ہی غور کر لو کہ ایک شخص چالیس سال شرک وکفر سے بھرپور معاشرہ میں رہے ہے لیکن اس کا ایک قدم بھی غلط سمت نہ اٹھے، وہ فحاشی، لوٹ مار اور بے حیائی سے بھرے ہوئے اس ماحول میں اپنی زندگی کے چالیس سال بسر کرے لیکن نہ اس کی نظر غلط سمت اٹھے اور نہ ہی اس کا قدم غلط رخ پر اٹھے تو پھر تمہیں ماننا پڑے گا کہ وہ خود نہیں جی رہا بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی نظر کے سائے میں رہ رہا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی دستگیری فرما رہا ہے۔

آپ کی شخصیت اس قدر اعلیٰ وارفع اور مسلمہ تھی کہ آپ کے دشمن بھی آپ کو صادق اور امین کہہ کر پکارتے تھے یہاں تک کہ جب ہرقل نے ابوسفیان سے سوال کیا:

"فهل كنتم تتهمون بالكذب قبل ان يقول ما قال؟ قلت: لا، قال هل يغدر؟ قلت لا۔" (۲۱)

"کیا اس سے پہلے انہوں نے کبھی کوئی جھوٹ بولا تو میں نے کہا نہیں، اس نے کہا کبھی اس نے بدعہدی کی۔ تو میں نے کہا نہیں۔"

سوال یہ ہے کہ اتنی مسلمہ ذات گرامی پر اعتراضات کے اسباب کیا ہیں؟ جن پر ابوجہل اور ابولہب بھی طعن نہ کر سکے۔ آج کے علم وتحقیق کے مدعی آخر ان کے متعلق یہ روشنی اختیار کیوں کیے ہوئے ہیں۔ تو جب ہم تجزیہ کرتے ہیں تو ہمیں اس سوچ کی تہہ میں چند اسباب بڑے واضح اور نمایاں نظر آتے ہیں تو صحیح مرام کیلئے ان میں سے چند اسباب ملاحظہ ہوں:

۱۔تعصب وہٹ دھرمی:

تعصب وہٹ دھرمی ایک ایسا روگ ہے جو انسان کو حقیقت پسندی سے بہت دور لے جاتا ہے۔آج کل کے معترضین اور کفار مکہ میں یہ فرق ضرور ہے کہ مکہ کے کافر تمام تر قباحتوں اور علاوتوں کے باوجود آخر عرب تھے اور عرب دشمنی میں بھی اخلاقی حدوں کو پامال نہیں کرتے تھے۔اس لیے انہوں نے اسلام دشمنی میں اپنا سب کچھ برباد کیا لیکن اخلاقی حدود وقیود کو پامال نہیں کیا۔جب کہ آج ہمیں جن مدعیان علم و دانش سے واسطہ ہے وہ اخلاقی حدود کو پامال کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔اس لیے وہ سب کچھ جانتے ہوئے وہ کچھ کہہ دیتے ہیں جو کہنے کیلئے نہ جانے وہ اپنے ضمیر کو کیسے مطمئن کر لیتے ہیں؟

اس تناظر میں جسٹس پیر محمد کرم الازہری لکھتے ہیں:

> ''مستشرقین نے سیرت رسول ﷺ کے خلاف جو کچھ لکھا ہے جھوٹ اور فریب کے سہارے لکھا ہے۔جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے لیکن تہذیب وثقافت کی ترقی کے اس دور میں جھوٹ بولنا ایک فن بن گیا ہے۔ابوسفیان دربار ہرقل میں حضور ﷺ کے خلاف کوئی ایسی بات نہ کہہ سکا جو جھوٹی ہو۔اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ حضور ﷺ کا کٹر دشمن ہونے کے باوجود فن دروغ گوئی کا ماہر نہ تھا۔وہ کافر ضرور تھا لیکن اس کے نزدیک جھوٹ ایک اخلاقی مرض تھا۔اس لیے وہ جھوٹ نہ بول سکا۔مستشرقین کے نزدیک جھوٹ ایک اخلاقی مرض نہیں بلکہ ایک فن ہے اور فن کوئی بھی ہو اس میں کمال، کمال ہوتا ہے جھوٹ بولنے کیلئے کسی علمی بنیاد کی ضرورت نہیں صرف ذہن کی زرخیزی درکار ہوتی ہے اور مستشرقین کے اذہان منفی کاموں کیلئے بہت زرخیز ہوتے ہیں۔''(۲۲)

معترضین سے یہ سارے دجل وفریب کے تانے بانے تعصب اور ہٹ دھرمی بنواتی ہے۔

جہالت وناواقفیت:

ممکن ہے ان لوگوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں جن تک سیرت الرسول ﷺ کی صحیح معلومات ہی نہ پہنچی ہوں۔ بالخصوص یورپین ممالک میں متعصب لکھاریوں نے جیسا چاہا وہ بنا کے پیش کر دیا۔چونکہ ملت اسلامیہ باہمی افتراق وانتشار کی آگ میں اس طرح جل رہی ہے کہ ایسے مثبت اور دیرپا کام اس کے شیڈول سے خارج ہو چکے ہیں کہ وہ سیرت کا صحیح رخ ان لوگوں پر واضح کریں جنہیں غلط اور من گھڑت معلومات دے کر حقیقت سے دور رکھنے کی ایک گہری سازش کی گئی ہے۔جیسے ایک شہر کو ایک آدمی نے ایک تصویر دکھائی جس میں ایک شیر کا گلا ایک انسان نے دبایا ہوا تھا اور انسان نے

اسے کہا کہ دیکھ انسان کتنا دلیر ہے کہ اس نے ایک شیر کا گلا دبو چا ہوا ہے تو شیر نے کہا یہ ایسا اس لیے ہے کہ یہ تصویر ایک انسان نے بنائی ہے حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اسی طرح یورپی لکھاریوں نے نبی کریم ﷺ سے لوگوں کو دور کرنے کے لیے اپنے وسائل سے کام لے کر جو تصویر پیش کی ہے اس میں ایک عام آدمی خواہ مخواہ گمراہ ہو گیا ہے۔

ملت اسلامیہ کا یہ فریضہ ہے کہ وہ ایسی سازشوں کو سمجھ کر مثبت اور ٹھوس بنیادوں پر اس کا حل پیش کرے۔ وہ مختلف زبانوں میں ایسا لٹریچر پیش کرے اور گھر گھر پہنچانے کا وسیع پیانے پر اہتمام کرے جو اسلام اور پیغمبر اسلام کی حقیقی تعلیمات پر مبنی ہو، انہیں مخصوص گروہی سوچ سے اوپر اٹھ کر اسلامی سوچ اپنانے کا فریضہ سرانجام دینا ہو گا ورنہ حقوق الرسول ﷺ کو ادا نہ کرنے کا جرم سب کی گردن پر رہے گا۔

نبی کریم ﷺ کی سیرت اس قدر شفاف اور بے مثال ہے کہ اگر اسے صحیح معنوں میں اور مناسب انداز میں دنیا کے سامنے پیش کر دی جائے تو دنیا کا ایک بہت بڑا حصہ خود بخود اسلام قبول کر لے گا۔

مفاد پرستی:

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کا دین، ایمان اور مقصد و مدعا صرف اور صرف اپنے مفادات کا حصول ہوتا ہے۔ وہ اپنے مفاد کے حصول کے لیے اپنا ضمیر بیچ سکتے ہیں، حق کو باطل اور باطل کو حق ثابت کرنے کے لیے ایڑھی چوٹی کا زور لگا سکتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس پر اعتراضات کا ایک سبب مفاد پرستی بھی ہے کہ وہ لابیاں جو اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف بڑے منظم اور مربوط طریقے سے برسر پیکار ہیں۔ وہ لوگوں کو مفادات دیکھ بھی ان سے ایسا کام لے سکتے ہیں۔ اس تناظر میں یہ رسول کریم ﷺ کا حق ہے کہ امت ان تمام اسباب کو سمجھے اور مجموعی وطور ان کے حل کا کوئی لائحہ عمل بنائے اور سیرت کو اس کے اصلی روپ میں دنیا کے کونے کونے تک پہنچانے کا فریضہ سرانجام دے۔

مبحث دوم

ذاتِ رسالت مآب ﷺ پر کئے گئے اعتراضات کی مختلف جہتیں

جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ ثابت کرنا آسان نہیں ہوتا ۔ دن کو رات اور رات کو دن کہنا تقریباً ناممکنات میں سے ہوتا ہے لیکن جھوٹ اور دجل وفریب کے علمبردار اپنے مشن میں اس قدر مخلص ہوتے ہیں سچائی اور سچ کے علمبرداران کا مقابلہ کرنے سے پہلوتہی کی پالیسی پر کاربند نظر آتے ہیں ۔ ویسے یہ بات ناقابل فہم ہے کہ جس محنت اور جدوجہد کا ثبوت جھوٹ کے نمائندے دیتے ہیں آخر سچ کے علمبردار اس محنت اور جدوجہد کا ثبوت کیوں نہیں دیتے جبکہ جھوٹ اور شر کے علمبردار دنیاوی مال وجاہ اور مادی مفادات کے حصول کیلئے کام کر رہے ہوتے ہیں جبکہ حق کے علمبردار اللہ تعالی کی رضا اور نبی کریم ﷺ کی خوشنودی کیلئے کوشاں ہوتے ہیں ۔ شر کے علمبردار صرف دنیا کیلئے کوشاں ہوتے ہیں جبکہ خیر کے نمائندے آخرت کی بہتری میں یہ فریضہ انجام کیوں نہیں دیتے ؟ قرآن کریم میں اسی پس منظر میں فرمایا گیا:

”وَ لَاتَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ وَ تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا“(۲۳)

”اور کفار کا پیچھا کرنے میں سستی نہ کرنا ۔ اگر تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو جس طرح تمہیں تکلیف پہنچتی ہے اسی طرح انہیں بھی تکلیف پہنچتی ہے اور تمہیں اللہ تعالی سے ایسی امیدیں ہیں جو انہیں نہیں ہیں اور اللہ تعالی سب جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہے ۔“

یعنی اگر کافر محض قومی عصبیت یا مادی مفادات کے حصول کیلئے اس قدر قربانیاں دے سکتے ہیں تو تمہیں محبت الٰہی اور جنتوں کے متمنی ہو تمہیں تو اس سے بڑھ کر قربانیاں دینی چاہیں ۔

ذات رسالتمآب ﷺ پر اعتراضات کرنے والے لوگ کسی دلیل پر قائم نہیں ہیں نہ ہی وہ کسی سچ یا حقیقت کے متلاشی ہیں ۔ ان لوگوں میں صرف ایک مقصد کو حاصل کرنے کی لگن موجود ہے جو انہیں نہ رات کو چین سے سونے دیتی ہے اور نہ دن کو آرام سے بیٹھنے دیتی ہے ۔ وہ رات دن ایک کر دیتے ہیں اپنا آرام وسکون قربان کر دیتے ہیں ۔ اس مقصد کو حاصل کرنا ان کا مطمع نظر ہے ۔

ان لوگوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات اقدس کو اعتراضات کا نشانہ بنانے کیلئے عربی زبان وادب پڑھا رات دن محنت کی ۔ اگر ان کی محنت میں خلوص شامل ہوتا تو یقیناً یہ لوگ کوئی بہت بڑی علمی اور ادبی خدمات سرانجام دے سکتے تھے لیکن چونکہ ان کی ساری محنتیں اور جدوجہد اسی نتیجہ کو اخذ کرنے کیلئے تھیں جو انہوں نے پہلے سے طے کر لیا تھا اس لیے ان کی محنت وکاوش کوئی مثبت نتیجہ نہیں نکال سکی بلکہ انتشار اور نفرتوں میں اضافہ ہوا ۔ گویا ان لوگوں نے تحقیق وتحلیل کے بعد نتائج اخذ نہیں کئے بلکہ اپنے سوچے سمجھے نتائج کو ثابت کرنا اپنی تحقیق کا مطلب ومقصود ٹھہرایا ۔ اسے ثابت

کرنے کے لیے حقائق کو مسخ کیا اور بڑی دور کی کوڑیاں ملائیں ان لوگوں کے دلوں میں رسالتمآب ﷺ کا جس قدر بغض تھا اس نے انہیں مثبت نتائج سے تو دور کر ہی دیا اور وہ کام بھی کیے جن کا کوئی جواز ان کی اپنی تحقیق کی روشنی میں بھی نہیں بنتا تھا۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری اس تناظر میں لکھتے ہیں:

''مستشرقین نے حضور ﷺ کے دامن کو داغدار کرنے کے لیے مختلف انداز اختیار کیے۔ انہوں نے آپ کو اپنے ڈراموں، فلموں اور تصویری کہانیوں کے ناپسندیدہ کردار کی شکل میں پیش کیا۔ کبھی آپ کے جسد انور کو جہنم کے پست ترین درجوں میں دکھایا۔ کبھی یہ ظاہر کیا کہ حضور ﷺ کا جسد انور زمین و آسمان کے درمیان معلق ہے، کبھی آپ کو دشمن مسیح بنا کر پیش کیا۔ کبھی آپ کو ایک بت کی شکل میں پیش کیا۔ کبھی انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ حضور ﷺ نے ایک کبوتر پال رکھا تھا جو آپ کے کانوں پر آ کر بیٹھتا اور آپ لوگوں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ فرشتہ ہے جو وحی لے کر آیا ہے۔''(۴۴)

مذکورہ بالا اقتباس ان کی اس کدورت اور بغض کا منہ بولتا ثبوت ہی ہے جو نبی کریم ﷺ اور آپ کی تعلیمات کے متعلق معترضین کے دلوں میں چھپا ہوا ہے۔ اس سوچ کو تو سوائے بغض وعناد کے کوئی اور نام نہیں دیا جا سکتا۔ اس کے علاوہ انہوں نے جو ایسے سوالات اور اشکالات وارد کیے ہیں وہ بھی کسی علمی دلیل پر قائم نہیں بلکہ وہ اسی تعصب کے مختلف روپ ہیں جس نمونہ کو اس اقتباس میں دیکھا جا سکتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس کو ہدف طعن بنانے کیلئے ان لوگوں نے ایک ہمہ گیر سازشی سوچ کو اپنایا ہے۔ انہوں نے ہر اس چیز پر طعن و تشنیع کے تیر چلائے ہیں جن کا تعلق بلا واسطہ یا بالواسطہ ذات رسالتمآب ﷺ سے تھا تا کہ وہ اپنے سوچے سمجھے منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکیں۔ جب تک ہم ان اعتراضات کے مختلف جہتوں کو نہیں سمجھ لیتے تو ظاہر ہے اس کا مداوا کرنے کا کوئی طریقہ سوچا ہی نہیں جا سکتا۔

انہوں نے نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ کو من گھڑت اور وضعی ثابت کرنے کے لیے ایڑھی چوٹی کا زور لگایا احادیث مبارکہ کے راویوں کے متعلق ہرزہ سرائی کی۔ ظاہر ہے اگر احادیث مبارکہ کی کوئی علمی اور عملی حیثیت ہی نہ رہے گی تو پھر دین کا ایک بہت بڑا حصہ نا قابل عمل قرار پائے گا۔

انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے مقام اور مرتبہ کو کم کرنے کیلئے نسل اسماعیل علیہ السلام کے عرب ہونے کی نفی کرنے کی کوششیں کی۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

''انہوں نے پہلے تو حضور ﷺ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے رشتہ منقطع کرنے کی کوشش کی۔اس میں کامیاب نہ ہوئے تو آپ کو حضرت ہاجرہ کے حوالے سے لونڈی کی اولاد ثابت کرنے کی سعی نامسعود کی۔ جب یہ کوشش بھی کامیاب نہ ہوئی تو آپ کی اہمیت کو کم کرنے کے لیے یہ اسلوب اپنایا کہ قبیلہ قریش کی مختلف شاخوں کو اپنے تخیل کے زور پر دو حصوں میں تقسیم کیا۔ایک طرف قبیلہ کی وہ شاخیں تھیں۔جن کے ہاتھوں میں مکہ کا اقتدار تھا اور طائف کی تجارت پر ان کی اجارہ داری تھی۔ اپنی دولت اور طاقت کے بل بوتے پر وہ جو چاہتے ،کرتے تھے دوسری طرف اس قبیلے کی کچھ شاخیں وہ تھیں جو کمزور تھیں یہ قبیلے اس قابل نہ تھے کہ وہ شام یا یمن کی طرف تجارتی قافلے بھیج سکتے یہ لوگ کہتے ہیں کہ قبیلہ بنو ہاشم کا شمار انہی کمزور قبائل میں ہوتا تھا اور مکہ کے طاقت ور اور دولت مند قبائل کے مقابلے میں قبیلہ بنو ہاشم کی کوئی حیثیت نہ تھی۔(۲۵)

معترضین کی اسی سوچ سے سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ ذات رسالتمآب ﷺ پر طعن کرنے کے لیے کتنی دور کی کوڑیاں ملاتے ہیں۔علاوہ ازیں انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے سماجی اور معاشرتی مقام و مرتبہ کو کم کرنے کی کوشش کی اور ان کی یہ فکر مسموم یہاں تک پہنچی کہ انہوں نے حضرت حلیمہ سعدیہ کے پاس آپ کا جانا بھی آپ کے معاشرتی طور پر بے وقعت ہونے کا نتیجہ قرار دیا۔منٹگمری واٹ لکھتا ہے:

The fact that Muhammad was a post thumous child may, of course, have been part of the reason for sending him to a wet- "(26)

''حقیقت ہے کہ محمد (ﷺ) یتیم پیدا ہوئے تھے۔آپ کو ایک مرضعہ کے سپرد کرنے کے مختلف اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہو سکتا ہے۔''

اسی طرح انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے اخلاق و کردار پر نازیبا اور بہت ہی گھٹیا حملے کیے آپ کے اخلاق عالیہ کو ہدف تنقید بنایا۔انہوں نے آپ کو استغفر اللہ مرگی کا مریض ثابت کرنے کی کوشش کی کہ نزول وحی کے وقت آپ پر جو کیفیت طاری ہوئی تھی دراصل وہ اس مرض کے سبب تھی۔ایک مستشرقین ''سپرنگر'' نے حضرت آمنہ کے فرشتوں کے دیکھنے کو مرگی کا مرض سمجھا اور کیفیت وحی کو اسی موروثی مرض کا نتیجہ قرار دیا۔سر ولیم میور (Sir William Muir) نے لکھا ہے:

At the moment of inspiration exiety became Troubled sweat dropped from his forehead and he would fall to ground as in a france."(28)

''نزول وحی کے وقت بے چینی پیغمبر (ﷺ) کو گھیر لیتی۔آپ کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمودار ہو جاتے آپ کی پیشانی سے پسینے کے قطرے ٹپکنے لگتے اور آپ اس طرح زمین پر گر پڑتے جس طرح انسان نیم مدہوشی کے عالم میں گر پڑتا ہے۔''

اسی طرح انہوں نے رسول کریم ﷺ کے پیغام رسالت کو مادی سوچ کا شاخسانہ ثابت کرنے کی کوشش کی۔ آپ کے تعدد ازدواج پر بے جا اعتراضات اور رکیک حملے کر کے اپنے خبث باطن کا ثبوت دیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے ذات رحمتہ للعالمین پر تشدد پسندی کا بھی الزام عائد کیا اور آپ کے لائے ہوئے کلام الٰہی پر اعتراضات کیے۔

الغرض انہوں نے ہر پہلو سے ذات رسالتمآب ﷺ کو ہدف طعن بنانے کی بھرپور کوشش کی، جو قابل مذمت ہے۔

مبحث سوم
ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر کئے گئے
اعتراضات حقائق کی روشنی میں

کہنے کو کوئی انسان جو چاہے کہہ سکتا ہے لکھنے کو جو چاہے لکھ سکتا ہے کیونکہ یہاں نہ کسی کا ہاتھ توڑا جا سکتا ہے نہ منہ بند کیا جا سکتا ہے۔اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و شعور بھی دیا ہے اور اظہار بیان کی طاقت بھی۔وہ اگر اپنی عقل خداداد کو غلط سمت میں لے جائے تو وہ حق کو باطل ثابت کر سکتا ہے اور باطل کو حق۔

مستشرقین نے ذات رسالتمآب ﷺ پر جتنے بھی اعتراضات کیے ہیں وہ بھی ان کے عقل و شعور اور خداداد صلاحیتوں کے غلط استعمال کا شاخسانہ ہیں ورنہ حقائق کی دنیا میں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔چند اعتراضات اور ان کی حقیقت پر ایک مختصر تجزیہ ملاحظہ ہو:

انہوں نے احادیث مبارکہ کو موضوع اور من گھڑت حکایات ثابت کر کے نبی کریم ﷺ کی تشریعی حیثیت کو کم کرنے کی کوشش کی۔حالانکہ انہیں چاہیے تھا کہ وہ کوئی بھی اصول بناتے وقت اسلامی امہات الکتب کی طرف رجوع کرتے۔اسلام کے مصادر و مراجع سے استفادہ کرتے کیونکہ وہ اسلام کے متعلق گفتگو کر رہے تھے اور قرآن و سنت میں حجیت حدیث پر ناقابل تردید شواہد موجود ہیں اور اگر عقل خداداد سے فائدہ اٹھانا بالکل ہی ترک نہ کر دیا جائے تو سوچا جا سکتا ہے کہ اگر حدیث پاک کو حجت نہ مانا جائے تو قرآن کے اجمال کی تفصیل کیسے ہوگی۔صلوٰۃ،صوم،زکوٰۃ اور حج وغیرھا کی عملی صورتیں کہاں سے لائی جائیں گی اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی اطاعت کا بار بار حکم دیا۔اس اطاعت کی تفصیلات کہاں محفوظ ہیں۔اسوہ حسنہ کی پیروی ضروری ہے۔اسوہ حسنہ کی تعلیمات اگر سنت سے نہ لی جائیں گی تو کہاں سے لی جائیں گی۔

قرآن مجید پر ایمان بھی تو بغیر حدیث کے ممکن نہیں ہے کیونکہ قرآن و سنت دونوں کا مصدر ذات رسالتمآب ﷺ ہے اگر کوئی بندہ یہ کہے کہ میں قرآن مجید کو تو مانتا ہوں لیکن سنت کو نہیں مانتا تو اس سے پوچھا جائے گا کہ آپ کو قرآن کے قرآن ہونے کا علم کیسے ہوا؟ کیا قرآن مجید نے آپ کو بول کر بتایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا کلام ہوں؟ کیا آپ کو آسمان سے کوئی آواز آتی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے؟ ظاہر ہے ایسی کوئی بات نہیں۔تو آخر آپ کو قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے کا علم کیسے ہوا ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بتایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔تو قرآن مجید کا قرآن مجید ہونا بھی ہمیں حدیث سے ہی معلوم ہوا۔

دراصل مستشرقین کا یہ اعتراض بھی محض ضد اور ہٹ دھرمی ہے۔پیر محمد کرم شاہ الازہری اس تناظر میں لکھتے ہیں:

> ”مستشرقین نے احادیث طیبہ کے خلاف جو زہر اگلا ہے۔اس کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے وہ کمزور اور موضوع روایات کی بنیادوں پر اپنی تحقیق کا محل تعمیر کرتے رہتے ہیں اور احادیث کی

کتابوں میں موضوع روایات کی موجودگی کو اس بات کی دلیل قرار دیتے ہیں کہ احادیث کا سارا سرمایہ مشکوک ہے کیونکہ اس سرمائے میں جب کچھ احادیث کا موضوع ہونا ثابت ہے تو پھر ان کے خیال میں اس بات کی کوئی دلیل باقی نہیں رہتی کہ دیگر احادیث بھی اس طرح مشکوک نہیں ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ احادیث کی کتابوں میں موضوع احادیث کی موجودگی کوئی ایسی بات نہیں جس کے انکشاف کا سہرا مستشرقین کے سر بندھتا ہو بلکہ مسلمان ہر زمانے میں اس قسم کی احادیث سے آگاہ رہے اور امت مسلمہ کے علماء نے اپنے دینی بھائیوں کو ہمیشہ احادیث سے آگاہ اور خبردار کیا ہے بلکہ حق تو یہ ہے کہ مستشرقین کو ایسی احادیث کے موضوع ہونے کا پتہ ہی مسلمانوں کی خوشہ چینی سے ملا ہے۔ وگرنہ جو قوم بائبل کے ہر رطب و یابس کے کلام الٰہی ہونے پر یقین رکھتی ہے اسے کیا خبر کہ صحیح حدیث کون سی ہے اور موضوع حدیث کون سی ہے۔'' (۲۹)

اگر یہ کہا جائے کہ حدیث کی حجیت کا انکار صرف مستشرقین نے تو نہیں کیا۔ مسلمانوں میں منکرین حدیث کا ایک گروہ موجود ہے جو حدیث کو حجت نہیں مانتا۔ تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ کیا انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ جمہور اہل اسلام کی رائے کو چھوڑ کر ایک ایسے گروہ کی بات پر عمل کیا جائے خود مسلمان جس کی ہمیشہ تردید کرتے آئے ہیں۔ یا انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ جمہور اہل اسلام کی رائے پر عمل کیا جائے۔ ظاہر ہے اگر کسی چھوٹے سے گروہ کی بجائے جمہور اہل اسلام کے قول کو اپنانا عقل و انصاف کا تقاضا ہے تو آخر یہاں الٹی گنگا کیوں بہائی جا رہی ہے؟

یہاں تک رسول کریم ﷺ کے سماجی اور معاشرتی مقام و مرتبہ کو کم کرنے کا تعلق ہے تو ظاہر ہے یہ اعتراض بھی صرف بغض و کینہ کی بنا پر کیا جا رہا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے نبوت کے اعلان سے قبل مکہ والے آپ کو صادق اور امین کے لقب سے پکارتے تھے اور جب حجر اسود کی تنصیب کا مرحلہ آیا تھا تو رسول کریم ﷺ کو آتا دیکھ کر سب پکار اٹھے تھے کہ صادق اور امین آ گئے ہم ان کے فیصلہ سے راضی ہیں اور حضرت حلیمہ سعدیہ کے پاس رضاعت کے لیے بھیجنا نہ جانے کس طرح آپ ﷺ کے لیے باعث طعن بن سکتا ہے کیونکہ آپ سردار قریش کے پوتے تھے۔ اگر ان کی سماجی حالت ویسی ہی تھی جیسا کہ مستشرقین ثابت کرنا چاہتے ہیں تو ظاہر ہے کہ اگر ایک ماں کے پاس کوئی مال و زر نہیں ہے تو وہ اپنے بچے کو خود دودھ پلاتی اسے کیا ضرورت تھی کہ وہ اسے کسی مرضعہ کے سپرد کرتی؟ اور مرضعہ کے سپرد کرنا ہی ان کے خوشحالی اور آسودہ ہونے کی علامت تھا جسے بالکل دوسرے معنی میں لے لیا گیا۔

یہاں تک نبی کریم ﷺ کے بنو اسماعیل میں سے ہونے کا تعلق ہے تو قرآن و سنت کے شواہد کے علاوہ خود مستشرقین میں سے ایسے لوگ موجود ہیں جو باوجود تمام تعصب کے اس حقیقت کو جھٹلا نہیں سکے۔

انسائیکلوپیڈیا آف ریلجن میں ہے:

"He was an Ismaelite, who taught his country men to return to the religion of Abraham and claim the promises made the descendants of Ishmael." (30)

''وہ (حضرت محمد ﷺ) ایک اسماعیل تھے جنہوں نے اپنے ہم وطن لوگوں کو یہ تعلیم دی کہ وہ دین ابراہمی کی طرف رجوع کریں اور ان خدائی وعدوں سے مستفیض ہوں جو نسل اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ کیے گئے ہیں۔''

اس سے یہ بات بالکل واضح اور عیاں ہورہی ہے کہ معترضین ایک بوکھلاہٹ کا شکار ہیں کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ۔ ایسے ہی انہوں نے رسول کریم ﷺ پر مادیت پرستی کا الزام لگانے سے بھی کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی منٹگمری واٹ لکھتا ہے:

''یہ بات بالکل واضح ہے کہ اسلام کی نئی مذہبی تحریک، (حضرت) محمد (ﷺ) کے زمانے کے مکہ کے حالات سے ابھری ہوئی ایک نیا مذہب اس وقت تک وجود میں نہیں لاتا جب تک کہ اس کے لیے کافی عوامل موجود نہ ہوں۔ (حضرت) محمد (ﷺ) اور ان کے ابتدائی پیروکاروں کی نظروں میں کچھ ضروریات آئی ہوگی جن کو اس ناپختہ مذہب کے عقائد اور معمولات کے ذریعے پورا کیا ہوگا۔''(۳۱)

تعجب ہے ان معترضین نے وہ الزام لگا دیا جس کا تصور کرتے ہوئے جبین شرافت عرق آلود ہو جاتی ہے۔ بھلا وہ ذات گرامی جن کے پاس جتنا بھی مال و دولت آتا تھا جب تک اسے غرباء و فقراء میں تقسیم نہیں فرما دیتے تھے اپنے گھر تشریف نہیں لے جاتے تھے۔ جو لوگوں سے قرض لے کر بھی محتاجوں کی ضرورتیں پوری فرماتے تھے۔ جن کے در سے کبھی کوئی سائل خالی نہیں گیا تھا اور جب آپ ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن تھی کیونکہ آپ نے گھریلو اخراجات کیلئے اس سے قرض لیا تھا۔ اگر ایک ایسی ذات جس کے زیرنگیں نہ صرف جزیرہ عرب ہے جو گیارہ لاکھ مربع میل پر محیط ہے بلکہ دیگر ممالک میں بھی آپ کے پیروکار ایک بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ اس حال میں وصال فرماتے کہ اس نے اپنے لیے کوئی محل تعمیر کرنا تو کجا عام سرداروں کی طرح کوئی مکان بھی نہ بنایا اور جو ایک یہودی کے مقروض ہوں تو ایسی ذات اقدس واطہر پر مادیت پرستی کا الزام تعصب وعداوت سے بالکل اندھا ہو جانے کی علامت نہیں ہے تو اسے کیا کہا جائے گا۔

اور جس ذات اقدس نے اپنا ورثہ اپنے وارثوں میں تقسیم کرنے سے منع فرما دیا اس ذات اقدس پر مادیت پرستی کا الزام لگانا کھلا پاگل پن نہیں تو اسے اور کیا کہا جائے گا۔

ایسے ہی رسول کریم ﷺ پر مرگی کا مریض ہونے اور کیفیات وحی کو مرگی کی علامات ظاہر کرنے کا جنون بھی اس قدر لغو اور بیہودہ بات ہے کہ کوئی عقل مند انسان اسے تسلیم نہیں کرسکتا۔ قرآن کریم جس کی فصاحت و بلاغت کے سامنے عرب وعجم کے فصحاء عاجز آ گئے تھے۔ اس جیسی ایک آیت لانے کا چیلنج آج بھی عالم کفر پر ننگی تلوار بن کر برس رہا ہے۔ جس کی بتائی ہوئی کوئی حقیقت اور کوئی پیشین گوئی آج تک سائنس اور جدید افکار ونظریات بھی غلط ثابت نہ کرسکے۔ بھلا ایسے بے مثال کلام کو کسی مرگی زدہ انسان کا کلام کہنا عقل و دانش سے عاری ہونے کی علامت نہیں ہے تو اسے کیا کہا جائے گا؟ یہی وجہ ہے کہ خود معترضین بھی اس مسئلہ میں کوئی متفق علیہ موقف نہ اختیار کرسکے۔ یہ الزام لگانے کے باوجود بعض بڑی شدت سے اس کا انکار کرتے رہے۔ منٹگمری واٹ لکھتا ہے:

> ''(نزول وحی کے لحات میں) کبھی کبھی کچھ جسمانی عوارض بھی پیش آتے تھے۔ آپ کو شدید درد کا احساس ہوتا تھا۔ کانوں میں گھنٹی کی گونج کی سی آواز سنائی دیتی، جب وحی کا نزول ہوتا تو پاس کھڑے ہوئے لوگ شدید سردی کے عالم میں پسینے کے قطرے آپ کے ماتھے پر دیکھتے۔ اس قسم کی چیزوں سے بعض مغربی نقاد اس نتیجے تک پہنچے کہ آپ مرگی کے مرض میں مبتلا تھے لیکن اس خیال کی کوئی حقیقی بنیاد نہیں ہے۔ مرگی کا مرض انسان کو ذہنی اور جسمانی طور پر کمزور کر دیتا ہے لیکن محمد (ﷺ) میں اس قسم کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ اس کے برعکس آخر تک آپ ذہنی اور جسمانی طور پر صحیح اور سلامت رہے۔''(۳۲)

الغرض ان معترضین نے جتنے بھی اعتراضات کیے وہ سب عقلی اور نقلی طور پر کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان تمام اعتراضات اور شبہات کی حقیقت دنیا پر واضح کی جائے تا کہ حقیقت حال سب کو معلوم ہو جائے یہ چیز کسی ایک انسان یا طبقہ کی ذمہ داری نہیں بلکہ یہ مجموعی طور پر پوری امت کا فرض ہے اور یہ امت پر نبی کریم ﷺ کے حقوق میں سے ایک ایسا حق ہے جو ایک عملی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر ملت اسلامیہ نے اس فرض کو گہرے ایمانی شعور اور زندہ وجاوید جذبوں کے ساتھ ادا نہ کیا تو امت حقوق الرسول ﷺ کی ادائیگی کے فریضہ سے سبکدوش نہیں ہوسکتی۔

فصل سوم

عالمی سطح پر قانونِ توہینِ رسالتؐ کی تنقید

نبی کریم ﷺ نے ہمیں جو دین دیا اس کے مطابق صرف ذات رسالتمآب ﷺ ہی نہیں بلکہ تمام انبیاء و رسل علیہم السلام قابل تعظیم ہیں۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق نفس نبوت میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام برابر ہیں مقامات میں فرق ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ"(۳۳)

"(اہل ایمان کہتے ہیں کہ) کہ ہم اللہ تعالیٰ کے رسولوں میں کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے۔"

یعنی نفس نبوت میں سب رسول برابر ہیں لیکن ان کے مقامات میں فرق ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ☆ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ وَ اٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَ اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ"(۳۴)

"یہ پیغمبر، ان میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ بعض ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے گفتگو فرمائی اور بعض کے (دوسرے پہلوؤں سے) مرتبے بلند کیے اور عیسیٰ ابن مریم کو ہم نے واضح نشانیاں عطا فرمائیں اور روح القدس سے ان کی مدد کی۔"

ان دونوں آیات طیبات سے واضح ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء کرام نفس نبوت میں برابر ہیں لیکن ان کے مقامات میں فرق ہے لیکن مقامات میں فرق ہونے کے باوجود کسی بھی پیغمبر علیہ السلام کا تذکرہ ایسے کرنا جس سے دوسرے کی توہین لازم آئے ایک غیر اسلامی سوچ ہے اسلام میں ایسی سوچ کی بھرپور مذمت کی گئی ہے۔

تمام انبیاء کرام کے اس مقام و مرتبہ کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ اسلام میں ہر پیغمبر لائق تعظیم و توقیر ہے اور کسی بھی پیغمبر کی توہین ایک ایسا جرم ہے جس کی سزا قتل ہے اور تمام آسمانی مذاہب تو اس سزا پر متفق ہیں۔ غیر الہامی مذاہب بھی اپنے مذہبی پیشواؤں کی تعظیم و توقیر کی حد سے بڑھ کر تلقین کرتے ہیں۔

اس وقت عالم اسلام کے پاس نہ وسائل کی کمی ہے اور نہ ہی افراد کی۔ جتنے وسائل عالم اسلام کے پاس ہیں ان کی عالم کفر میں کوئی مثال نہیں کی جاسکتی۔ اگر عالم اسلام متحد و متفق ہو جائے تو عالم کفر اپنی تمام تر خباثتوں کے باوجود ان کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائے۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے حکمران عالم کفر کے اشاروں پر ناچتے ہیں اور اپنی دینی غیرت و حمیت بھی ان کے پاس گروی رکھ دی ہے۔

اب جبکہ عالم کفر اور یہودی لابیاں انبیاء کرام اور بالخصوص پیغمبر اسلام ﷺ کی توہین و تنقیص کو ایک فیشن اور رعونت کے طور پر اپنائی جارہی ہیں کبھی کارٹون بنا کر اور کبھی کسی اور طریقہ سے۔ تو ان حالات میں عالم اسلام کا فرض ہے

کہ حقوق الرسول ﷺ کی ادائیگی کرتے ہوئے عالمی سطح پر ایک ایسا قانون منظور کروالے جس کے مطابق توہین رسالت کے مرتکب فرد کو تختہ دار پر لٹکایا جاسکے تاکہ آئندہ کسی کو بھی ایسے جرم شنیع کے ارتکاب کی ہمت نہ ہو۔اس قانون کا پاس کروانا مسلم حکمرانوں کی اولین ترجیح ہونی چاہیے انہیں تحفظ ناموس رسالت پر اپنے مفادات قربان کرنے چاہیے۔اس قانون کو پاس کروانا عالم اسلام کا فرض ہے اس کے بغیر وہ حقوق الرسول ﷺ کی ادائیگی کرنے سے قاصر رہے گی۔اس قانون کی اہمیت وافادیت آئندہ مباحث سے مزید اجاگر ہوگی۔

مبحث اوّل

قانونِ توہینِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت وافادیت

قانون توہین رسالت کو عالمی سطح پر نافذ کروانا اور اس جرم کے مرتکب افراد کو قتل کی سزا دینا کوئی جذباتی اور توہماتی قسم کا فیصلہ نہیں بلکہ یہ اسلامی فہم اور دین سے ایک زندہ تعلق کا لازمی نتیجہ ہے اور گہرے دینی شعور کا ثمرہ ہے۔اس قانون کی اہمیت وافادیت کے چند پہلو ملاحظہ ہوں۔

۱۔دین کا مصدر ومنبع:

پورے کا پورا دین سمٹ کر ذات پیغمبر علیہ السلام میں مرتکز ہو جاتا ہے کیونکہ دین کی ہر بات کا حتمی اور قطعی حوالہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی ذات قدسیہ ہوتی ہیں۔ذات باری تعالیٰ ،فرشتے اور آخرت غرض کسی بھی چیز کو کسی نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا ہوتا اور نہ ان میں سے کسی کی آواز کو اپنے کان سے سنی ہوتی ہے ہر چیز کو صرف اور صرف پیغمبر علیہ السلام کے کہنے اور خبر دینے پر مانا جاتا ہے۔اگر ذات رسالت مآب علیہ السلام کو طعن وتشنیع کا ہدف بنالیا جائے تو پورے کا پورا دین مشکوک ہو جاتا ہے۔ویسے بھی یہ ایک طبعی اور مسلمہ سی حقیقت ہے کہ انسان کو جس ذات سے کچھ ملتا ہے وہ کبھی بھی اس کی توہین برداشت نہیں کرسکتا۔مثلاً ایک انسان کے والدین اس کے وجود کا سبب ہیں وہ اگر غیور انسان ہے تو وہ کبھی بھی والدین کی توہین برداشت نہیں کر سکے گا اس کا استاد اس کے علم کا ذریعہ ہے تو غیرت مند شاگرد کبھی بھی اپنے استاد کی توہین برداشت نہیں کر سکے گا تو جس ذات اقدس علیہ السلام سے انسان کو ایمان اور عرفان نصیب ہوگا بھلا وہ اس ذات کی توہین کیسے برداشت کرے گا۔یہ حقیقت بھی ناقابل تردید ہے کہ کسی نعمت کی قدر وقیمت کو جو جانتا ہے وہی اس نعمت کے سبب بننے والے کی توقیر وتعظیم کرے گا۔مثلاً ایک شخص کوئی بڑا قیمتی ہیرا کسی پاگل کو دے دے تو ظاہر ہے کہ کہ وہ تو اسے پتھر کا ایک ٹکڑا سمجھ کر پھینک دے گا لیکن اگر وہی ہیرا کسی جوہری کو دیا جائے تو جوہری ہیرے کی بھی قدر کرے گا اور ہیرا دینے والے کی بھی۔ایسے ہی تعظیم رسالت کا احساس یا توہین رسالت کے مرتکب کیلئے سزا کی حمایت وہی شخص کرے گا جسے ایمان کی حلاوتیں نصیب ہوں۔جو جیتا ہی اپنے مفادات کے خول میں ہو وہ کیا جانے کہ توہین رسالت کا ارتکاب قابل گردن زنی جرم کیوں ہے؟تو چونکہ ذات رسالت کے تحفظ میں دین کا تحفظ چھپا ہوا ہے اس لیے توہین رسالت کی سزا کو نافذ کروانا دراصل تحفظ دین کا ایک اہم تقاضا ہے۔

تعلیمات مذہب کا تقاضا:

اس قانون کو نافذ کروانا اس لیے بھی بہت زیادہ قدر ومنزلت کا حامل ہے کہ یہ تمام مذاہب کی تعلیم کا تقاضا ہے قدیم زمانوں میں مذہب اور مذہبی شعائر کی توہین قابل گردن زنی جرم تھا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسی لیے آگ میں ڈالا گیا تھا کہ انہوں نے بتوں کی توہین کی تھی اور تمام آسمانی مذاہب کے ماننے والے خواہ وہ مسلمان ہوں یا یہودی

ونصرانی، سب کے نزدیک توہین رسالت کی سزا قتل ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ جو بندہ کسی مذہب کا پیروکار ہی نہیں ہے اس پر یہ قانون کیسے نافذ کیا جا سکتا ہے؟ تو کیا اس بندے پر دوسروں کے جذبات واحساسات کی پاسداری کرنا لازم نہیں۔ کیا اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ دوسروں کے مذہبی اعتقادات کی دھجیاں اڑاتا رہے۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہ کوئی کسی کے باپ کی توہین کرے اور پھر کہے کہ باپ تو آپ کا ہے آپ کے لیے قابل احترام ہوگا میرا تو نہیں کہ میں بھی اس کا احترام کروں۔ کیا دنیا کی کوئی عدالت اور جہاں کا کوئی بھی منصف اس کی اس دلیل کو مان لے گا؟ نہیں اور یقیناً نہیں تو آخر ایک غیر مذہب کو یہ کیسے حق حاصل ہے جو اس ذات اقدس کی توہین کرے جو انہیں اپنے ماں باپ سے بھی کہیں بڑھ کر محبوب ہے؟

جب تمام مذاہب اس جرم کے قابل گردن زدنی جرم ہونے پر متفق ہیں تو آخر انہیں اس مسئلہ کی تنفیذ میں کسی احساس کمتری میں مبتلا ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ چونکہ یہ تمام مذاہب کا متفقہ فیصلہ ہے اس لیے اس کی اہمیت وافادیت کسی بیان کی محتاج نہیں ہے۔

انسانی جذبات کا احترام:

آج حقوق انسانی کا بہت ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے اور انسانی قدروں کی پاسداری کے درس بہت کثرت سے دیئے جا رہے ہیں۔ اگر کسی بھی انسان کے جذبات کو مجروح کرنا بری چیز ہے اور ہونی بھی چاہیے تو آخر کیا وجہ ہے وہ ذات اقدس واطہر ﷺ ڈیڑھ ارب سے زائد انسان جن کے نام اقدس کو سن کر احترام سے اپنی گردنیں جھکا لیتے ہیں اور جو انہیں اپنی اولاد، والدین اور ہر چیز سے بڑھ کر محبوب ہیں۔ اس ذات اقدس اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی تعظیم وتوقیر کے تحفظ کیلئے ایک باقاعدہ قانون سازی کر لی جائے تا کہ کسی کو یہ جرأت نہ ہو کہ وہ ڈیڑھ ارب سے زائد انسانوں کے جذبات کا خون کرے اور ان کے مذہبی عقائد کو مجروح کرے۔

ستم بالائے ستم کہ جب بھی توہین رسالت کا ارتکاب کر کے ڈیڑھ ارب سے زائد انسانوں کے جذبات کا خون کیا جاتا ہے تو کرنے والوں کو ذرا احساس ندامت تو کجا غلطی کا احساس تک نہیں ہوتا اور یہ جرم اظہار رائے کے نام پر کیا جاتا ہے۔

آزادی اظہار کا دائرہ کار یہاں تک تو ہے کہ کوئی انسان جو عقیدہ چاہے اختیار کرے اور جس سوچ کو چاہے اپنا لے لیکن اس کا یہ مطلب کہاں سے آ گیا کہ کسی کے مذہبی عقائد ونظریات کی توہین کی جائے۔ آزادی رائے کا دائرہ کار اس مشہور مثال سے بڑی حد تک واضح ہو جاتا ہے کہ جب کوئی ریاست نئی نئی آزاد ہوئی تو اس ریاست کا

ایک آدمی بازو ہلا ہلا کر چل رہا تھا کہ اس کا ہاتھ ایک آدمی کی ناک پر جا لگا۔ اس نے کہا کہ دیکھ کر چلو تو اس نے جواب دیا آرام سے رہو اب ہم آزاد ہو چکے ہیں تو وہ آدمی کہنے لگا کہ تمہاری آزادی وہاں ختم ہو جاتی ہے یہاں سے میری ناک شروع ہوتی ہے۔

یعنی آزادی رائے اس وقت تک ہے جب تک وہ کسی کے حقوق پہ ڈاکہ نہ ڈالے یا کسی کے جذبات مجروح نہ کرے۔ مسلمان تو اللہ تعالیٰ کے ہر پیغمبر کی تعظیم وتکریم کو فرض عین سمجھتے ہیں اگر کوئی دریدہ دین آزادی اظہار کے نام پر حضرت مریم یا حضرت عیسیٰؑ کی توہین شروع کر دے تو ظاہر ہے اس کا رویہ کسی بھی مسلمان یا عیسائی کیلئے ناقابل قبول ہوگا۔ تو آخر یہی منطق نبی کریم ﷺ کی تعظیم وتوقیر کے متعلق اختیار کیوں نہیں کی جاتی۔

یہی وہ عقلی اور نقلی شواہد ہیں جو ملت اسلامیہ پر یہ فریضہ لازمی قرار دیتے ہیں کہ عالمی سطح پر ایک ایسا قانون بنایا جائے جس کے مطابق ہر نبی کی عظمت وتوقیر کی پاسبانی کی جا سکے اور کسی بھی نبی علیہ السلام کی توہین کا ارتکاب نہ کر سکے۔

ایسا قانون بنانا اور اسے نافذ کرنا یہ نبی کریم ﷺ کا حق اور اہل ایمان کا فرض منصبی ہے۔ امت مسلمہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے بے پناہ افرادی اور مالی وسائل عطا فرمائے ہیں جب تک وہ اس سطح پر مثبت اور جاندار فریضہ سرانجام نہیں دیں گے اس وقت تک حقوق الرسول ﷺ کی ادائیگی ان کے لیے ممکن نہیں ہوگی۔

مبحث دوم
قانونِ توہینِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم
اور امن عالم

مذہبی عقیدتیں انتہائی حساس اور شدید ہوتی ہیں۔اگر کوئی انسان مذہبی احکامات کی پابندی میں سستی اور کاہلی کا مظاہرہ بھی کرتا ہے وہ بھی اس وقت بھڑک اٹھے گا جب اس کے مذہبی معتقدات یا مذہبی شخصیات کو ٹھیس پہنچائی جائے گی۔ آپ ماضی کی تاریخ پر نظر ڈالیں جب بھی کسی دریدہ دین نے توہین رسالت کا ارتکاب کیا تو پوری دنیا میں انتشار واضطراب کی آگ بھڑک اٹھی۔نہ جانے کتنے مال واسباب راکھ کا ڈھیر بنے اور کتنے لوگ زندگی کی بازی ہار گئے۔

یہ حقیقت بھی نا قابل تردید ہے کہ ہر انسان کو اپنا مذہب اور مذہبی شخصیات اتنی ہی محبوب ہوتی ہیں جتنی کسی بھی دوسرے کو ہوتی ہیں۔اسلام چونکہ امن وآشتی اور اخوت ومحبت کا دین ہے۔اس لیے اسلام نے ہمیشہ دوسروں کے جذبات کو مجروح کرنے کی شدید ترین الفاظ میں مذمت کی تا کہ دوسروں کے جذبات مجروح نہ ہوں اور دنیا امن وآشتی کا گہوارہ بن جائے۔یاد رہے کہ اختلاف رائے اور چیز ہے اور سب وشتم چیزے دیگر۔اسلام باطل معبودوں کی مذمت تو کرتا ہے لیکن اخلاقی اور قانون ضابطوں کو پامال کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔اسلام اس سوچ کو پروان چڑھاتا ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ کوئی تمہارے جذبات کو مجروح نہ کرے تو تمہیں بھی دوسروں کے جذبات کی پاسداری کرنی چاہیے۔نبی کریم ﷺ نے چھوٹی سطح سے لے کر بڑے پیانے اور انفرادی زندگی سے لے کر اجتماعی عالمی سطح تک اس فکر کو پروان چڑھایا کہ دوسروں کے اکابر کی توہین دراصل اپنے اکابر کی توہین ہوتی ہے۔انفرادی سطح پر اس کی تعلیم دیتے ہوئے حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

"ان من اکبر الکبائر ان یلعن الرجل والدیہ قیل یا رسول اللّٰہ وکیف یلعن الرجل والدیہ قال یسب الرجل ابا الرجل فیسب اباہ ویسب امہ۔"(۳۵)

"یہ چیز گناہ کبیرہ میں سے ہے کہ کوئی شخص اپنے والدین کو گالی دے عرض کیا یا رسول اللّٰہ ﷺ! کیا کوئی شخص اپنے والد کو گالی دے سکتا ہے آپ نے فرمایا کہ ایک آدمی کسی کے باپ کو گالی دیتا ہے اور وہ جواب میں اس کے باپ یا اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔"

یعنی وہ خود چونکہ اپنے ماں باپ کو گالی دینے کا سبب بنا ہے تو گویا اس نے خود ہی جرم تشنیع کا ارتکاب کیا ہے غور کیجیے کہ نبی کریم ﷺ نے کس خوبصورت انداز میں دوسروں کے اکابر کی تعظیم کا درس دیا اور اس حقیقت کو کس دلکش انداز میں واضح کیا۔یہی حقیقت ایک بہت بڑے پیانے پر واضح کرتے ہوئے قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

"لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِـــــنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْـــــرِ عِلْمٍ"(۳۶)

اور جنہیں یہ لوگ اللّٰہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہیں انہیں برا نہ کہنا کہ یہ بھی کہیں خدا کو سمجھے برا نہ کہیں۔"

دوسروں کے اکابر کا کس دل میں اتر جانے والے انداز سے درس دیا جارہا ہے کہ اگر تم اپنے خدا کا احترام کروانا چاہتے ہوتو دوسروں کے بڑوں کا احترام کرو اور سد ذرائع کا قانون اسی آیت سے مستنبط ہوتا ہے کہ انسان کو ایسا راستہ اختیار ہی نہیں کرنا چاہیے جو کسی برائی کا ذریعہ بنے۔

توہین رسالت کا قانون اگر عالمی سطح پر نافذ ہو جائے تو اس میں نفرتیں اور عداوتیں ختم ہوں گی اور دنیا کو امن و آشتی کی دولت ملے گی۔ چونکہ اسلام صحیح معنوں میں امن و آشتی کا مذہب ہے۔ اس لئے اس نے کبھی بھی غیر مسلم شہریوں کے جذبات کو مجروح نہیں کیا۔ اسلامی ریاست میں غیر مسلم شہری اپنے مذہبی امور میں مکمل طور پر آزاد ہوتے ہیں۔ وہ ہر قسم کی مذہبی رسومات ادا کرتے ہیں ناقوس بجا سکتے ہیں اور غیر مسلم کو یہ حق نہیں کہ وہ ان کے مذہبی معتقدات کو مجروح کرے کیونکہ اس طرح ملک و ریاست کا امن تباہ ہو جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کے عیسائیوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا۔ اس میں انہیں مکمل طور پر مذہبی آزادی کی اور ان کے دینی معتقدات کا تحفظ کیا گیا۔ اس معاہدہ کے الفاظ یہ تھے:

"هذا اما أعطى عبدالله عمر امير المؤمنين اهل أيليا من الأمان اعطا هم امان لانفسهم واموالهم ولكنائسهم وصلبا نهم وسقيهما وبريها وسائر ملتها أنه لايسكن كنائسهم ولاتهدم ولاينتقق منها ولا من غيرها ولا من صلبهم ولامن شي من اموالهم ولا يكرهون علي دينهم ولا يضار احد منهم...... شهد علي ذلك خالد بن الوليد وعمرو بن العاص وعبدالرحمن بن عوف ومعاوية بن ابي سفيان و كتب وحضر ۵ ا ه."(۳۷)

''یہ وہ امان ہے جو اللہ کے بندے امیر المؤمنین عمرؓ نے ایلیا کی عوام کو دیا، یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست بیمار اور تمام اہل مذہب کیلئے ہے۔ اس طرح کہ ان کے گرجا گھروں میں سکونت اختیار نہ کی جائے گی۔ نہ انہیں منہدم کیا جائے گا اور نہ ہی ان کے احاطہ کو کوئی نقصان پہنچایا جائے گا۔ نہ ان کی صلیبوں کو توڑا جائے گا اور نہ ہی ان کے دیگر اموال کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ مذہب کے بارے میں ان پر کسی قسم کا کوئی جبر نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان میں کسی کو کوئی تکلیف دی جائے گی...... اس پر گواہ ہیں خالد بن ولید، عمرو بن العاص، عبدالرحمٰن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان اور یہ معاہدہ ۱۵ھ میں تحریر کیا گیا۔''

اس معاہدہ کا ایک ایک جملہ گواہی دے رہا ہے کہ مسلمان دوسروں کے مذہبی معتقدات کا کس قدر پاس کرتے ہیں۔ آج کے لبرل ذہن اور مذہب دشمن عناصر کی کارستانیوں کے سبب مذہب کے تحفظ کو بنیادی حقوق (Fundamental

Rights) میں شامل ہی نہیں کیا جاتا بلکہ آزادی اظہار(The Freedom of Press) کے نام پر مذہب کا خون کرنے اور راور مذہبی جذبات واحساسات کو مجروح کرنے کی حوصلہ افزائی کی جارہی ہے لیکن مسلمان جس طرح ہر چیز سے بڑھ کر اپنے مذہب کا تحفظ چاہتے ہیں وہ اسی طرح اپنی ریاست کے غیر مسلم شہریوں سے بھی ہمدردی کے طور پر ان کے مذہب کا تحفظ اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ کیونکہ کسی کے مذہبی احساسات کو ٹھیس پہنچانا دراصل نفرتوں اور جنگوں کی آگ بھڑکانا ہوتا ہے۔

غور کیجئے ماضی بعید میں بھی جب توہین رسالت کا ارتکاب کیا گیا تو کیا دنیا کو امن مل گیا۔ اگر توہین رسالت کا مرتکب کوئی عیسائی تھا تو کیا لوگوں نے اس کے اس عمل کے سبب عیسائیت قبول کرلی ؟ کیا لوگوں میں اس کا مقام ومرتبہ بلند ہوگیا ؟ کچھ بھی نہیں ہوا صرف نفرتوں کی آگ دہکی اور فتنہ وفساد کے شعلے بلند ہوئے۔ جو عناصر ایسی حرکتوں کا ارتکاب کرتے ہیں وہ صرف امن عالم کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ اگر یہ قانون نافذ ہوجائے تو اس میں دنیا کیلئے امن وآشتی کا پیغام ہے۔ ہمیں یہ حقیقت کبھی بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ قانون کا نفاذ دنیا کیلئے امن کا ذریعہ ہے کیونکہ جب ایک مجرم کو علم ہوگا کہ مجھے جرم کی سزا ضرور ملے گی تو وہ جرم کرے گا ہی نہیں۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کو قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا:

"وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ"(۳۸)

''اوراے اہل عقل تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے تا کہ تم قتل (وخونریزی سے) بچ سکو۔''

یعنی یہ نہ سوچ لینا کہ جب ایک انسان مرگیا اگر اس کے قاتل کو تختہ دار پر بھی لٹکایا جاتا ہے تو جانے والا تو واپس نہیں آئے گا۔ ایک تو چلا گیا ہے تو دوسرے کو کیوں موت کے گھاٹ اتارتے ہو؟ حقیقت یہ نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر قصاص کے قانون کو نافذ کیا جائے اور قاتل کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے تو قتل ہوگا ہی نہیں قتل ہوتا ہی اس وقت ہے جب ایک قاتل کو پتہ ہوتا ہے کہ میں سزا سے بچ جاؤں گا۔ جن ملکوں میں آج بھی جرم وسزا کا نظام نافذ ہے مجرم سزا پانے سے بچ نہیں جاتے وہاں جرم کا تناسب بہت ہی کم ہے۔

جب ہم ملکی سطح پر اس قانون کو مانتے ہیں تو عالمی سطح پر اس حقیقت کو نافذ کیوں نہیں کیا جاتا جو لوگ ایسے کسی بھی قانون کی مخالفت میں مصروف ہیں دراصل وہ امن عالم کے دشمن ہیں۔ وہ انسانیت کے جذبات کو مجروح کرنے کو جرم تصور نہیں کرتے۔

آج ویسے تو یورپ امن کا بڑا واویلا کرتا ہے لیکن ان راستوں کو اگر بند نہ کیا جائے جو امن تباہ کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں تو بھلا امن کیسے ہوسکتا ہے؟ اور فلسفیانہ موشگافیوں کے علاوہ کچھ زمینی حقائق بھی ہوتے ہیں جنہیں نظر انداز کرنا

کسی بھی دانشمندی کے خلاف ہوتا ہے۔اس قانون کے خلاف جتنے بھی دلائل گھڑ لیے جائیں لیکن زمینی حقیقت یہ ہے کہ اگر ایسا کوئی قانون عالمی سطح پر نافذ نہ کیا گیا تو دنیا کا امن تباہ ہوتا رہے گا۔اگر کوئی فرد یا قوم دل کے سچے جذبوں سے دنیا کو امن وآشتی کی دولت دینا چاہتی ہے تو انہیں ایسے قانون کی بھرپور وکالت کرنا ہوگی اور دنیا ہمیشہ اس کا تذکرہ اچھے لفظوں سے کرے گی۔

مبحث سوم
قانونِ توہین رسالت ﷺ کی راہ میں
فکری رکاوٹیں اور ان کا حل

توہین رسالت کا قانون نہ صرف مسلمانوں کے مذہبی جذبات کا تحفظ کرتا ہے بلکہ تمام مذاہب کے مذہبی پیشواؤں اور اکابرین کی عزت وعظمت کا بھی محافظ ہے اور یہی قانون امن عالم کا بھی بہت بڑا ذریعہ ہے لیکن کچھ لوگ شعوری یا غیر شعوری طور پر دنیا کو ان ثمرات کے حصول میں رکاوٹ بنا چاہتے ہیں اور وہ ایسے قانون کو نافذ کرنے کی راہ میں فکری اور عملی رکاوٹیں ڈالتے رہتے ہیں۔

جہاں تک لادین طبقہ کا تعلق ہے جن کا مقصود اور مطمع نظر ہی مذہب اور اہل مذہب کا تمسخر اڑانا ہے جو نہ کسی پیغمبر کے احترام کو ضروری سمجھتے ہیں نہ کسی اور مذہبی مقتدا کی تعظیم کو۔ ان لوگوں کو یہ چیز عقلی طور پر سمجھ لینی چاہیے کہ ہر ایسا کام غلط ہوگا جو کسی کے جذبات کو ٹھیس پہنچاتا ہو اور جس سے کسی کی بھی عقیدتیں مجروح ہوتی ہوں اور ہر ایسے کام کا کرنا درست نہیں ہوگا جو دنیا میں فتنہ وفساد پیدا کرنے اور شرانگیزی کا ذریعہ ہے اور ہر اس کام کو کرنا ضروری ہوگا جو لوگوں کے جذبات کا تحفظ کرے اور لوگوں کو امن اور سلامتی کی دولت دے سکے۔ توہین رسالت کا ایک ایسا قانون اگر بن جائے تو اس سے لوگوں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانے کا سلسلہ رک جائے اور جب بھی ایسا جرم وقوع پذیر ہوتا ہے تو جس طرح دنیا کا امن برباد ہوتا ہے۔ وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ اگر یہ قانون بن جائے تو دنیا اس فتنہ وفساد سے محفوظ ہو جائے گی جس فتنہ وفساد کا سامنا اسے ایسے موقعوں پر کرنا پڑتا ہے۔

جہاں تک اس گروہ کا تعلق ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کی عزت وناموس کے تحفظ کو تو ضروری خیال کرتے ہیں لیکن ایسے کسی قانون کو ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ جو ان کے خیال میں یہ قانون اس لیے نہیں بنا چاہیے کہ یہ قرآن کریم کے کسی نص سے ثابت نہیں اور قرآن مجید میں کہیں یہ نہیں کہا گیا کہ ایسے مجرم کو قتل کی سزا دے دو۔ سوال یہ ہے کہ اگر اس بات کو مان لیا جائے تو ہمیں اس چیز پر غور کرنا ہوگا کہ اسلامی قانون کا ماخذ کیا صرف قرآن مجید کی نصوص قطعیہ ہی ہیں جبکہ حدیث، اجماع اور قیاس وغیرھم بھی اسلامی قانون کا ماخذ ہیں، اگر نہیں تو یہ بات صراحۃً باطل ہے کیونکہ قرآن کریم میں بے شمار ایسے مسائل پر کوئی نص قطعی نہیں ہے جس کو امت قرآنی حکم سمجھ کر آج تک اس پر کاربند ہے۔ مثلاً امت مسلمہ کے نزدیک شراب حرام ہے جبکہ قرآن مجید میں کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ "الخمر حرام" شراب حرام ہے۔ شراب کے نقصانات بیان کر کے کہا گیا کہ کیا تم اس سے رکنے والے نہیں ہو۔ اب رکنے کیلئے ضروری نہیں ہے کہ اس سے رکنا فرض ہی ہو وہ منع کے کسی اور درجہ میں بھی ہوسکتا ہے۔ اس سے بڑھ کر نماز، حج اور زکوٰۃ کی تمام تفصیلات جن میں بہت سی چیزیں فرض کے درجہ میں ہیں۔ ان پر قرآن مجید کی کوئی نص قطعی نہیں ہے تو یہ مطالبہ صراحۃً باطل ہے کہ نص قطعی دکھائیں تو مانیں گے۔ بہت سی چیزیں نص قطعی سے ثابت نہیں ہیں لیکن مسلمہ طور پر وہ فرض کے درجہ میں ہیں جیسا کہ سابقہ مثالوں سے واضح ہے۔

جب یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ اسلامی قانون کیلئے نص قطعی ضروری نہیں ہے بلکہ استدلال حدیث، اجماع اور قیاس وغیرھم بھی اسلامی قانون کے ماخذ ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ اسی قانون کیلئے نص قطعی کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ جب اس قانون کا اثبات قرآنی استدلال، احادیث مبارکہ اور اجماع امت سے ہوتا ہے جیسا کہ پچھلے صفحات میں اس کی تفصیلات گزر چکی ہیں تو آخر اس قانون کو تسلیم کرنے میں کیا رکاوٹ ہے؟ اور یہ کہنا بھی کوئی ٹھوس دلیل نہیں کہ حضور اکرم ﷺ تو رحمۃ للعلمین ہیں آپ تو سراپا رحمت و رأفت ہیں اس لیے آپ تو لوگوں کو معاف فرما دیا کرتے تھے تو اب آپ کے گستاخ کو یہ سزا کیوں دی جائے گی؟

یہ دلیل اس لیے بے وزن ہے کہ کیا کسی مجرم کو اس کے جرم کی سزا دینا رحمت و رافت کے منافی ہے؟ جب اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم اور رغفور ہو کر مجرموں کو دوزخ میں پھینکے گا اور ایسی سزائیں دے گا جن کا تصور کر کے بھی بدن کے رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تو کیا استغفر اللہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و کرم کے منافی ہوگا؟ نہیں یقیناً نہیں کیونکہ کسی مجرم کو سزا دینا رحمت کے منافی نہیں ہوتا بلکہ ظالم کے ساتھ نرمی مظلوم پر زیادتی ہوتی ہے کیا حضور اکرم ﷺ نے مجرموں کو سزائیں نہیں دیں؟ پھر کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے جو سزائیں دیں ان کا تعلق انسانی حقوق کی پامالی سے تھا جیسے آپ نے چرواہوں کے قاتلوں کو عبرتناک سزائیں دیں لیکن توہین رسالت کا تعلق تو آپ کی ذات سے تھا آپ نے کبھی اپنی ذات کیلئے انتقام نہیں لیا۔

دلائل کی روشنی میں یہ بات بھی بے وزن ہے کیونکہ کیا کعب بن اشرف، ابورافع اور ابن خطل وغیرھم کو توہین رسول کے جرم میں یہ سزائیں نہیں دی گئیں؟

اگر دی گئیں اور یقیناً دی گئیں جیسا کہ کتب حدیث میں اس کی صداقت موجود ہے تو پھر یہ دلیل بھی مکمل طور پر بے وزن ہو جاتی ہے اور حق کا پیمانہ کسی انسان کا ذاتی ذوق نہیں ہوتا بلکہ دلائل ہوتے ہیں۔ جب دلائل اس قانون کی حقانیت کو ثابت کر رہے ہیں تو پھر اس کا انکار سوائے ضد اور ہٹ دھرمی کے اور کیا کہلائے گا؟

یہ درست ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بعض لوگوں کو معاف بھی کیا۔ اس سے یہ استدلال کرنا کہ توہین رسالت کے مرتکب کو سزا ہی نہیں دینی چاہیے یہ بات اس لیے بے وزن ہے کہ آپ نے خود یہ سزائیں بھی دی ہیں اور معاف بھی کیا ہے۔ آپ کے ان دونوں رویوں کی وضاحت کرتے ہوئے علماء کرام وفقہاء عظام اس چیز پر متفق ہیں کہ چونکہ یہ جرم آپ کی ذات اقدس کے متعلق تھا اور آپ کو یہ حق حاصل تھا کہ آپ معاف کریں یا سزا دیں لیکن آپ کے وصال فرمانے کے بعد اب کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ توہین رسالت کے مرتکب فرد کو معاف کر دیں بلکہ اسے سزا ہی دینی پڑے گی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر اس قانون کی تنفید کردی جائے تو پھر دنیا بھر کے تمام یہودی اور عیسائی واجب القتل ہو جائیں گے کیونکہ وہ حضور اکرم ﷺ کی رسالت کو سچا نہیں مانتے اور خود مسلمانوں میں ہر ایک فرقہ دوسرے کو گستاخ رسول

ہونے کا طعنہ دیتا ہے تو آپ کس کس کو قتل کریں گے؟

یہ دلیل بھی درحقیقت اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتی کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ کی رسالت کو تسلیم نہ کرنا توہین کے زمرہ میں نہیں آتا توہین اور چیز ہے اور یہودی یا نصرانی رہنا اور چیز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے غیر مسلموں کو اپنی ریاست میں جس قدر حقوق دیئے ہیں۔اس کا تصور بھی کسی اور مذہب میں نہیں کیا جا سکتا۔تو سب یہودی یا عیسائی یہ سزا نہیں پائیں گے بلکہ وہی اس سزا کے مستحق ہونگے جو کسی گستاخی کے مرتکب ہوں گے۔

جہاں تک مسلمانوں کے باہمی فرقوں کا تعلق ہے کہ وہ ایک دوسرے پر توہین رسالت کا الزام لگاتے رہتے ہیں تو محض الزام لگانے سے کوئی کسی سزا کا مستحق نہیں بنتا بلکہ یہ جرم عدالت میں ثابت ہوگا اور سزا دینا فرد کا کام نہیں بلکہ عدالت کا کام ہے۔اس لیے عملی طور پر ان اعتراضات کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس قانون کے نفاذ سے غیر مسلموں کے خلاف انتقامی کارروائی ہوگی اور انہیں خواہ مخواہ مقدمات میں الجھایا جائے گا۔

یہ دلیل اس لیے بے وزن ہے کہ کسی بھی قانون کا غلط استعمال اس اصل قانون کو ختم کرنے کا ذریعہ نہیں بننا چاہیے ورنہ قتل، ڈاکہ اور کون سا قانون ہے جس کی آڑ میں ذاتی دشمنیاں لینے کا مقصد حاصل نہیں کیا جاتا اور اس سے ان انبیاء کرام علیہم السلام کی عزت و ناموس کو بھی تحفظ ملے گا جن پر یہود و نصاریٰ ایمان رکھتے ہیں۔

اس جرم کا تعلق گستاخی سے ہے اس کا جو بھی مذہب ہو۔ ماضی قریب میں اگر نظر دوڑائی جائے تو اس جرم کے مرتکب متعدد افراد اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتے تھے۔ دراصل یہ قانون کسی مخصوص فرقے یا مذہب کے خلاف نہیں بلکہ جرائم پیشہ افراد کے خلاف ہے جو انسانیت کے امن کو تہہ و بالا کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ توہین رسالت کی سزا کے قانون کو اگر عالمی سطح پر نافذ کروایا جائے تو اس میں پوری انسانیت کیلئے امن و سلامتی اور صلح و آشتی کا سامان ہے اور اربوں انسانوں کے جذبات کو مجروح کرنے کا دھندا ختم ہو جائے گا اور ایسا قانون نافذ کروانا یہ حضور اکرم ﷺ کا حق ہے اور امت پر اس حق کی ادائیگی لازم ہے اور امت مسلمہ کے حکمرانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے ذاتی مفادات کو ترجیح نہ دیں بلکہ تحفظ ناموس رسالت کو ترجیح دیں۔اس قانون پر کئے گئے اعتراضات بالکل بے وزن ہیں۔ یہ قانون تحفظ ناموس رسالت کا ضامن بھی ہے اور امن عالم کا ذریعہ بھی ہے۔اس قانون کی تنفیذ حقوق الرسول ﷺ میں سے ایک اہم حق ہے۔جس کی پابندی تمام انسانوں پر لازمی اور ضروری ہے۔

(خلاصۂ باب)

اس باب کی مباحث کا خلاصہ یہ ہے:

۱- نبی کریم ﷺ کا مقصد بعثت لوگوں کو اللہ تعالی کی طرف بلانا ہے۔

۲- اس مقصد کی ترغیب واشاعت حضور اکرم ﷺ کی مقدس زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھا۔ جسے آپ ہر چیز پر ترجیح دیتے تھے۔

۳- آج کل اس مقصد بعثت کو پھیلانے کے بڑے ذرائع ہیں جن میں میڈیا بہت اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔

۴- حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس پر مستشرقین بے جا اعتراضات کرتے رہتے ہیں۔

۵- ان اعتراضات میں آپ کی ذات اقدس، قرآن کریم اور احادیث مبارکہ سب پر اعتراضات شامل ہیں۔

۶- یہ اعتراضات محض تعصب اور ہٹ دھرمی کی بنا پر کیے گئے ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۷- حضور اکرم ﷺ کا حق ہے کہ امت مسلمہ عالمی سطح پر ایک ایسا قانون نافذ کروائے جو توہین رسالت کے مرتکب افراد کو قرار واقعی سزا دلوائے۔

۸- یہ قانون امن عالم کا ضامن ہوگا۔

۹- یہ قانون سب انبیاء کرام کی ناموس کا محافظ ہوگا۔

۱۰- اس راہ میں پیش آنے والی رکاوٹیں کسی علمی دلیل پر قائم نہیں ہیں اس لیے ایسا قانون نافذ کرنا کوئی ناممکن چیز نہیں۔

(حوالہ جات)

۱- سورۃ آل عمران ۳:۷۹

۲- سورۃ النحل ۱۶:۳۶

۳- سورۃ یوسف ۱۲:۱۰۸

۴- سورۃ الاحزاب ۳۳:۴۵-۴۷

۵- سورۃ الجمعہ ۶۲:۲-۳

۶- سورۃ البقرہ ۲:۱۲۹

۷- السجستانی، امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، دارالکتاب العربی، بیروت، (س-ن)، باب اشہر الحرم، رقم الحدیث: ۱۹۰۹، ج:۲، ص: ۱۴۰

۸- ندوی، علامہ سید سلیمان، سیرت النبی، مکتبۃ مدینہ، اردو بازار، لاہور، (۱۴۰۸ھ)، ج:۴، ص: ۲۰۹

۹- سورہ بنی اسرائیل ۱۷:۷۰

۱۰- الترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی، ابواب البر والصلۃ، سعید ایچ، ایم کمپنی، کراچی (س-ن)، ج:۳، ص: ۱۴

۱۱- جامع الترمذی، ابواب الفتین، ج:۲، ص: ۳۹

۱۲- المنذری، زکی الدین عبدالعظیم عبدالقوی، الترغیب والترہیب، کتاب البیوع، رقم الحدیث: ۲۶۲۳، دار ابن حزم، بیروت، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء

۱۳- ابن ماجہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، سعید ایچ ایم کمپنی، کراچی، ص: ۱۵۶

۱۴- منصوری پوری، قاضی محمد سلیمان، رحمۃ للعالمین، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور (س-ن)، ۶۳/۱

۱۵- النووی، امام شرف الدین، ریاض الصالحین، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ج:۲، ص: ۱۱۸

۱۶- البخاری، محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم، صحیح البخاری، باب من علامات النبوۃ فی الاسلام، رقم الحدیث: ۳۶۱۲

۱۷- احمد بن حنبل، امام، مسند الامام احمد بن حنبل: ۳۹/ ۳۲۶، مؤسسۃ الرسالۃ، (۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء)

۱۸- صحیح البخاری، باب الشفاعۃ فی وضع الدین، رقم الحدیث: ۲۴۰۹

۱۹- مسند الامام احمد بن حنبل، ج:۳۴، ص: ۲۸، رقم الحدیث: ۲۰۳۸۷

۲۰- سورۃ یونس ۱۰:۱۶

۲۱- صحیح البخاری، کتاب بدءالوحی، رقم الحدیث: ۷

۲۲- پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء النبی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور (۱۴۱۸ھ)، ج: ۷، ص: ۱۶۱

۲۳- سورۃ النساء ۴: ۱۰۴

۲۴- ضیاء النبی، ج: ۷، ص: ۱۶۱-۱۶۲

۲۵- ن۔م، ج: ۷، ص: ۱۹۷

۲۶- M. Watt, Muhammad at Makkah, Adenbr University Press, New York, P:47

۲۷- ولیم میور ایک برطانوی مستشرق ہے۔ ہندوستان میں حکومت برطانیہ کا نمائندہ رہا۔ اس کی مشہور کتابوں میں مصادر الاسلام اور شہادۃ القرآن شامل ہیں۔ عقیقی، المستشرقون، دار المعارف، قاہرہ (س۔ن)، ج: ۲، ص: ۵۹

۲۸- William Munir, Muhammad and Islam, P:24, New York

۲۹- پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء النبی، ج: ۷، ص: ۲۶-۲۷

۳۰- Encylopaedia of religion and ethics, 8/827

۳۱- M. Watt, Muhammad Prophet and satesman oxfared university press, (1941)

۳۲- -do-, P:19

۳۳- سورۃ البقرہ ۲: ۲۸۵

۳۴- سورۃ البقرہ ۲: ۲۵۳

۳۵- البخاری، امام ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل، صحیح البخاری، باب لایسب الرجل والدیہ، رقم الحدیث: ۵۹۷۳

۳۶- سورۃ الانعام ۶: ۱۰۸

۳۷- الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ الطبری: ۲/ ۴۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت (۱۴۰۷ھ)

۳۸- سورۃ البقرہ ۲: ۱۷۹

نتائج بحث

۱۔ حق کا لغوی معنی ہے کسی چیز کا سچ ہونا یا درست ثابت ہونا ہے اور اصطلاح میں کسی کے حق سے مراد وہ چیز ہے جو کسی کی نسبت سے دوسرے پر لازم ہوتی ہے۔

۲۔ رسالت کا لغوی معنی پیغام پہنچانا اور شریعت میں اس سے مراد اللہ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچانا ہے۔

۳۔ شریعت میں رسول سے مراد وہ ذات ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنا پیغام اپنے بندوں تک پہنچانے کے لیے منتخب کرے اور وہ صاحب کتاب ہو یا کسی پہلی کتاب کی تبلیغ ایسی قوم میں کرے جس میں پہلے رسول نے تبلیغ نہ کی ہو جبکہ نبی کسی پہلی شریعت کی تبلیغ اسی قوم میں کرنے والے کو کہا جاتا ہے۔

۴۔ حقوق الرسول ﷺ سے مراد وہ چیزیں جو ایک امتی پر حضور اکرم ﷺ کی نسبت سے لازم ہیں مثلاً آپ کی تعظیم بجالانا اور آپ کی نصرت کی سعادت حاصل کرنا۔

۵۔ فقہاء کا لفظی معنی تو سمجھ بوجھ اور ادراک رکھنے والے اشخاص ہیں اور شریعت میں ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلام کے قانونی پہلو کو بیان کرنے کے ماہر ہیں یعنی جو قرآن وسنت کی روشنی میں عملی احکام مستنبط کرتے ہیں۔

۶۔ کیونکہ قرآن وسنت سے مسائل مستنبط کرتے ہوئے دلائل میں اختلاف ہو جاتا ہے۔اس لیے فقہاء کی آراء میں بھی اختلاف پیدا ہو جاتا ہے لیکن یہ اختلاف کسی ضد پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ دلیل کی وجہ سے ہوتا ہے۔

۷۔ چونکہ فقہاء ہی وہ اصحاب علم و دانش ہیں جنہوں نے قرآن وسنت کے قوانین کو سمجھا اور اسے عملی شکل میں پیش کیا اس کے لیے ایک عام آدمی پر لازم ہے کہ وہ ان کی آراء پر عمل کرے کیونکہ وہ خود قرآن وسنت سے مسائل اخذ کرنے کا ملکہ نہیں رکھتا۔فقہاء کی آراء دراصل قرآن وسنت کے احکام کی ہی تعبیر ہوتی ہیں۔

۸۔ اسلامی قانون کے بنیادی ماخذ چار ہیں: قرآن، سنت، اجماع اور قیاس۔

۹۔ اسلامی قانون کا اولین اور بنیادی ماخذ قرآن مجید ہے کیونکہ مقنن حقیقی صرف ذات باری ہے۔اس لیے اس کا اتارا ہوا قانون ہی ہر قانون کا منبع ہے۔

۱۰۔ دوسرا ماخذ سنت ہے کیونکہ قرآن کریم کلیات اور اصولوں کی کتاب ہے اور قرآن مجید کی تعلیم وتبیین کا فریضہ نبی کریم ﷺ کو سونپا گیا تھا۔آپ نے وحی خفی کے ذریعہ سے قرآن کریم کی توضیح کر کے اللہ تعالیٰ کی مراد کو جو واضح فرمایا سنت کہلاتی ہے۔سنت قرآن مجید کے مقابلہ میں کوئی ماخذ نہیں بلکہ قرآن مجید کی ہی تبیین وتعلیم کی عملی شکل ہے۔

۱۱۔ اسلامی قانون کا تیسرا ماخذ اجماع ہے یعنی کسی نئے پیش آنے والے مسئلہ کے حل پر تمام امت کے اصحاب حل وعقد کا جمع ہونا۔اجماع کا حجت ہونا اس امت کی خصوصیات میں سے ہے کیونکہ حضور ﷺ کی امت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔

۱۲- چوتھا ماخذ قیاس ہے یعنی مشترک علت کی بنا پر ایک چیز کا حکم دوسری چیز پر لگا دینا کیونکہ ہر زمانہ میں نئے نئے مسائل کا پیدا ہونا ایک فطرتی عمل ہے اس لیے قیاس اور اجتہاد کو بھی ماخذ قانون قرار دیا گیا۔

۱۳- ان کے علاوہ کچھ دیگر ماخذ بھی ہیں جیسے استحسان یعنی قیاس جلی کی جگہ قیاس خفی پر عمل کرنا۔ اسے ہی امام شافعی مصالح مرسلہ کا نام دیتے ہیں اسی طرح شرائع سابقہ اور عرف و رواج وغیرہ بھی قانون کے ماخذ ہیں۔ یہ سب ماخذ حقوق الرسول ﷺ کے متعدد پہلوؤں کو بیان کرتے ہیں۔

۱۴- یہودیت، نصرانیت، ہندومت اور دیگر قدیم مذاہب میں بھی اپنے اپنے رسولوں اور مذہبی شخصیات کے بہت سے حقوق بیان کیے گئے ہیں۔

۱۵- ایمان کے لغوی معنی ماننا یا پختہ یقین کرنا ہے اور شریعت میں ایمان سے مراد نبی کریم ﷺ کی بتائی ہوئی ہر بات پر اتنا پختہ یقین کرنا ہے جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہ ہو۔

۱۶- چونکہ پورے کا پورا دین ذات رسالت مآب ﷺ سے ہی انسان کو ملتا ہے۔ اس لیے ایمان بالرسول ﷺ کے بغیر دین کا کوئی تصور نہیں۔

۱۷- تمام فقہاء کے نزدیک ایمان بالرسول سب سے اہم فرائض میں سے ایک فرض ہے لیکن اس کے اطلاق میں کچھ اختلاف ہے۔

۱۸- ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالی نے انبیاء و رسل بھیجنے کا جو سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع کیا تھا وہ نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی پر ختم ہو گیا اور آپ کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔

۱۹- ختم نبوت کا عقیدہ قرآن وسنت کی نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔

۲۰- عقیدہ ختم نبوت پر اجماع امت بھی ہے اور یہ عقیدہ ناقابل تردید دلائل عقلیہ پر قائم ہے۔

۲۱- جمیع فقہاء، عقیدہ ختم نبوت پر متفق ہیں کسی ایک فقیہ کو بھی اس پر اختلاف نہیں ہے۔

۲۲- حقوق الرسول ﷺ کے اعتقادی پہلوؤں میں سے ایک اہم پہلو آپ کی تعظیم وتوقیر ہے۔

۲۳- توقیر وتعظیم نبوت پر قرآن وسنت کے صریح اور واضح دلائل موجود ہیں۔

۲۴- امت مسلمہ نے شروع سے آج تک تعظیم وتوقیر نبوی کے ایسے پرسوز نمونے قائم کیے ہیں کہ ان کی مثال پیش کرنے سے پوری دنیا کی تاریخ قاصر ہے۔

۲۵- فقہاء کے نزدیک تعظیم نبوی اعظم واجبات میں سے ہے اور سب نے اپنے اپنے انداز میں اس کی تلقین کی ہے۔

۲۶- حضور اکرم ﷺ کے حقوق کے اعتقادی پہلوؤں میں سے ایک اہم پہلو آپ سے محبت کرنا بھی ہے۔

۲۷- قرآن وسنت میں بڑی تاکید سے محبت رسول ﷺ کی تاکید کی گئی ہے۔

۲۸- محبت کے تین اسباب میں جمال، کمال اور نوال اور یہ سب اسباب محبت پوری دنیا سے زیادہ نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی میں پائے جاتے ہیں۔ آپ سے محبت کے تقاضوں میں آپ کی اتباع، آپ کے دیدار کا شوق اور آپ سے نسبت رکھنی والی ہر چیز سے محبت شامل ہے۔

۲۹- سب فقہاء محبت سوال کو ایمان کے لیے ضروری اور لازم سمجھتے ہیں اور اپنے اپنے انداز میں اس کی تلقین کرتے ہیں۔

۳۰- اتباع کا لغوی معنی تو کسی کے پیچھے پیچھے چلنا یا اس کی پیروی کرنا ہے اور شریعت میں نبی کریم ﷺ کی محبت کے سبب ہر صورت میں آپ کی پیروی کرنا ہے۔

۳۱- قرآن وسنت میں اتباع نبوی کی پیروی کی بہت تاکید کی گئی ہے۔

۳۲- چونکہ انسان حقیقت مطلقہ کا ادراک نہیں کر سکتا اس لیے اسے نجات اور فلاح کیلئے وحی کی پیروی کرنا لازمی ہے جس کی عملی شکل اتباع نبوی ہی ہے۔

۳۳- اتباع نبوی کے وجوب پر تمام فقہاء متفق ہیں۔

۳۴- نصرت کا لفظی معنی مدد کرنا ہے اور شریعت میں نبی کریم ﷺ کی خدمت کرنے کی سعادت حاصل کرنا ہے قرآن وسنت میں اس کی بہت تاکید کی گئی ہے۔

۳۵- نصرت کی مختلف شکلیں ہیں جیسے آپ کے مقصد بعثت اور مکارم الاخلاق کو پھیلانا یا آپ کے لائے ہوئے دین کی نشر واشاعت کرنا۔

۳۶- نصرت رسول ﷺ کے لازم ہونے اور اس کے وجوب سب فقہاء کا اتفاق ہے۔

۳۷- صلوٰۃ کے لغوی معنی دعا کرنا اور اسلام کا معنی سلامتی چاہنا ہے اور شریعت میں اس سے مراد مخصوص الفاظ سے نبی کریم ﷺ کے لیے رحمت اور سلامتی مانگنا ہے۔

۳۸- درود وسلام نبی کریم ﷺ کے بے پناہ احسانات کا شکر انہاور اللہ تعالیٰ کی رحمت کو سمیٹنے کا ذریعہ ہے۔

۳۹- درود وسلام کے شرف اور اس کی اہمیت پر تو سب فقہاء متفق ہیں لیکن مخصوص اوقات میں پڑھنے میں کچھ اختلاف ہے۔

۴۰- تحفظ ناموس رسالت سے مراد نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی کا تحفظ کرنا اور آپ کے دفاع کرنے کی سعادت حاصل کرنا ہے۔

۴۱- قرآن وسنت کی روشنی میں توہین رسالت کی سزا اس کے مرتکب کو قتل کرنا ہے۔

۴۲- تمام فقہاء توہین رسالت کی سزا قتل ہی مانتے ہیں اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

فہرست آیات قرآنی

نمبر شمار	متن آیت	سورہ کا نام	آیت نمبر	صفحہ
۱	وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ	البقرہ۲	٤	۱۲۱
۲	خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ وَ عَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ	البقرہ۲	۷	۱۱۸
۳	هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا	البقرہ۲	۲۹	۲۱۸
٤	یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا وَ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ	البقرہ۲	۱۰٤	۱٥٤
٥	رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ یُزَكِّیْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ	البقرہ۲	۱۲۹	٥۹، ۳۲۰
٦	اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ	البقرہ۲	۱٤۳	٦٥
۷	اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَ مَاۤ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ	البقرہ۲	۱۷۳	۳۸
۷	وَ لَكُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوةٌ یّٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ	البقرہ۲	۱۷۹	۳٦۰
۸	كُتِبَ عَلَیْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَیْرَا اِ الْوَصِیَّةُ لِلْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ	البقرہ۲	۱۸۰	۳٤
۹	شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ	البقرہ۲	۱۸٥	٥۰
۱۰	یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ	البقرہ۲	۱۸٥	٥۳
۱۱	فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ	البقرہ۲	۲۱۳	۲۰
۱۲	یَسْــٴَـلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَاۤ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ	البقرہ۲	۲۱۹	٥٥
۱۳	وَ الَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ یَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا	البقرہ۲	۲۳٤	۳۹

۱۴	وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ	البقره۲	۲۴۰	۳۹
۱۵	تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ	البقره۲	۲۵۳	۳۵۱
۱۶	قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ	آل عمران۳	۳۱	۱۸۳
۱۷	قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ	آل عمران۳	۳۲	۱۱۰،۲۱۷
۱۸	ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ	آل عمران۳	۴۴	۲۲۱
۱۹	فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ	آل عمران۳	۶۱	۲۲۰
۲۰	مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ	آل عمران۳	۷۹	۲۱۸
۲۱	ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ	آل عمران۳	۸۱	۲۳۵
۲۲	وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ	آل عمران۳	۱۳۲	۲۱۷
۲۳	وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ	آل عمران۳	۱۶۴	۲۴۸
۲۴	يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ	النساء۴	۴۳	۵۵
۲۵	وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا	النساء۴	۷۵	۲۴۶
۲۶	مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا	النساء۴	۸۰	۱۸۳،۲۱۲
۲۷	وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا	النساء۴	۱۰۴	۳۴۰

۲۸	وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ	النساء۴	۱۱۵	۶۵
۲۹	يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا	النساء۴	۱۳۶	۱۰۹
۳۰	رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ	النساء۴	۱۶۵	۲۲۲
۳۱	اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا	المائدۃ۵	۳	۱۳۵،۱۲۲
۳۲	يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّ لَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّ نَذِيْرٌ	المائدۃ۵	۱۹	۲۲۲
۳۳	يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ	المائدۃ۵	۶۷	۲۴۰
۳۴	يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ	المائدۃ۵	۹۰	۵۵
۳۵	يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَ اِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ	المائدۃ۵	۱۰۱	۵۴
۳۶	اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ	الانعام۶	۹۰	۷۸

٣٧	وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ	الانعام٦	٩١	٢١٩،١١٠،٢٣
٣٨	اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ	الانعام٦	١٤٥	٣٨
٣٩	وَ مَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ	الاعراف٧	٩٤	١٩
٤٠	اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ	الاعراف٧	١٥٧	٢٠
٤١	وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ	الاعراف٧	١٥٧	٥٣
٤٢	فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ	الاعراف٧	١٥٧	٢٣٦
٤٣	قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا	الاعراف٧	١٥٨	١٣٦،١٢٢
٤٤	خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ	الاعراف٧	١٩٩	٧٩
٤٥	یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ	الانفال٨	٢٤	١٥٦
٤٦	لِّیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَیِّنَةٍ وَّ یَحْیٰى مَنْ حَیَّ عَنْۢ بَیِّنَةٍ	الانفال٨	٤٢	٢٢١
٤٧	قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِیْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ	التوبة٩	٢٤	١٧٦
٤٨	لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ	التوبة٩	١٢٨	٢٦
٤٩	فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَ شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا یَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَیْكُمْ غُمَّةً	یونس ١٠	٧١	٦٤
٥٠	اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ	یونس ١٠	٦٦	٢٢٠
٥١	قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَیْكُمْ وَ لَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ	یونس ١٠	١٦	٣٣٦

نمبر	آیت	سورۃ	آیت نمبر	صفحہ
۵۲	وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ	ھود ۱۱	۹۱	۹۰
۵۳	قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِيْ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ	یوسف ۱۲	۱۰۸	۳۱۹
۵۴	اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ	الحجر ۱۵	۹	۱۳۷
۵۵	وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ	النحل ۱۶	۳۶	۳۱۸،۲۳۹
۵۶	وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ	النحل ۱۶	٤٤	۵۸
۵۷	وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ	النحل ۱۶	۸۹	۵۱
۵۸	وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا	بنی اسرائیل ۱۷	۱۵	۲۲۲
۵۹	وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا	بنی اسرائیل ۱۷	۷۰	۲۳۵
٦۰	يٰٓاِبْرٰهِيْمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَ اهْجُرْنِيْ مَلِيًّا	مریم ۱۹	٤٦	۹۰
٦۱	قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَ انْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ	الانبیاء ۲۱	٦۸	۹۰
٦۲	وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا	الانبیاء ۲۱	۷٤	۲۲۰
٦۳	وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّ لَا نَبِيٍّ اِلَّآ	الحج ۲۲	۵۲	۱۹
٦٤	اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ ـــــ	الحج ۲۲	۷۵	۲۰
٦۵	وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا	النور ۲٤	۵٤	۱۲۱
٦٦	تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا	الفرقان ۲۵	۱	۱۳۷

٦٧	وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا	النمل٢٧	١٥	٢٢٠
٦٨	وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا	القصص٢٨	١٤	٢٢٠
٦٩	مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ	الاحزاب٣٣	٤٠	١٢٣،١٩
٧٠	يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا	الاحزاب٣٣	٤٦	٣١٩
٧١	اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا	الاحزاب٣٣	٥٦	٢٦١،٢٦
٧٢	اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ---- مَّلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝	الاحزاب٣٣	٦١	٢٨٣
٧٣	وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا	الاحزاب٣٣	٧١	٢١٧
٧٤	اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	الاحزاب٣٣	٧٢	١٠٢
٧٥	وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا	سبا٣٤	٢٨	١٣٦
٧٦	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ	محمد٤٧	٣٣	٢١٧
٧٧	اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا	الفتح٤٨	٨	١٥٣
٧٨	لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ	الفتح٤٨	٩	٢٣٦

٧٩	وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ	الفتح ٤٨	٩	١٥٠
٨٠	وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا	الفتح ٤٨	١٣	١٠٨
٨١	وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ	الذاريت ٥١	٥٦	٢١٨
٨٢	اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ	النجم ٥٣	٢٣	٢١٩
٨٣	وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا	النجم ٥٣	٢٨	٢٢٠
٨٤	يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ	الحجرات ٤٩	١_٣	١٥٥
٨٥	فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ	الحشر ٥٩	٢	٧٠
٨٦	وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا	الحشر ٥٩	٧	٢١١
٨٧	هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ	الجمعه ٦٢	٢	١٤٠،٣٢٠
٨٨	فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْۤ اَنْزَلْنَا وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ	التغابن ٦٤	٨	١٠٨
٨٩	فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ	المزمل ٧٣	٢٠	٣٤
٩٠	وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ	التكوير ٨١	٢٤	٢٢١
٩١	اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ	النصر ١١٠	١	٢٣٢

فہرست احادیث

صفحہ	تخریج		الحدیث	نمبر شمار
۳۰	صحیح بخاری، کتاب الوضوء باب وضع الماء عند الخلاء رقم الحدیث: ۱۴۳		"اللھم فقه فی الدین وعلمه التاویل-------------"	۱
۳۳	صحیح مسلم کتاب الصلوۃ باب وجوب قراءۃ الفاتحه فی کل رکعه رقم الحدیث: ۷۷۸		"عن عبادۃ بن الصامت یبلغ به النبی ﷺ لا صلوۃ الا لمن یقرو بفاتحۃ الکتاب"	۲
۳۴	صحیح البخاری، باب لاوصیه لوارث، رقم الحدیث: ۲۷۴۷		لاوصیۃ لوارث-------------------------------	۳
۳۵	صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب حکم بیع المصراۃ، رقم الحدیث: ۳۷۲۰		"من اشتری شاۃ مصراۃ فلینقلب بهافلیحلبها فان رضی حلابها امسکها والا ردها ومعها صاع من تمر"	۴
۶۱	سنن ابی داؤد، باب اجتهاد الرای، رقم الحدیث: ۳۵۹۴		الحمدللّٰه الذی وفق رسول رسول اللّٰه لما یرضی رسول اللّٰه۔"	۵
۶۶	سنن ابن ماجه کتاب الفتن، باب السواد الاعظم، رقم الحدیث: ۳۹۵۰		"امتی لا تجتمع علی الضلالة فاذا رأیتم اختلافا فعلیکم بالسواد الاعظم۔"	۶
۷۱	صحیح البخاری، باب من شبه اصلاً معلوما باصل مبین، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، رقم الحدیث: ۷۳۱۵		"نعم حجی عنها أرأیت لو کان علی امك دین اکنت قاضیته قالت نعم فقال اقضوا اللّٰه الذی له فان اللّٰه احق بالوفاء"	۷
۱۰۹	صحیح مسلم، باب وجوب الایمان برسالة نبینا محمد ﷺ کتاب الایمان، رقم الحدیث: ۲۹۴		"والذی نفس محمد بیده لا یسمع بی احد من هذا الامة یهودی ولا نصرانی ثم یموت ولم یومن بالذی ارسلت به الا کان من اصحاب النار۔"	۸

۹	"اُمرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا أن لا الٰہ الاّ اللّٰہ ویومنوا بی وبما جئت بہ فاذا فعلوا ذلک عصموا منی دماء ھم و أموالھم الا بحقھا و حسابھم علی اللّٰہ۔"		صحیح بخاری، باب فان تابوا و اقاموا الصلوۃ۔۔۔۔ الخ، کتاب الایمان،رقم الحدیث:۲۵	۱۰۹
۱۰	"کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ نبی وانہ لا نبی بعدی وسیکون خلفاء۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ الخ"		صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل، رقم الحدیث: ۲۷۲	۱۲۴
۱۱	"عن ابی ھریرۃ ان رسول اللّٰہ ﷺ قال مثلی و مثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بنیانا فاحسنہ وا جملہ الا موضع لبنۃ من زاویۃ من زوایاہ فجعل الناس یطوفون بہ و یعجبون لہ ویقولون ھلا وضعت ھذہ اللبنۃ قال فانا اللبنۃ وانا خاتم النبیین"		صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب ذکر کونہ ﷺ خاتم النبیین، رقم الحدیث: ۵۸۴۴	۱۲۵
۱۲	"فانا موضع اللبنۃ جئت فختمت الانبیاء"		صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب ذکر کونہ خاتم النبیین ﷺ رقم الحدیث: ۵۸۴۶	۱۲۵
۱۳	"انی آخر الانبیاء وان مسجدی آخر المسجد"		صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فضل الصلوۃ بمسجدی، رقم الحدیث: ۳۳۷۲	۱۳۲
۱۴	"اُرسلت الی الخلق کافۃ"		صحیح مسلم، کتاب المساجد رقم الحدیث: ۱۰۴۹	۱۳۷
۱۵	"ما من مومن الا وانا أولی بہ فی الدنیا والآخرۃ اقراء وا ان شئتم النبی اولی بالمومنین من انفسھم فایما مومن مات و ترک مالا فلیرثہ عصبتہ من کانوا ومن ترک دینا او ضیاعا فلیأتنی فانا مولاہ۔"		صحیح البخاری، باب الصلوۃ علی من ترک دینا رقم الحدیث:۲۳۹۸	۱۵۷

۱۶	"عن عثمان بن عفانؓ انه سئل قباث بن اشیم اخا بنی یعمر بن لیث انت اکبر ام رسول اللہ ﷺ؟ فقال رسول اللہ ﷺ اکبر منی وانا اقدم منه فی المیلاد۔"		سنن الترمذی، ابواب المناقب، باب ما جاء فی میلاد النبی ﷺ رقم الحدیث:۳۶۱۹	۱۶۰
۱۷	"لا یومن احد کم حتی اکون احب الیه من والده و ولده والناس اجمعین۔"		کتاب الایمان، باب حب الرسول ﷺ من الایمان، رقم الحدیث: ۱۴	۱۷۷
۱۸	"ثلاث من کن فیه وجد حلاوة الایمان ان یکون اللہ ورسوله أحب الیه مما سواهما وأن یحب المرء لا یحبه الا للہ وان یکره ان یعود فی الکفر کما یکره ان یقذف فی النار۔"		کتاب الایمان، باب حب الرسول ﷺ من الایمان، رقم الحدیث: ۱۶	۱۷۷
۱۹	"اوصیکم بتقوی اللہ والسمع والطاعة ان عبد حبشی فإنه من یعش منکم یری اختلافا کثیرا وإیاکم ومحدثات الامور فإنها ضلالة فمن ادرک ذلک منکم فعلیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین عضوا علیها بالنواجذ قال ابو عیسیٰ حدیث صحیح۔"		سنن الترمذی، باب ماجاء فی الاخذ بالسنة واجتناب البدع، رقم الحدیث: ۲۶۷۶	۲۱۳
۲۰	لا تسألوا اهل الکتاب عن شیٔ فانهم لن یهدوکم وقد ضلو إما ان تصدقوا بباطل اور تکذبوا بحق فانه لو کان موسیٰ حیا بین اظهر کم ما احل له الاّ ان یتبعنی۔"		مسند الامام احمد بن حنبل، مسند جابر بن عبداللہ، رقم الحدیث: ۱۴۶۳۱	۲۱۳
۲۱	"کل امتی یدخلون الجنة الاّ من ابی قالوا یا رسول اللہ ومن یأبی قال من اطاعنی دخل الجنة ومن عصانی فقد ابی۔"		صحیح البخاری، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ، رقم الحدیث ۷۲۸۰	۲۱۴

۲۲	"من رأی منکم منکرا فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه و ذلك اضعف الایمان۔"		سنن ابن ماجه کتاب الصلوٰة، باب ما جاء فی صلاة العیدین، رقم الحدیث: ۱۲٦۵	۲٤۵
۲۳	"عن علی ان یهودیة کانت تشتم النبی ﷺ و تقع فیه فخنقها رجل حتی ماتت فابطل النبی ﷺ دمها۔"		سنن ابی داؤد، باب الحکم فمن سب النبی ﷺ، رقم الحدیث: ٤۳٦٤	۲۹۰
۲٤	"فهل کنتم تتهمون بالکذب قبل ان یقول ما قال؟ قلت: لا، قال هل یغدر؟ قلت لا۔"		صحیح البخاری، کتاب بدء الوحی، رقم الحدیث: ۷	۳۳٦
۲۵	"ان من اکبر الکبائر ان یلعن الرجل والدیه قیل یا رسول اللّٰه و کیف یلعن الرجل والدیه قال یسب الرجل ابا الرجل فیسب اباه ویسب امه۔"		صحیح البخاری، باب لایسب الرجل والدیه رقم الحدیث: ۵۹۷۳	۳۵۸

مراجع ومصادر

مراجع ومصادر

۱- آلوسی، السید محمود آفندی، روح المعانی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۵ھ

۲- الاصفہانی، علامہ الراغب، مفردات الفاظ القرآن، مادہ۔حق، دار الکتب العربی، ۱۴۱۸ھ

۳- الاصبحی، ابوعبداللہ، مالک بن انس، موطا امام مالک، دار القلم، دمشق، الطبعۃ الاولی، ۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۱ء،

۴- الافریقی، ابن منظور، لسان العرب، مادہ ختم (۴/ ۲۵)۔دار صادر، بیروت ۱۴۱۴ھ

۵- ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام، الصارم المسلول، المکتبۃ العصریۃ، بیروت، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۹ء

۶- ابوداؤد، امام، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۴ھ

۷- ابن ماجہ، امام، سنن ابن ماجہ، دار الفکر، بیروت، س۔ن

۸- احمد بن حنبل، امام، مسند احمد بن حنبل، دار الحدیث، قاہرہ، ۱۹۹۹ء

۹- ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، المحقق سامی بن محمد، الطبعۃ ثانیۃ، دار طیبہ للنشر والتوزیع:
۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء

۱۰- ابن قدامہ حنبلی، موفق الدین عبد اللہ بن احمد، المغنی، دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۵ھ

۱۱- ابن قیم، شمس الدین محمد بن ابوبکر، جلاء الافہام فی الصلوٰۃ والسلام علی خیر الانام، المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ بالجامع
البغدادی گلبرگ اے، لائلفور، پاکستان، س۔ن

۱۲- ابن حبان، محمد بن احمد، صحیح ابن حبان، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۳

۱۳- ابن عساکر، حافظ ابوالقاسم علی بن حسین، تاریخ دمشق، دار صادر، بیروت، ۱۹۹۵

۱۴- اقبال، علامہ، کلیات اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، لاہور (۱۹۸۲ء)

۱۵- ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان، ۱۹۹۵ء

۱۶- بخاری، امام ابوعبداللہ بن اسمٰعیل، صحیح بخاری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۷۸ء

۱۷- بیضاوی، قاضی، عبداللہ بن عمر، انوار التنزیل، دار الکتب العلمیہ، بیروت (۱۹۸۸ء)

۱۸۔ بدرعالم میرٹھی، ترجمان السنۃ، ادارہ اسلامیات، لاہور، س۔ن

۱۹۔ البیہقی، ابوبکر احمد بن حسین، المدخل الی السنن الکبری، دار الخلفاء، ۱۹۸۰ء

۲۰۔ ترمذی، امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسی ترمذی، سنن الترمذی، کتاب الرویا: قدیمی کتب خانہ، کراچی

۲۱۔ التفتازانی، الشافعی، سعدالدین مسعود بن عمر، شرح التلویح علی التوضیح، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء

۲۲۔ تبریزی، امام ولی الدین، مشکوۃ المصابیح، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، س۔ن

۲۳۔ تھانوی، اشرف علی، علامہ، نشر الطیب، تاج کمپنی، کراچی، ۱۹۵۶

۲۴۔ حقی، شیخ اسماعیل، روح البیان، المکتبۃ الاسلامیہ، ریاض، س۔ن

۲۵۔ خفاجی، علامہ احمد شہاب الدین، نسیم الریاض، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۱

۲۶۔ الجرجانی، السید الشریف علی بن محمد، کتاب التعریفات، انتشارات ناصر خسرو، تہران، (۱۳۰۶ھ)

۲۷۔ الجزری، ابن الاثیر، النہایۃ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ

۲۸۔ ابن الاثیر الجزری، جامع الاصول فی احادیث الرسول، مکتبۃ الحلوانی، ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء،

۲۹۔ الجصاص، ابوبکر احمد بن علی الرازی، احکام القرآن، دار احیاء التراث الاسلامی، بیروت

۳۰۔ الجکنی، الشنقیطی، محمد امین المختار، اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن، دار الفکر للطباعۃ والنشر، بیروت، ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵ء

۳۱۔ الدارقطنی، علی بن عمر ابوالحسن، سنن الدارقطنی، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء

۳۲۔ دہلوی، شیخ عبدالحق محدث، تکمیل الایمان، نذیر سنز پبلشرز، اردو بازار، لاہور

۳۳۔ دہلوی، شیخ عبدالحق محدث، اشعۃ اللمعات (اردو)، مطبوعہ فرید بک سٹال، لاہور

۳۴۔ رازی، فخر الدین، تفسیر کبیر، مکتب الاعلام اسلامی، ۱۴۱۱ھ

۳۵۔ رازی: امام فخر الدین، المحصول، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ

۳۶۔ رشی دیانند، ستیارتھ پرکاش (مترجم: چمپوپتی)، پنجاب گوردت لاہور، س۔ن

۳۷۔ الرازی، محمد بن ابوبکر بن عبدالقادر، مختار الصحاح، باب الخاء، مکتبہ لبنان ناشرون، بیروت، س۔ن

۳۸۔ الزبیدی، محمد بن عبد الرزاق، تاج العروس، ۱۴۰۵ھ

۳۹۔ الزمخشری، جار اللہ، الفائق فی غریب الحدیث، بیروت، س۔ن

۴۰۔ السخاوی، شمس الدین محمد بن ابو بکر، القول البدیع، لاثانی کتب خانہ، متصل جامع مسجد دو دروازہ، سیالکوٹ

۴۱۔ سرہندی، حضرت مجدد الف ثانی، شیخ احمد، اثبات النبوۃ، شیر ربانی پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۵ء

۴۲۔ سیوہاروی، محمد حفیظ الرحمٰن، قصص القرآن، پروگریسو بکس، اردو بازار، لاہور، ۱۹۸۰

۴۳۔ سیوطی، امام جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، دار الفجر للتراث، ۲۰۰۶ء

۴۴۔ سجستانی، امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، دار الکتاب العربی بیروت

۴۵۔ الشعرانی، امام عبد الوہاب، میزان الشریعۃ الکبری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۸ھ

۴۶۔ شافعی، امام محمد بن ادریس، الرسالۃ، مصطفیٰ البابی، مصر، ۱۹۶۹ء

۴۷۔ شامی، ابن عابدین، رسائل، سہیل اکیڈمی، لاہور، س۔ن

۴۸۔ الشاطبی، ابو اسحٰق ابراہیم بن موسیٰ، الاعتصام، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان، ۱۴۰۲ھ

۴۹۔ الشوکانی، علامہ محمد بن، فتح القدیر، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ۱۴۱۸ھ

۵۰۔ الطبرانی، ابو القاسم، سلیمان بن ایوب، المعجم الکبیر، مکتبۃ العلوم والحکم، الموصل، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۳ء

۵۱۔ الطبری، امام محمد بن جریر، جامع البیان فی تأویل القرآن، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۲۰ھ/۲۰۰۰ء

۵۲۔ الطحاوی، ابو جعفر، احمد بن محمد، شرح معانی الآثار، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۹۹ھ

۵۳۔ العینی، بدر الدین، عمدۃ القاری، ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ، مصر، ۱۳۴۸ھ

۵۴۔ عجاج خطیب، ڈاکٹر، اصول الحدیث، مکتبہ وہبۃ، مصر، س۔ن

۵۵۔ عسقلانی، شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر، فتح الباری، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۰ھ

۵۶۔ عظیم آبادی، شمس الحق، محمد، عون المعبود، دار الکتب العلمیہ، بیروت، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۱۵ھ

۵۷۔ الغزالی، امام، المستصفی، المطبعۃ الامیریہ، بولاق، مصر، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۲۴ھ

۵۸۔ فرہاری، علامہ محمد بن عبد العزیز، النبراس، مکتبہ حقانیہ، ملتان، س۔ن

۵۹- کیرالونوی، مولانا وحیدالزمان قاسمی، القاموس الجدیدہ، ادارہ اسلامیات، لاہور،۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء

۶۰- قاری، ملاعلی، شرح فقہ اکبر، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س۔ن

۶۱- قشیری، ابوالحجاج مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، درالکتب العلمیۃ، بیروت، س۔ن

۶۲- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، الشفاء، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ

۶۳- لویس معلوف، المنجد، انتشارات اسماعیلیاں، تہران، ۱۹۸۰ء

۶۴- محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۳۹۹ھ۔۱۹۷۹ء۔

۶۵- المنذری، الحافظ عبدالعظیم بن القوی، الترغیب والترہیب، دار ابن حزم، بیروت، لبنان،۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء

۶۶- النسائی احمد بن شعیب، سنن النسائی، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱۴۱۱ھ

۶۷- مالکی، قاضی ابوالولید ابن رشد، بدایۃ المجتہد، دارالفکر، بیروت، س۔ن

۶۸- مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، مکتبۃ المعارف، الریاض، ۱۸۱۷ھ/۱۹۹۶ء

۶۹- المتقی، الہندی، علاؤ الدین علی بن حسام الدین، کنزالعمال فی سنن الاقوال والاحوال، مؤسسۃ الرسالۃ الطبعۃ الخامسۃ: ۱۴۰۱/۱۹۸۱ء

۷۰- مکی، موفق، مناقب الامام الاعظم، مطبوعہ، کوئٹہ، ۱۴۰۷ھ

۷۱- مودودی، سید ابوالاعلیٰ، یہودیت قرآن کی روشنی میں، ادارہ ترجمان القرآن لمیٹڈ، لاہور، ۲۰۰۰ء

۷۲- ماتریدی، علامہ غلام حسین عاصم، شرح عقائد نسفی، فیض رضا پبلی کیشنز، فیصل آباد، س۔ن

۷۳- المقریزی، تقی الدین احمد بن علی، امتاع الاسماع بما للنبی من الاحوال والاموال، دارالکتب العلمیۃ بیروت الطبعۃ الاولی، ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء،

۷۴- نیشاپوری، نظام الدین محمد بن حسین القمی، تفسیر غرائب القرآن و رغائب الفرقان، مطبعہ مصطفیٰ البابی والحلبی واولادہ بمصر، س۔ن

۷۵- النووی، ابوزکریا یحییٰ بن شرف، شرح النووی علی صحیح مسلم، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۹۲ھ

۷۶- ولی اللہ، شاہ، قرۃ العینین، دارالاشاعت، لاہور س۔ن